86329

~~68329~~

طبع اوّل ـــــ ایک ہزار

قیمت ـــــــــــــ تین روپے آٹھ آنے

مطبوعہ ـــــــــــــ اِنشا پریس اُردو بازار لاہور

Marfat.com

مقدمہ

زرعی مسائل ایک ایسے ملک میں جس کی اسی فی صدی آبادی زراعت سے منسلک ہو ایک خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، پھر جب وہ باوجود اپنی اہمیت کے اس حد تک نظر انداز کئے جائیں کہ ان پر ابھی تک ایک بھی سیر حاصل تبصرہ نہ کیا گیا ہو، تو اس قسم کا کام کرنے کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے، اس بہت بڑے خلا کو کوئی ایک کتاب پوری طرح پر نہیں کر سکتی، تاہم اس سمت میں ایک کوشش کی گئی ہے، جو امید ہے گوارا تصور کی جائے گی۔

اس کتاب کو لکھنے اور چھپنے کے درمیان مختلف وجوہ سے بہت سا وقت گذر گیا ہے، تاہم بنیادی مسائل کی نوعیت اور اہمیت جوں کی توں موجود ہے، کوئی بڑا اقدام اس عرصے میں حکومت نہیں کر سکی، جس کی وجہ بڑی حد تک غالباً یہ ہے کہ سیاسی نقطۂ نظر سے وہ ٹھیراؤ میسّر نہیں ہوا، جس کے بعد ہی بڑے پیمانے کے تعمیری اقدام ممکن ہوتے ہیں، صوبائی عصبیتیں، گروہ بندیاں اور اقتدار کی ہوس گذشتہ تین سال سے (جب یہ کتاب لکھی گئی تھی) قومی تقاضوں کو پس پشت ڈالتے چلے

Marfat.com

آتے ہیں، جو بھی نیا دستور بن گیا امید ہے یہ چیز کسی حد تک بدل جائے گی اور قوم کو بنیادی تعمیری مسائل کی طرف توجہ دینے کا زیادہ موقع مل سکے گا۔

ابتدائی کام کسی حد تک اس عرصے میں بھی ہوتا رہا ہے، لارڈ بانڈ... کی زیر صدارت ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی جسے موجودہ زرعی نظام کی حدود کے اندر زرعی ترقی کے لئے سفارشات کرنے کو کہا گیا تھا، اس کمیٹی کی رپورٹ عرصے سے چھپ چکی ہے، اگرچہ اس پر بھی پورا عمل ابھی نہیں کیا جا سکا، ظاہر ہے کہ جلد یا بدیر ہمیں نہ صرف اس پر عمل کرنا پڑے گا بلکہ موجودہ زرعی نظام کے باہر جا کر جو اصلاح زراعت کی ممکن ہو اسے بھی اپنانا پڑے گا۔

دیگر جو اہم چیزیں اس عرصے میں ہوئی ہیں ان میں آبپاشی اور برقابی کے بڑے منصوبے ممتاز مقام رکھتے ہیں، اور ان کی تکمیل پر نئی زمینوں پر بہتر طریقے سے زرعی تنظیم کی جا سکے گی، بجلی کی قوت زراعت کی ترقی کے لئے اتنی ہی اہم ہے، جتنی صنعتوں کے لئے ضروری ہے، اور ابھی تک جتنی بجلی اس ملک میں پیدا ہوئی ہے وہ صنعتوں کے لئے بھی کافی نہیں، اس سمت میں بڑے پیمانے پر مزید کام کرنے کی بڑی ضرورت ہے تاکہ موجودہ دور کی روشنی ہمارے گاؤں میں رہنے والے بھائیوں تک پہنچ سکے، اور انھیں گھریلو صنعتوں کو کامیاب طریقے پر چلانے کا موقع مل سکے۔

ان سے اہم تر امدادِ دیہہ کا پروگرام ہے جس پر کام شروع کرنے سے پہلے کارکنوں کو تربیت دی جا رہی ہے۔ اس قسم کا کام

Marfat.com

ہندوستان ہم سے پہلے کر چکا ہے اور وہاں اس کے نتائج بڑے حوصلہ افزا رہے ہیں، امدادِ دیہہ کے کارکن تربیت حاصل کرنے کے بعد مختلف چنے ہوئے علاقوں میں پھیل جائیں گے اور دیہات والوں کو بہتر زراعت کی ترغیب خود ان کے کام میں شریک ہو کر دینگے، مقصد یہ ہوگا کہ وہ علم جو کتابوں میں موجود ہے وہ عملی طور پر زراعت کی تنظیم میں استعمال کیا جائے۔

اس عرصے میں مصنوعی کھاد کے ایک کارخانے پر بھی کام شروع ہو چکا ہے، جس کی اہمیت کے متعلق کتاب میں ایک جگہ بحث ہے، کھاد کے کھیتوں تک پہنچنے کے راستے میں جو دشواریاں ہیں ان پر غور کرنے کا اب وقت آ گیا ہے۔

یہ سب چیزیں مل کر بھی ہمارے ملک کی زراعت میں وہ نکھار نہیں پیدا کر سکیں گی، جس کی ضرورت وقت کے معاشی اور معاشرتی تقاضوں کی وجہ سے اس کتاب میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے، جو راستہ اس سلسلے میں تجویز کیا گیا ہے اس کی قطعیت کے متعلق کوئی دعویٰ ہم نہیں کرتے، یہ محض ایک دعوت فکر ہے۔

آخر میں مَیں ادارۂ ثقافت اسلامیہ کا ممنون ہوں جن کی تحریک پر یہ کتاب لکھی گئی ہے اور جو اسے شائع کر رہے ہیں، جب ابتداءً میں یہ کام میرے سپرد کیا گیا تو مجھے کسی قدر ہچکچاہٹ اس وجہ سے ہوئی کہ نیم سرکاری اداروں میں خیال و فکر کو پوری آزادی حاصل نہیں ہوتی، جب میں نے اس کا اظہار مخدومی ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب سے کیا تو اُنھوں نے کہا کہ ہماری طرف سے کوئی قید نہیں

Marfat.com

جو آپ صحیح سمجھتے ہوں لکھئے، ان کی اس وسیع خیالی کی وجہ سے اس متنازع فیہ مسئلہ پر لکھنے میں کوئی دقت نہیں رہی ۔

۳۱ ۔ مئی ۱۹۵۵ء

مصنف

Marfat.com

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	باب
۹	یا مژدہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار :	باب اوّل :
۹	۱۔ مسئلہ زمین کی اہمیت	
۱۰	۲۔ ہمارے معاشرے کی حالت	
۱۱	۳۔ پاکستان اور دُوسرے مُلکوں کی زرعی پیداوار کا مقابلہ	
۱۴	۴۔ کیا ہماری زمین بنجر ہے	
۱۶	۵۔ ہماری زمین کا دُوسرے مُلکوں کی زمینوں کی زرخیزی سے مقابلہ ..	
۱۸	۶۔ ہمارے کھیتوں کا رقبہ	
۲۰	۷۔ ہمارے اوسط کھیت کا دُوسرے مُلکوں کی اوسط سے مقابلہ ..	
۲۰	۸۔ کھیتوں کی رقبہ وار تقسیم	
۲۲	۹۔ کھیتوں کا انتشار	
۲۲	۱۰۔ کیا یہ کھیت معاشی ہیں؟	
۲۵	۱۱۔ کھیتوں کی تقلیل اور انتشار کی وجوہات	
۲۷	۱۲۔ کھیتوں کی تقلیل اور انتشار کے نتائج	
۲۸	۱۳۔ بیج	
۳۴	۱۴۔ کھاد	
۳۸	۱۵۔ آلاتِ زراعت	
۴۰	۱۶۔ ہل یا ٹریکٹر؟	
۴۴	۱۷۔ آب پاشی	
۴۶	۱۸۔ سیم اور کلر	
۴۷	۱۹۔ دیہی صنعتیں	

Marfat.com

باب	مضمون	صفحہ

باب دوئم: نہ زندگی، نہ محبّت، نہ معرفت، نہ نگاہ: ۵۲
۱- زراعت اور صنعت ۵۲
۲- زراعت اور تعلیم ۵۵
۳- زراعت اور صحت ۶۱
۴- زرعی ماحول اور اخلاقی معیار ۶۵
۵- معاشی ماحول اور عسکری قوّت ۷۲
باب سوئم: افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند: ۷۷
۱- زرعی مسائل عالمگیر ہیں ۶
۲- امریکہ کا زرعی نظام ۷۸
۳- انگلستان کے زرعی قوانین ۷۹
۴- فرانس کا زرعی نظام ۸۰
۵- جرمنی کی زرعی اصلاح ۸۱
۶- مغربی یورپ کے دیگر ملکوں کی زرعی تنظیم ۸۳
۷- مشرقی یورپ کی زرعی اصلاح ۸۶
۸- مشرقی یورپ کے تجربے کا سبق ۸۷
۹- بلغاریہ ۸۸
۱۰- ہنگری ۸۹
۱۱- پولینڈ .. .. //
۱۲- زیکوسلوویکیا ۹۰
۱۳- رومانیہ .. .. //
۱۴- یوگوسلاویہ .. .. //
۱۵- بالٹک ملک ۹۱
۱۶- معاوضہ مقرر کرنے کے مشرقی یورپ کے طریقے .. .. //

Marfat.com

باب	مضمون	صفحہ
	۱۷۔ مشرقی یورپ کے قوانین وراثت میں ترمیم	۹۳
	۱۸۔ مغربی زرعی تشکیل کا ایک جائزہ	"
باب چہارم	مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو :۔	۹۷
	۱۔ انقلاب سے پہلے روسی زراعت کی شکل	۹۷
	۲۔ اصلاحات کا اختیاری دور	۹۸
	۳۔ اختیاری اشتراک کی ناکامی کے اسباب	۱۰۰
	۴۔ زرعی تنظیم میں جبر کی ابتداء	۱۰۲
	۵۔ دو نقطہ ہائے نظر۔	۱۰۳
	۶۔ مشترک کھیتوں کے خلاف کاشتکاروں کی جدوجہد	۱۰۷
	۷۔ مشترک کھیتوں کی نگرانی کی تنظیم	۱۰۹
	۸۔ "سیاسی حصوں" کا طریق عمل	۱۱۱
	۹۔ حکومت کی پالیسی میں ترمیم اور مشترک کھیتوں کی کامیابی ..	۱۱۲
	۱۰۔ مشترک کھیتوں کے انتظام کا طریقہ	۱۱۴
	۱۱۔ جھگڑے چکانے کا طریقہ	۱۱۶
	۱۲۔ ایک مشترک کھیت کی ۱۹۳۲ کی سالانہ رپورٹ	۱۱۶
	۱۳۔ ایک مشترک کھیت کی ۱۹۴۷ کی سالانہ رپورٹ	۱۱۷
	۱۴۔ روسی زرعی اصلاح پر ایک تنقیدی نظر	۱۱۸
باب پنجم	زخاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست :۔	۱۲۱
	۱۔ دوسرے ملکوں سے ہمارے زرعی مسائل کے فرق کی نوعیت	۱۲۱
	۲۔ زرعی نظام کی اصلاح کے حدود	۱۲۳
	۳۔ زرعی اصلاح کا پہلا اصول	۱۲۴
	۴۔ معاوضے کا مسئلہ	۱۲۴

Marfat.com

باب | مضمون | صفحہ

۵۔ زرعی اصلاح کا دُوسرا اصول ۱۲۶
۶۔ مشرقی یورپ کے تجربے سے ایک سبق ۱۲۷
۷۔ زرعی اصلاح کا تیسرا اصول ۱۲۸
۸۔ امدادِ باہمی کا تصور واضح کرنے کی ضرورت ۱۲۹
۹۔ جبر کا عنصر ۱۳۰
۱۰۔ تیسرے زرعی اصلاح کے اصول پر ایک تنقیدی نظر ۱۳۱
۱۱۔ معاشرے کا مسئلہ زرعی تاریخ کی روشنی میں ۱۳۶
۱۲۔ زمین اور دیگر آلات پیداوار کا بنیادی فرق ۱۴۰
۱۳۔ زرعی اصلاح کا چوتھا اصول ۱۴۱
۱۴۔ خلافت دیہہ کی عملی تشکیل ۱۴۳

باب ششم: خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں :۔ ۱۴۷
۱۔ علما کا نقطۂ نظر ۱۴۷
۲۔ مرزا صاحب کا قرآن کریم سے استدلال ۱۴۸
۳۔ مرزا صاحب کی پہلی قرآنی سند ۱۵۰
۴۔ مرزا صاحب کی دُوسری قرآنی سند .. .. ؍
۵۔ غلط بحث سے بچنے کی ضرورت ۱۵۱
۶۔ مرزا صاحب کی تیسری قرآنی سند ۱۵۲
۷۔ کیا زرعی تاریخ میں اجتماعی کاشت مفقود ہے ؟ .. .. .. ؍
۸۔ مرزا صاحب کی چوتھی قرآنی سند ۱۵۶
۹۔ مولانا مودودی کا قرآن سے استدلال ۱۵۷
۱۰۔ مولانا مودودی کی پہلی قرآنی سند ۱۵۹
۱۱۔ مولانا مودودی کی دُوسری قرآنی سند ۱۶۱

Marfat.com

صفحہ	مضمون	باب

۱۲۔ مولانا مودودی کی قرآن کریم سے تیسری سند ۔۔۔ ۱۶۴
۱۳۔ علمائے کرام سے ایک اپیل ۔۔۔ ۱۶۶
۱۴۔ اجتماعی ملکیت بھی قرآن سے ثابت نہیں ہے ۔۔۔ ۱۶۸
۱۵۔ زرعی تنظیم کے بنیادی اصول ۔۔۔ ۱۶۹
۱۶۔ زمین کا مقصدِ وحید ۔۔۔ ۱۷۰
۱۷۔ اسلامی معاشرت میں اخوت کا تصور ۔۔۔ ۱۷۱
۱۸۔ قرآن میں زرعی مساوات کا تصور ۔۔۔ ۱۷۲
۱۹۔ الارض للہ کا تصور ۔۔۔ ۱۷۳

باب ہفتم: اس راز کو کر فاش تو اے روحِ محمدؐ ۔۔۔ ۱۷۵

۱۔ جواز اور وجوب میں فرق ۔۔۔ ۱۷۵
۲۔ مزارعت کے جواز کی روایات ۔۔۔ ۱۷۷
۳۔ یہ احادیث مزارعت کو واجب نہیں بناتیں ۔۔۔ ۱۸۰
۴۔ جائز چیز خلیفۂ وقت بند کر سکتا ہے ۔۔۔ //
۵۔ مزارعت کو ناجائز بیان کرنے والی احادیث ۔۔۔ ۱۸۲
۶۔ اس ظاہری تضاد کا حل ۔۔۔ ۱۸۶
۷۔ توضیح کی پہلی صورت اور اس پر تنقید ۔۔۔ ۱۸۶
۸۔ توضیح کی دوسری صورت اور اس پر تنقید ۔۔۔ ۱۸۷
۹۔ توضیح کی تیسری صورت اور اس پر تنقید ۔۔۔ ۱۸۸
۱۰۔ آئمہ دین اور فقہا پر اس تضاد کا اثر ۔۔۔ ۱۹۰
۱۱۔ مذہب حنفی ۔۔۔ ۱۹۱
۱۲۔ مذہب حنبلی ۔۔۔ ۱۹۱
۱۳۔ مذہب مالکی ۔۔۔ ۱۹۱

Marfat.com

باب	مضمون	صفحہ
	۱۴۔ مذہب شافعی	۱۹۲
	۱۵۔ حدیث و فقہ کی بحث کے نتائج	۱۹۲
	۱۶۔ موجودہ زرعی نظام کے وجوب کے مدعی علما کی بنیادی دلیل	۱۹۴
	۱۷۔ حکومت زمین حاصل کر سکتی ہے	۱۹۶
	۱۸۔ حضرت عمرؓ کے اقدام سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت	۲۰۲
	۱۹۔ اسلام میں قومی ملکیت کا تصور ناپید نہیں	۲۰۳
باب ہشتم	از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ	۲۰۸
	۱۔ زرعی اصلاح کا مطلب سرمائے کا تقاضا ہے	۲۰۸
	۲۔ سرمایہ کسی اساس کا منت کش ہے	۲۰۹
	۳۔ سود کے متعلق قرآن کے احکام	۲۰۹
	۴۔ منافع اور سود میں کیا فرق ہے	۲۱۱
	۵۔ معاشیات مروجہ کا نقطہ نظر	۲۱۳
	۶۔ معاشیاتی نقطہ نظر پر تنقید	۲۱۳
	۷۔ معاشیات کے سود کے نظریے	۲۱۴
	۸۔ اسلام کا سرمائے کے معاوضے کا نظریہ	۲۱۸
	۹۔ سود کا زہر	۲۲۱
	۱۰۔ کیا سود ناگزیر ہے	۲۲۴
	۱۱۔ بنک کاری کی نئی تشکیل	۲۲۵
	۱۲۔ زراعت میں سرمائے کی غیر سودی شکلیں	۲۲۸
	۱۳۔ کیا ہمارے پاس سرمایہ موجود ہے	۲۳۰
	۱۴۔ ہماری بے یقینی تباہ کن ہو سکتی ہے	۲۳۱
	۱۵۔ پاکستان دوراہے پر	۲۳۲

Marfat.com

باب اوّل

یا مُردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار

[مسئلہ زمین کی اہمیت - ہمارے معاشرے کی حالت - پاکستان اور دوسرے ملکوں کی زرعی پیداوار کا مقابلہ - کیا ہماری زمین بنجر ہے؟ ہماری زمین کا دوسرے ملکوں کی زمینوں کی زرخیزی سے مقابلہ - ہمارے کھیتوں کا رقبہ - ہمارے اوسط کھیت کا دوسرے ملکوں کی اوسط سے مقابلہ کھیتوں کی رقبہ وار تقسیم کھیتوں کا انتشار - کیا یہ کھیت معاشی ہیں؟ کھیتوں کی تقلیل اور انتشار کی وجوہات - کھیتوں کی تقلیل اور انتشار کے نتائج - بیج - کھاد - آلاتِ زراعت - ہل یا ٹریکٹر - آب پاشی - سیم اور کلر - دیہی صنعتیں] ؛

مسئلہ زمین کی اہمیت

پاکستان کا سب سے بڑا سرمایہ اس کی زمین ہے ملک کی تین چوتھائی آبادی کا ذریعہ معاش بلاواسطہ کاشتکاری یا زمینداری ہے، ملک کی قومی دولت کا کثیر حصہ یہیں سے فراہم ہوتا ہے زمین کی پیداوار برآمد کر کے ہم دوسرے ملکوں کے سکے حاصل کرتے ہیں جن سے ہم اپنی ضروریات دوسرے ملکوں سے خرید سکتے ہیں - اسی درآمد و برآمد کے ٹیکس ہماری مرکزی حکومت کا سب سے بڑا آمدنی کا ذریعہ ہیں، اور مالیہ اور آبیانہ صوبائی حکومتوں کے مالیات کی اساس، اور پھر جو لوگ سرکاری ملازم ہیں اور حکومت کے مختلف کاروبار سرانجام دے رہے ہیں - ان کی تنخواہوں کا بیشتر حصہ بھی اسی زمین کی پیداوار سے کسی نہ کسی شکل میں برآمد ہوتا ہے، اور جو لوگ تاجر ہیں، وہ یا تو زمین کی پیداوار کو مختلف شکلوں میں بیچتے ہیں یا زمین کی فاضل پیداوار کو باہر بھیج کر باہر سے مصنوعات منگواتے ہیں جن

Marfat.com

سے ہم سب کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ ہمارے کھانڈ، کپڑے اور تیل کے کارخانے اسی طرح زمین کی پیداوار کے سہارے چل رہے ہیں، جس طرح ہمارے پٹ سن اور کاغذ کے کارخانے چلیں گے، غرض جس طرف سے بھی دیکھیں ہماری معاشی فلاح و بہبود صحت مند زراعت سے تعلق رکھتی ہے، ہماری قوّت جو کچھ بھی ہے اسی کی بدولت ہے اور ہماری معاشی اور معاشرتی کمزوریاں قریباً کلی طور پر زرعی نظام اور زرعی عمل کی خامیوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

ہمارے زرعی مسئلہ کے ڈانڈے صرف ہر اقتصادی پہلو ہی سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ وہ ہمارے سماجی، ثقافتی، اور روحانی کیفیات کا تانا بانا بھی بنتے ہیں معاشیات زمین کا ایک فرنگی ماہر اسے یوں ادا کرتا ہے، زراعت ہر زمانے میں محض ایک عمل پیدائش نہیں سمجھا گیا، بلکہ وہ ایک زندگی گذارنے کا انداز اور معاشرے کے جسم کی جان رہا ہے[1]

ہمارے معاشرے کی حالت

اپنے معاشرے کے جسم کو تو ہم جانتے ہی ہیں، اور وہ اگرچہ ایسا بانکا سجیلا تو نہیں کہ اسے دیکھ کے ہمیں بہت مسرت ہو، تاہم اپنا جسم تو ہے، اور اپنا جسم کتنا بھی بے ڈھب کیوں نہ ہو کبھی کبھی دیکھ ہی لیا جاتا ہے۔ آٹھ کروڑ کے اس ملک میں اسّی لاکھ بھی ایسے نہیں جو اپنا خط خود لکھ اور پڑھ سکتے ہوں۔ اس آبادی کا کثیر حصہ ہر سال ہفتوں ملیریا میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور دو لاکھ تو ہر سال اس سے مر ہی جاتے ہیں، ہمارے گاؤں میں رہنے والوں کی اکثریت ایسے تنگ اور تاریک جھونپڑیوں میں زندگی کاٹ رہی ہے جن میں سویڈن جیسے چھوٹے سے فرنگی دیس میں لوگ جانور بھی باندھنا پسند نہ کریں۔ اور شہروں میں تو لاکھوں ایسے بھی ہیں جو صرف آسمان کی چھت کا سہارا لے سکتے ہیں، کسی گاؤں کے پانچ میل کے اندر بھی کوئی تھوڑی بہت پختہ سڑک مل جائے تو اسے اس گاؤں کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیئے، اپنے کاشتکاروں کو دیکھئے کہنہ رسوم کی زنجیر پاؤں میں، سر پہ قرض

---

[1] ہٹر کنکی لینڈ سٹینور سسٹمز ان یورپ، صفحہ ۷۔

کا بار، کپڑوں میں پیوند، جسم پر گرد کی تہ، محنت کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور ثمرہ زمیندار کو دیتے چلے جاتے ہیں، تاکہ اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پل جائے۔ اس محض جی سکنے کی آرزو سے بہتر آرزوئیں بھی شاید کبھی ہونگی، لیکن اب ان کا نشان کہیں مشکل سے ملتا ہے، علم و فن و ادب سے بیگانہ، روحانی اور اخلاقی ترقی سے بے نیاز، کیوں نہ ہو، آخر اس کی زندگی پشت ہا پشت سے محنت اور حسرت کا ایک چکر ہی تو رہی ہے!

پاکستان اور دُوسرے ملکوں کی زرعی پیداوار کا مقابلہ

یہ ہمارے معاشرے کے جسم کی حالت، یہ جسم جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اپنی نشوونما زمین سے حاصل کرتا ہے اور زراعت اس کی جان ہے، آیئے ہم اپنے زرعی عمل اور اس کے نتائج کو دیکھیں اور اپنی زرعی پیداوار کا مقابلہ دنیا کے دُوسرے ممالک سے کریں تاکہ معلوم ہو کہ کیا زمین یہی کچھ دے سکتی ہے، جو ہم حاصل کرتے ہیں، یا اس سے بہتر نتائج بھی مرتب ہو سکتے ہیں، ایک ایکڑ زمین سے ہماری چاول کی اوسط پیداوار ۸۳۳ پونڈ ہے، لیکن ریاستہائے متحدہ امریکہ ۲٫۱۸۵ پونڈ، چین ۲٫۴۳۲ پونڈ، مصر ۲٫۹۹۸ پونڈ، جاپان ۳٫۴۴۴ پونڈ، اور اٹلی ۴٫۵۶۸ پونڈ چاول فی ایکڑ پیدا کرتا ہے[۱] (اعداد و شمار کا نقشہ صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ ہو)

ایک ایکڑ زمین سے ہم ۶۸۵ پونڈ گندم پیدا کرتے ہیں لیکن چین ۹۰۶ پونڈ، جاپان ۱٫۷۱۳ پونڈ، مصر ۱٫۹۱۸ پونڈ، اٹلی ۱٫۲۸۳ پونڈ اور جرمنی ۲٫۰۱۷ پونڈ کی اوسط پیداوار فی ایکڑ حاصل کرتے ہیں۔

روئی کی فصل ہم ایک ایکڑ سے ۱۷۵ پونڈ حاصل کرتے ہیں لیکن چین ۲۰۴ پونڈ

---

[۱] پاکستان کی پیداوار کے اعداد و شمار بین الاقوامی اسلامی معاشی کانفرنس کے شائع شدہ پاکستان کا معاشی جائزہ صفحہ ۲۸ سے لیے گئے ہیں اور دُوسرے ملکوں کے لیگ آف نیشنز کی اعداد و شمار کی سالانہ کتاب سنہ ۴۳-۱۹۴۲ء سے۔

Marfat.com

پاکستان اور دوسرے ممالک کی زرعی پیداوار کے اعداد و شمار

(فی ایکڑ پیداوار پاؤنڈوں میں)

نام ملک	چاول	گندم	مکئی	کپاس	تمباکو
مصر	۲,۹۹۸	۱,۹۱۸	۱,۸۹۱	۵۳۵	......
جرمنی	....	۲,۰۱۷	۲,۸۲۸	...	۲,۱۲۷
اٹلی	۴,۵۶۸	۱,۳۸۲	۲,۰۷۹	۱۷۰	۱,۱۳۹
جاپان	۳,۴۴۴	۱,۷۱۳	۱,۳۹۲	۱۹۶	۱,۶۶۵
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۲,۱۰۵	۸۱۲	۱,۵۷۹	۲۶۸	۸۸۲
چین	۲,۴۳۳	۹۸۹	۱,۲۸۴	۲۰۴	۱,۲۸۸
پاکستان	۸۳۳	۶۸۵	۹۱۸	۱۷۵	۱,۰۳۳
قبل از تقسیم ہندوستان	۸۲۹	۶۶۰	۸۰۳	۸۹	۹۸۷

Marfat.com

ریاستہائے متحدہ ۲۶۸ پونڈ اور مصر ۵۳۵ پونڈ کپاس حاصل کرتے ہیں
چین فی ایکڑ ہم سے تین گنا چاول پیدا کرتا ہے، مصر ساڑھے تین گنا، جاپان چار گنا سے زیادہ، اور اٹلی پانچ گنا سے بھی زیادہ۔
گندم چین ہم سے ڈیوڑھی زیادہ پیدا کرتا ہے اور اٹلی دگنی، جاپان تگنی سے ذرا کم، مصر تین گنا اور جرمنی تین گنا سے بھی زیادہ۔
کپاس امریکہ ہم سے ڈیوڑھی پیدا کرتا ہے۔ اور مصر ہم سے تین گنا سے بھی زیادہ

کیا ہماری زمین بنجر ہے

ان اعداد و شمار کے دیکھنے کے بعد ایک لمحہ کے لئے یہ شبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ شاید ہماری زمین ہی بنجر ہو، اگر دوسرے ملک ہم سے تین تین گنا فصلیں پیدا کرتے ہیں، تو عین ممکن ہے ہماری زمین ان سے محض ایک تہائی زرخیز ہو، لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آج سے پانچ ہزار سال پہلے اسی زمین پر موہنجودارو اور ٹیکسلا کی عظیم الشان تہذیبیں پنپ رہی تھیں اور زرعی تاریخ کا یہ سبق یاد رکھتے ہیں کہ انسانوں نے سب سے پہلے زرخیز ترین زمینیں آباد کی تھیں اور دنیا کی سب سے پہلی تہذیبیں دنیا کے زرخیز ترین خطوں میں پیدا ہوئیں تو ہمیں یہ یقین ہو جاتا ہے۔ کہ کم از کم شروع میں اور بنیادی طور پر ہماری زمین ضرور زرخیز تھی، لیکن ہزارہا سال کی کاشت کے بعد اس کا موجودہ زرخیزی کا معیار گو وہ پرانا تو باقی نہیں رہا، لیکن اس سے قدرے کم معیار پر وہ اب ایک زمانے سے قائم ہے، اور نئی فصلیں اس کی زرخیزی میں مزید کمی نہیں پیدا کر رہیں، اس کی وجہ ڈاکٹر کلاوسٹن زرعی کمیشن کے وقت حکومت ہند کے زرعی مشیر اپنی تحریری یادداشت میں جو انھوں نے زرعی کمیشن کے سامنے پیش کی یہ بیان کرتے ہیں "ہندوستان کے اکثر خطہ ہائے زمین لازمی طور پر صدہا سال پیشتر ہی انتہائی کمزوری اور ادنیٰ زرخیزی کی حالت پر پہنچ چکے ہونگے۔ لیکن اگر ان پر آئندہ اور صدہا سال تک کھاد کے بغیر فصلیں بوئی جائیں، تو ان کی کمزوری میں مزید اضافہ نہ ہوگا۔ کسی اوسط درجے کی فصل میں تقریباً بیس پونڈ نائٹروجن فی ایکڑ صرف ہوتی ہے لیکن اس نقصان کی تلافی سال بہ سال

Marfat.com

ہو جاتی ہے اس لئے کہ زمین مطلوبہ نائیٹروجن ہوا سے اور ان گلی سڑی جڑوں سے حاصل کر لیتی ہے جو فصل کی کٹائی کے بعد زمین کے اندر رہ جاتی ہیں ... روتھم سٹیڈ میں جو سب سے بڑا زرعی تحقیقاتی مرکز ہے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ وہاں کی زمین میں انتہائی ضعف اس وقت تک پیدا نہیں ہوا جب تک کہ اس پر مسلسل چالیس سال تک گیہوں ہی کی کاشت نہیں کی گئی، لیکن اس مدت کے بعد بھی اور اس امر کے باوجود کہ کھیت کو کسی قسم کا کھاد نہیں دیا گیا، سالانہ پیداوار تقریباً ایک حالت پر ساکن رہی"[۵۱] ڈاکٹر برنز کی رائے بھی ہماری زمین کے متعلق اس سے ملتی جلتی ہے: "ہندوستان کی زمینیں ایک ایسی منزل میں ہیں کہ جہاں ان کی زرخیزی نہ بڑھ رہی ہے اور نہ کم ہو رہی ہے، اور اگر ہم ان پانچ ہزار سے زیادہ تجربوں پر اپنا فیصلہ مبنی کریں جو ہندوستان میں کئے گئے تو غالباً اس ملک کے بیشتر حصوں کی زمین ایک نسبتاً کم درجے کی زرخیزی پر آکے رک گئی ہے"[۵۲]۔ ان شہادتوں سے اس چیز کی تائید ہوتی ہے کہ اگرچہ ہمارے ملک کی زمین اب اتنی زرخیز نہیں ہے جتنی کہ یہ اس وقت تھی جبکہ ہزاروں سال پہلے اس میں کاشت شروع ہوئی تھی، لیکن اب بڑے عرصہ سے اس کی زرخیزی میں مزید کمی واقعی نہیں ہو رہی ۔

لیکن ہم نے اس ملک کی پیداوار کا جن ملکوں سے ابھی ابھی مقابلہ کیا تھا وہاں بھی تو کاشت شروع ہوئے اب ہزاروں سال ہو چکے ہیں، اور روتھم سٹیڈ کی تحقیقات کے اعتبار سے وہاں بھی انتہائی ضعف پیدا ہوئے اب زمانہ گذر چکا ہونا چاہیئے لیکن فصلیں وہ ہم سے بہت بہتر حاصل کرتے ہیں، معلوم یہ ہوتا ہے کہ اصل خامی زمین میں نہیں ہے، بلکہ زمین کے انتظام میں ہے، اس نظریہ کی قطعی تصدیق ان اپنے ملک کے اچھے کھیتوں سے ہوتی ہے جہاں اعلیٰ بیجوں اور اچھی کھاد اور بہتر انتظام

---

۵۱ روئداد شہادت متعلقہ زرعی کمیشن رپورٹ جلد اول جزو اول، صفحہ ۳۲ -

۵۲ ڈبلیو برنز- ہندوستان میں زرعی اصلاح کے امکانات، صفحہ ۷ -

Marfat.com

کی مدد سے اوسط سے کئی کئی گنا فصلیں حاصل ہوتی ہیں[۱]۔

زمین سے زیادہ زمین کے ساتھ جو سلوک کیا جائے وُہ اچھی یا بُری پیداوار کا باعث ہوتا ہے، اس موضوع پر بار بار برازیل کے اس زمیندار کا لطیفہ یاد آتا ہے جس کے پاس سینکڑوں ایکڑ زمین تھی لیکن اس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا تھا، مالی پریشانیوں سے تنگ آ کر اس نے اپنی زمین میں ایک قبر کے برابر گڑھا کھدوایا اور اس میں لیٹ گیا تاکہ

---

[۱] اچھے کھیتوں کی صرف دو مثالیں دیکھئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ اچھی تنظیم موجود ہو تو ہماری فصلیں کسی مُلک سے بھی کم نہیں ہیں: ایک اچھے انتظام کی مثال "کلیانہ اسٹیٹ" ہے۔ اس نہری ساڑھے سات ہزار ایکڑ علاقہ میں جو سات گاؤں پر مشتمل ہے فصلیں خاص ترتیب سے بوئی جاتی ہیں، اچھے زرعی آلات استعمال ہوتے ہیں، کاشتکار کو بیج مالکوں کی طرف سے ملتا ہے اور وُہ ملی جُلی کھاد کاشتکاروں کو مہیا کرتے ہیں اور ان سے کھاد کی صرف ایک تہائی قیمت لیتے ہیں، گذشتہ بیس سال کی اوسط پیداوار فی ایکڑ ۲۰ من گندم اور ۱۰ من کپاس فی ایکڑ ہے۔ (ناناوتی اور انجاریہ: ہندوستان کا زرعی مسئلہ صفحہ ۱۵۸-۱۵۷) گویا گندم کی اوسط پاکستان کی اوسط سے ڈھائی گنا زیادہ ہے، اور کپاس کی تقریباً پانچ گنا۔

ساتھ ہزار تین سو ایکڑ کا ایک دُوسرا رقبہ بی، سی، جی ملز فارم ہے، یہ خانیوال میں ہے یہاں بھی فصلیں خاص ترتیب سے بوئی جاتی ہیں، کھاد کا ہر گاؤں میں بڑا اہتمام کیا جاتا ہے نتیجہ کے طور پر گندم کی اوسط پیداوار بیس من فی ایکڑ ہے۔ اور کپاس کی ساڑھے بارہ من فی ایکڑ (ناناوتی اور انجاریہ: ہندوستان کا زرعی مسئلہ صفحہ ۱۵۸)۔

اس اوسط پیداوار کو اگر پونڈ سے وزن کیا جاوے، تو گندم کے سولہ سو چالیس پونڈ فی ایکڑ بنتے ہیں۔ اور کپاس کے دس سو پینسٹھ پونڈ فی ایکڑ۔ اب دُنیا سے مقابلہ کیجئے، دُنیا کا سب سے زیادہ فی ایکڑ گندم پیدا کرنے والا ملک بھی اس پیداوار سے صرف پچیس فیصدی زیادہ پیدا کرتا ہے، اور کپاس تو دُنیا کے سب سے زیادہ پیداوار والے ملک سے بھی ان کھیتوں میں دُگنی پیدا ہوتی ہے، گویا دُنیا کو ہماری "زرخیزی" پر تعجب کرنے کی ضرورت ہے بجائے اس کے کہ ہم ان کی زرخیزی پر حیران ہوں!۔

Marfat.com

سے کچھ لوگ گذرے تو اسے یوں گڑھے میں لیٹے دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ ان کے پوچھنے پر زمیندار نے بتایا کہ اس کی زمین میں چونکہ کچھ نہیں اُگتا، اس لئے وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو چکا ہے۔ وہ بڑے حیران ہوئے کیونکہ جس زمین میں اس نے گڑھا کھدوایا تھا وہ بڑی اچھی زمین معلوم ہوتی تھی، اُنھوں نے پوچھا "کیا اس میں کچھ نہیں اُگتا؟" "بالکل کچھ نہیں" اس نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا۔ لیکن اجنبیوں کو اب بھی یقین نہیں آتا تھا۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا "تمھارا کیا مطلب ہے کہ اگر اس میں ہل چلایا اور بیج بویا جائے، تو یہاں کچھ نہیں اُگے گا؟" "ہاں" زمیندار نے جواب دیا "اگر ہل چلانے کی مصیبت اور بیج ڈالنے کی سر دردی مول لی جائے تو پھر تو کچھ اُگ ہی آئیگا لیکن اس کے بغیر کچھ نہیں اُگتا۔"

برازیل کی اس کہانی کا زمیندار تو اپنی سہل انگاری سے موت کو دعوت دے رہا تھا۔ لیکن ہمارے کسان سہل انگار بھی نہیں، خود کاشت زمین میں پنجابی کسان کی جفاکوشی کا شاید ہی دُنیا میں کوئی مقابلہ کر سکے لیکن خود کاشت زمین ہے کتنی، ہاں جب اسے اپنی محنت کا آدھا پھل کسی اور کو دینا ہو تو اس کی محنت کرنے کی آرزو سرد پڑ جاتی ہے اور پھر جب اس کی زمین چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر مشتمل ہو جن سے محنت کا فائدہ پوری طرح حاصل نہ کیا جا سکتا ہو، اچھے بیج مہیا ہونے کی صورت نظر نہ آتی ہو، کھاد خریدنے کے لئے اس کے پاس پیسہ نہ ہو۔ قرض کے بوجھ نے اس کی کمر میں خم پیدا کر دیا ہو، تو پھر حیرت یہ نہیں ہوتی کہ زمین کی پیداوار اتنی کم کیوں ہے بلکہ یہ ہوتی ہے کہ اتنی پیداوار بھی کیسے ہے؟

ہماری زمین کا دوسرے ملکوں کی زمینوں کی زرخیزی سے مقابلہ

زرعی علم کی ترقی کے ساتھ زمین کی زرخیزی سب سے کمتر اہمیت کی چیز ہو کے رہ گئی ہے، ہماری زمین اکثر حالات میں خاصی زرخیز ہے۔ لیکن فصل ہم بہت کم حاصل کرتے ہیں۔ اب بعض مغربی ملکوں کی طرف دیکھئے جو باوجود بنجر زمینوں کے مالک ہونے کے ہم سے بہتر فصل حاصل کر لیتے ہیں:۔ ۱۔ انگلستان کی زمین قدرتی طور پر زرخیز نہیں ہے، شروع میں ملک کا بیشتر حصہ دلدل، جنگل یا چراگاہ

Marfat.com

تھا چھ سو سال تک تو یہ چیز معرضِ بحث رہی کہ کیا گندم پیدا کرنا اس ملک میں فائدہ بخش ہو بھی سکتا ہے یا نہیں اور بہت سے اقدامات حکومت کو اختیار کرنے پڑے تاکہ اناج پیدا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہو، برطانیہ میں اب بھی ایسے وسیع قطعے موجود ہیں، جن میں کوئی فصل پیدا نہیں کی جا سکتی اور عام طور پر زمین فصل کی صورت میں صرف اتنا ہی لوٹاتی ہے کہ جو بیج اور محنت اور کھاد کی شکل میں اس میں ڈالا جاتا ہے اس چیز کا پورا احساس ہمارے کاشتکاروں کو ابھی نہیں ہوا کہ نہ صرف انگلستان بلکہ تمام شمالی یورپ میں کاشتکار اصولی طور پر زمین کو کھاد کی شکل میں وہ ساری قوت لوٹاتا ہے جو اس فصل کی شکل میں زمین سے حاصل کی ہوتی ہے[۱]۔

ڈنمارک کی زمین اور آب و ہوا دونوں ہی کاشتکار کے لئے ناسازگار ہیں، زمین نرم اور ریتیلی ہے ریا کم از کم شروع میں تھی) جس پر سمندر کی تیز ہوائیں چلتی رہتی ہیں لیکن اس ملک کے کاشتکاروں نے سائنس اور تنظیم اور انسانی کوشش کی مدد سے اسے موجودہ زرخیز شکل دے دی ہے۔

بلجیم کی زمین کو یورپ میں بدترین تصور کیا جاتا ہے، وہ اتنی بنجر ہے کہ صدیوں کی محنت کے بعد بھی وہ کوئی فصل کھاد کے بغیر پیدا نہیں کرتی[۲]۔ اس کے باوجود بلجیم کی زرعی تاریخ علم اور محنت کی فتح کا ایک بڑا نشان ہے، فی ایکڑ جتنی کھاد اس ملک میں ڈالی جاتی ہے اتنی کسی اور ملک میں استعمال نہیں ہوتی، زرعی طریقوں کی تعلیم اور امداد باہمی کی کاشت نے اس ملک کی کایا پلٹ دی ہے۔

اس قسم کے ملکوں کا مقابلہ جب ہم اپنی زمین سے کرتے ہیں تو یہ بنیادی فرق ہمیں فوراً نظر آتا ہے کہ ہماری زمین اب تک کسی بڑے سرمائے اور کھاد اور اصلاح کے بغیر اتنی اچھی فصل دیتی آ رہی ہے کہ جس کا بڑا حصہ کاشت کا منافع سمجھا جاتا ہے، بدقسمتی سے انسانی فطرت کی ایک کمزوری یہ ہے کہ دولت کا آسان حاصل ہو جانا ترقی کے جذبے کو ابھرنے

---

[۱] ڈالورٹ: دی ویلتھ اینڈ ویلفیئر آف پنجاب صفحہ ۱۶۳۔

[۲] روئنٹری: لینڈ اینڈ لیبر لیسنز فرام بلجیم صفحہ ۱۴۸۔

Marfat.com

نہیں دیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زمین کی قدرتی زرخیزی جو کم سے کم محنت پر بھی فصل دے دیتی ہے بڑی حد تک ہماری زرعی گراوٹ کی ذمہ دار ہے، مشکلیں ہی انسان کو محنت کی طرف اُبھارتی ہیں، اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم زمانے کے نئے تقاضوں کے پیشِ نظر جن میں عوام کا اچھا رہن سہن بھی شامل ہے، اپنی زراعت کا جائزہ لیں اور کم از کم وہ کر ڈالیں جو اوپر دی ہوئی مثالوں والے غیر زرخیز ملک کر چکے ہیں، ظاہر ہے کہ اگر ہم پاکستان کے بلند نصب العین کو بھی مدِنظر رکھیں تو ہمیں ان ملکوں سے بھی چند قدم آگے جانا پڑے گا، ہمارے قدرتی ذرائع میں ایسی کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے جو ہمیں اپنے عزائم کی سمت بڑھنے سے روک سکے۔

ہمارے کھیتوں کا رقبہ

ہمارے کھیتوں کے رقبہ کے اعداد و شمار خاصے ناتسلی بخش حالت میں ہیں، تقسیم ہند سے پہلے بھی ان کی صورت کوئی اچھی نہ تھی، اور اب ہندو اور سکھ زمینداروں کے جانے اور لاکھوں مہاجرین کے آنے سے ان میں مزید تبدیلیاں خاصے بڑے پیمانے پر ہوئی ہیں، جن کے اعداد و شمار کو ابھی کوئی قطعی شکل نہیں دی گئی، اور ہم مجبور ہیں کہ اندازوں پر قناعت کریں۔

اس سلسلے کی ایک نمایاں کوشش آج سے پچیس سال پہلے کی گئی، کالورٹ (جو اس زمانے میں پنجاب کی انجمن ہائے امداد باہمی کے رجسٹرار تھے) نے متحدہ پنجاب کے زمینداروں اور کاشتکاروں کے رقبوں کے اعداد و شمار جمع کئے تھے، انھوں نے ہر قانون گو سے اس کے علاقہ کے پانچ گاؤں کے مالکانِ زمین اور کاشتکاروں کے رقبہ کے اعداد و شمار حاصل کئے، اس طرح ان کی تحقیق میں دو ہزار تین سو سینتالیس گاؤں آگئے، جن کا رقبہ اکیس لاکھ ترانوے ہزار آٹھ سو ساٹھ ایکڑ تھا، اور ہمیں ان کی رائے سے اتفاق ہے کہ "یہ تحقیق خاصی وسیع ہے اور میرے خیال میں اس کے نتائج تمام صوبے پر منطبق کئے جا سکتے ہیں"۔ ان کی تحقیق کے مطابق ملکیت زمین کا اوسط رقبہ ۸ء۹ (آٹھ اعشاریہ ۹) ایکڑ بنتا ہے، اور کاشتکاروں کے اوسط کھیت کا رقبہ ۷ء۲ (سات اعشاریہ دو) ایکڑ ہے[1] چونکہ زرعی

[1] کالورٹ، کاشتکاروں کے کھیتوں کا رقبہ اور تقسیم صفحہ ۳۔

Marfat.com

عمل تو کاشتکاری کرتے ہیں، لہٰذا ہم یہ تصوّر کرتے ہیں کہ اس وقت پنجاب کے اوسط کھیت کا رقبہ ۲ء۷ ایکڑ تھا۔

اس وقت سے اب تک آبادی تقریباً ڈیڑھ فی صدی سالانہ کے حساب سے بڑھتی گئی ہے، اور زرعی رقبہ قریباً ¾ فی صدی سالانہ کے حساب سے بڑھ رہا ہے[1]، گویا بڑھتی ہوئی آبادی کے صرف نصف حصّہ کے لئے مزید زمین زیرِ کاشت آ رہی ہے[2]، اگر صنعتوں اور دیگر وجوہات سے شہری آبادی کے اضافہ کو مدِّنظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کاشت کے کھیتوں کی کالورٹ والی اکائی پر کوئی مزید بار نہیں پڑنا چاہیئے تاہم اگر کسی حد تک یہ اکائی گری بھی ہو تو اس کے برعکس یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مہاجر کاشتکاروں کو جو زمینیں تقسیم ملک کے بعد ملی ہیں، ان میں سے بیشتر کا رقبہ اس اکائی سے بڑا ہے، ان دونوں چیزوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ہماری رائے میں پنجابی کاشتکاروں کے موجودہ کھیتوں کی اوسط وہی کالورٹ والے سات یا سوا سات ایکڑ ہوں گے۔

ہم نے پنجاب کے اوسط کھیت کا رقبہ ڈھونڈنے میں ذرا کاوش اس لئے کی کہ یہ کئی پہلوؤں سے پاکستان کا مرکزی صوبہ ہے، اس کا اوسط کھیت صوبہ سرحد اور بہاولپور کی اوسط بھی مہیا کر دیتا ہے کیونکہ ان کے حالات بالکل پنجاب جیسے ہیں، البتہ سندھ میں اوسط کاشتکار کا کھیت اس سے تین یا چار گنا بڑا ہے، اور مشرقی بنگال کا اوسط کھیت صرف تین ایکڑ کا ہے[3]۔

---

[1] حق: پنجاب نیا پاکستان، کے زرعی اعداد و شمار کے صفحات ۱۰، ۸ اور ۱۳ سے ہم نے یہ نتائج اخذ کئے ہیں۔

[2] پچیس سال میں آبادی ایک کروڑ بیس لاکھ سے ایک کروڑ اسّی لاکھ تک بڑھی، اس میں تقسیم کے بعد مہاجرین کی وجہ سے بڑھنے والی آبادی بھی شامل ہے، زرعی رقبہ ۱۹۲۶ء میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ایکڑ تھا اور ۱۹۴۷ء میں ایک کروڑ بیاسی لاکھ، اس بڑھی ہوئی آبادی کا نصف یعنی تیس لاکھ افراد شہروں میں منتقل ہو چکا ہے، صرف لاہور کی آبادی اس زمانے میں قریباً پانچ لاکھ بڑھ چکی ہے۔

[3] جتھار و بیدی معاشیات ہند جلد اوّل صفحہ ۳۲۶ (اردو ترجمہ مطبوعہ عثمانیہ یونیورسٹی)۔

Marfat.com

ہمارے اوسط کھیت کا دوسرے ملکوں کی اوسط سے مقابلہ

کل ملک کی اوسط قریباً پانچ یا ساڑھے پانچ ایکڑ بنتی ہے، جس کے برعکس دوسرے ملکوں کے اوسط کھیت کا رقبہ مندرجہ ذیل ہے[1]:-

ریاستہائے متحدہ امریکہ	۱۴۵ ایکڑ	ڈنمارک	۴۰ ایکڑ
سویڈن	۲۵ ایکڑ	جرمنی	۲۱ ایکڑ
انگلستان	۲۰ ایکڑ		

کھیتوں کی رقبہ وار تقسیم

کھیتوں کا اوسط رقبہ معلوم کر لینے سے ہمیں کاشتکاروں کی دقتوں کا پورا احساس نہیں ہو سکتا کیونکہ کھیت برابر برابر بٹے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ چھوٹے یا بڑے ہیں۔ بڑے تھوڑے اور چھوٹے زیادہ۔

کالورٹ کی تحقیق کے مطابق[2] پنجاب کے ۲۲٫۵ (بائیس اعشاریہ پانچ) فی صدی کاشتکاروں کے پاس صرف ایک ایکڑ یا اس سے کم رقبہ ہے، لیکن زمین ان سب کاشتکاروں کے پاس صرف ۱٫۵ (ایک اعشاریہ پانچ) فیصدی ہے۔

اسی طرح ۳۳٫۳ (تینتیس اعشاریہ تین) فی صدی کاشتکاروں کے پاس ایک سے پانچ ایکڑ تک کے رقبہ کے کھیت ہیں۔ ان کے کل کھیت مزروعہ زمین کا ۱۲٫۱ (بارہ اعشاریہ ایک) فی صدی ہیں۔

۲۱٫۲ (اکیس اعشاریہ دو) فی صدی کاشتکاروں کے پاس پانچ سے دس ایکڑ ہیں۔ ان کی زمین کل رقبہ کا ۲۰٫۶ (بیس اعشاریہ چھ) فیصدی ہے۔

قریباً دس فی صدی کاشتکاروں کے پاس دس سے پندرہ ایکڑ زمین ہے جو مزروعہ زمین کا ۱۷٫۴ (سترہ اعشاریہ چار) فی صدی ہے۔

۵٫۳ (پانچ اعشاریہ تین) فی صدی کاشتکاروں کے پاس پندرہ سے بیس ایکڑ ہیں، لیکن یہ کھیت کل زمین کا ۱۲٫۳ (بارہ اعشاریہ تین) فی صدی ہے۔

---

[1] نانا وتی اور انجاریہ: ہندوستان کا زرعی مسئلہ صفحہ ۴۰۔

[2] کالورٹ: کاشتکاروں کے کھیتوں کا رقبہ اور تقسیم صفحہ ۶ اور ۷۔

Marfat.com

بیس سے پچیس ایکڑ زمین ۱ء۳ (تین اعشاریہ ایک) فیصدی کاشتکاروں کے پاس ہے اور یہ کل زمین کا ۱ء۹ (نو اعشاریہ ایک) فی صدی ہے۔
پچیس سے پچاس ایکڑ کے کھیت ۲ء۰ فیصدی کاشتکاروں کے پاس ہیں ایسے کھیت کل مزروعہ رقبہ کا ۱۸ء۵ (اٹھارہ اعشاریہ پانچ) فیصدی ہیں۔
۰ء۵ (اعشاریہ صفر پانچ) فیصدی کاشتکاروں کے پاس پچاس ایکڑ سے بڑے کھیت ہیں ان کا رقبہ زمین کا ۷ء۹ (سات اعشاریہ نو) فیصدی ہے۔

کھیتوں کا رقبہ	فی صدی	
	کاشتکاروں کی	زمین کی
ایک ایکڑ یا اس سے کم	۲۲ء۵	۱ء۵
ایک ایکڑ سے پانچ ایکڑ تک	۳۳ء۴	۱۲ء۱
پانچ سے دس ایکڑ تک	۲۱ء۲	۲۰ء۹
دس سے پندرہ ایکڑ تک	۱۰ء۰	۱۷ء۴
پندرہ سے بیس ایکڑ تک	۵ء۲	۱۲ء۳
بیس سے پچیس ایکڑ تک	۳ء۱	۹ء۱
پچیس سے پچاس ایکڑ تک	۴ء۰	۱۸ء۵
پچاس ایکڑ سے بڑے	ء۰۵	۷ء۹

ان اعداد و شمار سے ہم پر یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ اگرچہ پنجاب کے اوسط کھیت کا رقبہ سات سوا سات ایکڑ ہے لیکن بیشتر کھیت اس رقبہ کے نہیں اس رقبہ کے کھیت ایک چوتھائی سے بھی کم ہیں اس کے برعکس پانچ ایکڑ سے کم کے کھیت قریباً ۵۶ فیصدی ہیں اور کل کھیتوں کا قریباً ایک چوتھائی تو صرف ایک ایکڑ یا اس سے بھی کم ہیں۔

Marfat.com

یہی حال صوبہ سرحد اور بہاولپور کا ہے، سندھ میں حالت کاشتکاروں کے رقبہ کے اعتبار سے ذرا بہتر ہے، لیکن بنگال کے کھیت پنجاب کے کھیتوں سے بھی چھوٹے ہیں۔ بنگال کے مالیہ کے کمیشن کی رپورٹ کہتی ہے کہ "اس صوبہ (بنگال) میں خاص تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ بیالیس فیصدی کاشتکاروں کے کنبوں کے پاس دو ایکڑ سے چھوٹے کھیت ہیں اور مزید اکیس فی صدی کے پاس دو سے چار ایکڑ تک زمین ہے[1]۔"

کھیتوں کا انتشار جو اعداد و شمار اوپر پیش کئے گئے ہیں وہ کاشتکاروں کے مجموعی رقبہ کے ہیں، اور بیشتر کاشتکاروں کا مجموعی رقبہ بکھرے ہوئے ٹکڑوں کی صورت میں ہوتا ہے، گویا عملی طور پر کھیتوں کی حالت اس سے بدتر ہے جو اوپر لکھے ہوئے اعداد و شمار میں ظاہر ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ رواج ہے کہ وراثت کے موقع پر ہر وارث ہر کھیت میں سے اپنا حصہ لینا ضروری سمجھتا ہے، اس کے نتائج جو مضحکہ خیز صورتیں اختیار کر سکتے ہیں وہ مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح ہو جائیں گی "پنجاب کے ایک بیرام پور نامی گاؤں میں یہ پایا گیا، کہ ۵ء۴۳ فیصدی کاشتکاروں میں سے ہر ایک کے پاس ۲۵ منتشر کھیت تھے[2]" ڈارلنگ لکھتے ہیں: "جالندھر کے ایک گاؤں کی بارہ ہزار آٹھ سو ایکڑ زمین تریسٹھ ہزار کھیتوں میں بٹی ہوئی تھی، اور ایک دوسرے گاؤں میں پانچ سو چوراسی زمین کے مالک سولہ ہزار کھیتوں کو کاشت کرتے تھے جن میں سے ہر کھیت کا اوسط رقبہ ایک ایکڑ کا ساتواں حصہ بنتا تھا[3]۔"

کیا یہ کھیت معاشی ہیں معاشی کھیت کی تعریف دو مختلف نقطہ ہائے نظر سے کی گئی ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم ایک اوسط کنبے کی مناسب ضروریاتِ زندگی کو نظر میں رکھیں اور وہ ضروریات زندگی جتنے بڑے ٹکڑے

---

[1] بنگال کے مالیہ کی زرعی کمیشن کی رپورٹ : جلد اوّل صفحہ ۸۵-۸۶۔

[2] زرعی کمیشن کی رپورٹ ، فقرہ ۱۱۹۔

[3] ڈارلنگ : پنجابی کاشتکار کی دولت اور قرضہ۔ صفحہ ۱۳۳۔

86329

Marfat.com

میں سے پیدا کی جا سکتی ہوں، اسے معاشی کھیت قرار دیں، اس تعریف میں ایک دقت یہ ہے، کہ مناسب ضروریاتِ زندگی افراد کے معیارِ زندگی کے ساتھ بڑھتی گھٹتی رہتی ہیں، لہٰذا اگر ہم زیادہ حریص نہ بھی بنیں، اور صرف بنیادی ضروریات زندگی یعنی کھانا کپڑا، تعلیم، صحت اور مکان کو ہی مدِنظر رکھیں، تو یہ کہنا غلط ہو گا، کہ ہمارے موجودہ کھیت معاشی ہیں اور وُہ بنیادی ضروریات زندگی اپنے کاشتکاروں کو مہیا کر رہے ہیں، تاہم معاشی کھیت کی یہ تعریف عملی طور پر زیادہ قابلِ قبول نہیں کیونکہ نظری نقطہ نظر سے اگر ہم بیس یا پچیس ایکڑ کے ٹکڑے کو معاشی کھیت تصور بھی کر لیں، تو یہ ہماری موجودہ زرعی آبادی کے لئے قابلِ عمل نہیں ہو گا۔ کیونکہ ہمارے پاس اتنی زرعی زمین موجود نہیں ہے، اور پھر کسی رقبہ کو نظری طور پر معاشی کھیت قرار دینے میں یہ دقت بھی ہے، کہ زرعی عمل کی اصلاح سے نسبتاً چھوٹے کھیت بعض بڑے کھیتوں سے زیادہ پیدا کر لیتے ہیں، اگر مؤخرالذکر میں زرعی عمل ادنیٰ درجہ کا ہو، ظاہر ہے، کہ جب کھیت کے معاشی ہونے کا انحصار کاشتکار کی ضروریات زندگی کے کفیل ہونے پر رکھا جائے تو ہمیں فوراً زرعی عمل کی مختلف نوعیتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، بعض زرعی عمل ایسے ہیں، کہ وُہ پانچ ایکڑ میں ہی کچھ دے جاتے ہیں، جو ایک دوسرا اندازِ زراعت بیس ایکڑ سے حاصل کرتا ہے، تاہم یہ واضح ہے، کہ ہماری اوسط زمین پر جس قسم کا زرعی عمل مروج ہے، اس کے مطابق ہمارا اوسط کھیت قطعی طور پر غیر معاشی ہے۔

ایک دُوسری تعریف معاشی کھیت کی یوں کی گئی ہے: "ایک اوسط درجے کے خاندان کے لئے زمین کا ایسا رقبہ مثالی کھیت ہو سکتا ہے جس میں یہ خاندان اپنے مقدور کے مطابق اپنے اصل اور محنت کو نہایت نفع بخش طریقے پر لگا سکے"[۱] معاشی کھیت کی یہ تعریف زیادہ جامع ہے اور نظری طور پر پہلی تعریف سے قابلِ عمل اجزا بھی اس کی گرفت میں ہیں، کیونکہ کاشتکاروں کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت وہی کھیت کر سکیں گے جن میں اصل اور محنت اپنی تمام صلاحیتوں کو کارفرما کر سکیں۔

---

[۱] جتھار اور بیری: معاشیاتِ ہند جلد اوّل صفحہ ۴۴۳ (مطبوعہ عثمانیہ یونیورسٹی)

Marfat.com

اس تعریف کے مطابق ہمیں اپنے کھیتوں کو جانچنے کے لئے یہ دیکھنا پڑے گا کہ کیا ان میں سرمایہ اور محنت نفع بخش طریقے سے استعمال ہو رہے ہیں یا نہیں۔ کاشتکار کا سرمایہ اس کے بیلوں کی جوڑی اور ہل ہیں۔ ایک بیلوں کی جوڑی اور ہل دس پندرہ ایکڑ زمین بڑی آسانی سے کھود سکتے ہیں لیکن اگر اوسط کھیت سات ایکڑ ہو تو ہل اور بیلوں کی جوڑی کی قابل عمل قوت کا کچھ حصہ ضائع ہو جاتا ہے، اور اگر بیشتر کھیت پانچ ایکڑ سے چھوٹے ہوں جیسے کہ یہ ہیں، تو سرمایہ کی نصف یا اس سے زیادہ قوت بروئے کار نہیں آتی۔ یہ صحیح ہے کہ ہل اور بیلوں کی جوڑی ایسی صورتوں میں کبھی کبھی کرایہ پر دی جاتی ہے لیکن یہ تو سرمایہ کا انتہائی نفع بخش استعمال نہیں ہے۔ کھیتوں کا اوسط رقبہ گھٹنے کے ساتھ اچھے بیل پالنے کی آرزو بھی سرد ہو رہی ہے، اچھے بیل زیادہ رقبہ کے لئے تو مفید ہیں لیکن چھوٹے کھیتوں (پر ان) کے پالنے کا بار ان کے استعمال کے فائدہ سے بڑھنے کا رجحان رکھتا ہے۔

اور پھر اپنے کھیتوں کے انتشار کی طرف بھی دیکھئے، ناناوتی اور انجاریہ غیر منقسم ہندوستان کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ملک کے بیشتر حصہ میں یہ پایا جاتا ہے کہ خواہ کھیت بڑے ہوں یا چھوٹے وہ اوسطاً پانچ سے آٹھ ٹکڑوں میں منتشر ہوتے ہیں"[له] ہمارا کاشتکار مجبور ہے کہ اپنے مختصر سرمایہ کو لئے ہوئے ان پانچ سے آٹھ ٹکڑوں میں پھرتا رہے کبھی تو گاؤں کے ایک کونے میں ہل چلائے اور کبھی گاؤں کے دوسرے کونے میں۔ ظاہر ہے کہ یہ سرمایہ کے استعمال کی انتہائی نفع بخش صورت نہیں ہے۔

یہی حال ہمارے کاشتکار کی محنت کا ہے، وہ اتنی ہی پریشان حال ہے جتنے اس کے کھیت منتشر ہیں، اور کھیتوں کا کتنا حصہ ہے جو حد بندیوں میں ہی کھو دیا گیا ہے! اور محنت کا کتنا حصہ ہے جو ان حد بندیوں کی نذر ہیں کھو گیا ہے!

اور پھر ہم اس چیز کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ کاشتکار امکانی سرمایہ کی تحصیل سے معذور رہتا ہے کیونکہ بٹائی اس کے پاس صرف آدھی فصل رہنے دیتی ہے

له ناناوتی اور انجاریہ: ہندوستان کا زرعی مسئلہ صفحہ ۱۷۱۔

Marfat.com

باقی آدھی تو زمیندار لے جاتا ہے، حالانکہ وہ سرمایہ کی شکل میں (مثلاً اچھے بیج، اچھی اور وافر کھاد، آلاتِ زرعی اور آبپاشی) زمین کو لوٹائی جا سکتی تھی۔

مختصر یہ کہ اپنے کھیتوں کو جس حیثیت سے بھی جانچیں اور جس تعریف کے مطابق پائیں ان میں معاشی اور متوازن کھیت ہونے کی کوئی صورت پائی نہیں جاتی۔

کھیتوں کی تقلیل اور انتشار کی وجوہات

کھیتوں کے تقسیم در تقسیم اور انتشار کی سب سے بڑی وجہ ہمارے وراثت کے قانون ہیں، جن کے مطابق ہر وراثت کے موقع پر ہر ایک کھیت بہت سے حصہ داروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اگر کھیت ایک سے زیادہ قابلِ تقسیم ہوں، تو ہر حصہ دار ہر کھیت میں سے اپنا حصہ لینا چاہتا ہے، اس طریقہ تقسیم کا مقصد یہ ہوتا ہے، کہ ہر ایک حصہ دار کو مساوی اور مناسب حصہ مل جائے، اس وقت یہ چیز قطعاً نظر انداز کر دی جاتی ہے، کہ یہ نئے بکھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے کھیت کاشت میں دقتیں پیدا کریں گے، اس وقت نظر زرعی عمل پر نہیں ہوتی، بلکہ اپنا پورا حصہ حاصل کرنے پر ہوتی ہے، یہ بھی ممکن تھا، کہ ان کھیتوں کو مجموعی سہولتوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جاتا۔ لیکن وارثوں کی آپس کی بدگمانیاں اور حسد تقسیم کی معاشی صورتوں پر نظر نہیں جانے دیتیں، ایسی صورت میں کوئی تعجب نہیں کہ ہر قابلِ تقسیم چیز تقسیم کر لی جاتی ہے، یہاں تک کہ درخت کی شاخیں بھی، بلکہ اس کے سائے کی تقسیم پر بھی جھگڑا کیا جاتا ہے [۱]۔

دوسری وجہ جذبہ انفرادیت کی ترقی ہے، وراثت کے قانون شروع سے یہی چلے آتے ہیں لیکن کھیتوں کی موجودہ تقسیم در تقسیم بہت حد تک انگریزی عہد میں شروع ہوتی ہے اس سے پہلے انفرادی تقسیم کی بجائے حصہ داروں کی مشترک کاشت کا رواج زیادہ عام تھا، موجودہ زمانے میں مشترک کاشت ویسی عام نہیں ہے، جیسی کہ پہلے ہوا کرتی تھی، سرحدی نشان اور حد بندیوں کے ذریعے سے تفریق اور منفرد جداگانہ کاشت پر اصرار اب سابق زمانے کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ گیا ہے، اس جذبہ انفرادیت کو اس بات کی وجہ

---

[۱] جتھار اور بیری: معاشیات ہند، جلد اوّل صفحہ ۳۲۸ - ۳۲۹ -

Marfat.com

سے اور زیادہ تقویت پہنچی کہ ہندوستان میں عدل گستری کرنے والے انگریز ججوں نے انفرادی ملکیت اور انفرادی حقوق پر بہت زیادہ زور دیا۔[1]

آبادی کا اضافہ کھیتوں کی تقسیم اور انتشار کا تیسرا سبب ہے، ہیضہ، چیچک اور پلیگ جو ایک زمانے میں بڑے پیمانے پر آبادی کے بڑھنے کو روک لیتے تھے، اب بڑی حد تک انسانی قبضہ میں آ چکے ہیں، قحط اور سیلاب کو روکنے کے انتظام پہلے سے کہیں زیادہ مؤثر ہیں، آبادی کی ترقی کو روکنے والے قدرتی عوامل انسان نے محدود کر لئے ہیں، لیکن آبادی کا پھیلاؤ روکنے کے لئے اختیاری تدابیر پر ابھی عمل نہیں کیا گیا، اگر اس صورتِ حال میں آبادی کے بڑھنے کے مطابق نئی زمین بھی زیر کاشت آتی جائے، تو کوئی دقت پیدا نہیں ہوتی، لیکن زیر کاشت آنے والی زمین کی شرح آبادی کے پھیلاؤ کی شرح سے بہت کم رہی ہے، دوسری صورت اس نئی بڑھی ہوئی آبادی کو معاشی گھاٹے سے بچانے کی یہ ہے، کہ صنعت اور دستکاری کو پھیلایا جائے لیکن دیہی صنعت اور دستکاری تو مشینوں کی مصنوعات کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکی، اور بڑی صنعت ابھی ابتدائی منزلیں طے کر رہی ہے، نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ زمین پر آبادی کا بار مسلسل بڑھتا رہا ہے اس اعتبار سے بھی کہ آبادی بڑھتی رہی ہے اور اس صورت میں بھی کہ ذیلی پیشوں اور دیہی صنعت اور دستکاری کے زوال کے ساتھ غیر زرعی آبادی بھی زراعت کی جانب توجہ مبذول کرنے پر مجبور رہی ہے، اگر ہم مردم شماری کے اعداد و شمار پر نظر ڈالیں تو زرعی آبادی کے مسلسل اضافہ کا ثبوت ملتا ہے، غیر منقسم ہندوستان میں ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے زرعی آبادی کا فیصد مجموعی آبادی کے مقابلے میں ۶۱ تھا، یہ فیصد بڑھ کر ۱۹۰۱ء میں ۶۵،۲، ۱۹۱۱ء میں ۶۹،۸ اور ۱۹۲۱ء میں ۷۶،۹ ہو گیا۔[2] آج کے پاکستان میں یہ شرح غالباً اسی فیصدی کے قریب ہو گی۔

کھیتوں کی تقسیم در تقسیم اور انتشار کی چوتھی وجہ صنعتوں کا فقدان ہے، اگر

---

[1] جتھار اور بیری، معاشیات ہند جلد اوّل صفحہ ۲۳۰۔

[2] جتھار اور بیری: معاشیات ہند، جلد اول صفحہ ۲۲۱۔

Marfat.com

بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ ساتھ صنعتوں میں بڑے پیمانہ پر ترقی ہو رہی ہو، تو زمین پر بار پڑنے کی ضرورت نہیں رہتی، اسی طرح اگر نئی زمین آبادی کے بڑھنے کی رفتار کے ساتھ بڑھ سکے، تو بھی کھیتوں کی مزید تقسیم کسی حد تک رک سکتی ہے، لیکن تمام عوامل تعمیر میں زمین ہی ایک ایسا عامل ہے، جس میں پھیلنے اور بڑھنے کی صلاحیت موجود نہیں، بڑھتی ہوئی آبادی کو زمین پر بھیجتے چلے جانا یہی صورت پاکستان میں بھی پیدا کر سکتا ہے، جو اس نے ہندوستان میں پیدا کی ہے، ہندوستان کی زرعی پیداوار کی اوسط فی ایکڑ پاکستان سے بھی بدتر ہے، اور ہندوستان کے تمام عزائم جن میں ایشیا کی سیادت بھی شامل ہے۔ بعض اور چیزوں کے علاوہ اپنی زرعی ترقی کی محدود رفتار کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔ یہی حال پاکستان کا بھی ہو رہا ہے۔ اور ایک ایک سال تو دونوں ملکوں پر ایسا آیا ہے کہ نہیں کاسۂ گدائی اٹھا کر اپنی آبادی کی شکم پروری کرنی پڑی ہے، ظاہر ہے کہ ترقی کی رفتار آبادی کے پھیلاؤ سے کم نہیں ہونی چاہیے، اگر ہم اس طرح اور کچھ زمانہ لاپرواہی برتتے رہے، تو قدرت اپنے قوانین ہمارے لئے نہیں بدلے گی، اور تھوڑے سے زمانے کے بعد ہماری زراعت پر اتنا بوجھ پڑ جائے گا جسے وہ شاید برداشت نہ کر سکے۔

کھیتوں کی تقلیل اور انتشار کے نتائج

ہمارے کھیتوں کے غیر محدود انتشار اور تقسیم نے ہمیں ان نئی ایجادوں اور علوم کے فوائد سے محروم کر دیا ہے، جن سے دوسرے ملکوں نے اپنی فی ایکڑ زرعی آمدنی دگنی تگنی اور چوگنی تک بڑھالی ہے، یہ چھوٹے کھیت سعی و کاوش کے دروازے ہم پر بند کر دیتے ہیں، ہمتیں پست کر دیتے ہیں، اور ایک ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں جس میں اصلاح کی ہر صورت ناممکن ہو جاتی ہے، کیونکہ جو زمین مزارع کو اس کی قلیل ترین ضروریات زندگی بھی بمشکل دے رہی ہو، وہ اس کے پاس اتنا حوصلہ اور اطمینان اور سرمایہ کہاں چھوڑتی ہے کہ وہ اچھے بیج اور آلات زراعت اور کھاد اور فصلوں کی ترتیب اور آبپاشی کے سامان مہیا کر سکے، اور یہی چیزیں اچھی زراعت کی بنیاد ہیں، ان کے مجموعی استعمال سے فصلیں کئی کئی گنا بڑھ سکتی ہیں، لیکن ہمارے لئے ان کا مہیا

Marfat.com

کرنا موجودہ حالات میں قریباً ناممکن ہے، جس کے پاس بُرے بیج خریدنے کے لئے بھی پیسے نہ ہوں وُہ اچھے بیج کہاں سے مہیا کرے، جس کے پاس جلانے کی لکڑی نہ ہو وُہ گوبر کو کہاں بچا کے رکھے کہ کھاد کے کام آئے۔ اور مصنوعی کھاد تو مزید سرمایہ کی محتاج ہے، جن کھیتوں میں موجودہ ہل اور بیل بھی چکّر کاٹنے کی جگہ نہ پائیں انھیں نئے زرعی آلات کا درس دینے سے کیا حاصل، جہاں زمین صرف مزارع کے کنبے کو اناج ہی مہیا کرسکتی ہو وہاں فصلوں کی تبدیلی اور ترتیب کی نصیحت کچھ لاحاصل معلوم ہوتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زراعت ایک چکّر میں پھنس چکی ہے، جس میں سے نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کھیتوں کو معاشی کھیت بنائیں، کیونکہ جب تک یہ نہیں ہوگا علوم اور زرعی ترقی کے منصوبے ہمارے لئے کوئی عملی اہمیت نہیں رکھیں گے آیئے ہم زرعی ترقی کے آلات پر ایک نظر ڈالیں، اور دیکھیں کہ وہ کیا چیزیں ہیں جن سے زراعت کی اصلاح ہوسکتی ہے، لیکن جن کے راستے اس وقت تک مسدود رہتے ہیں، جب تک کھیت منقسم اور منتشر ہوں۔

بیج زرعی عمل کی اصلاح کے لئے اوّلین ضرورت اچھے بیجوں کی ہوتی ہے، جو بویا جاتا ہے، وہی کاٹا جاتا ہے، استعارہ کی زبان میں بھی اور زرعی عمل میں بھی بونے اور کاٹنے کی یہ مماثلت بڑا پرانا سبق ہے، جو انسانوں نے زمین پہ بسنے کے فوراً بعد سب سے پہلے سیکھا ہوگا، عملاً ہم اس کلیے سے لاکھ پہلو تہی کریں لیکن یہ ایک دردناک تکرار کے ساتھ بار بار ہمارے سامنے آتا ہے، اگر ہمارے کھیت جہالت اور غلاظت، افلاس اور حسرت پیدا کرتے ہیں، تو شاید ہم یہی کچھ ان میں بو رہے ہیں۔ اور ہماری فصل کی نوعیت تب تک نہیں بدل سکتی جب تک ہمارے بیج نہیں بدل جاتے، شاعر نے تو صرف ایک سوال کیا تھا۔ ؎

یہ حسیں کھیت پھٹا پڑتا ہے جوبن جن کا
کس لئے ان میں فقط بھوک اُگا کرتی ہے

لیکن ہمیں جواب ڈھونڈنا پڑے گا، تاکہ ان میں سیرشکمی اور سیرچشمی اُگ سکے ۔

Marfat.com

اچھی فصل حاصل کرنے کے لئے جہاں تک بیج کا تعلق ہے ہمیں دو سوالوں پر غور کرنا پڑے گا، ایک یہ کہ کونسی فصل بوئی جائے اور دوسرے یہ کہ اس فصل کے لئے کس قسم کے بیج بوئے جائیں، ہماری زراعت اپنے باقی تمام پہلوؤں کی طرح بیج چننے کے معاملے میں بھی ابھی رواجی منزل سے نکل کر تحقیقی منزل میں داخل نہیں ہوئی ہماری زراعت ابھی اس رواجی منزل میں ہے جب اناج اُگانا ہر کاشتکار اپنا فرضِ منصبی سمجھتا تھا، وُہ اس لئے بھی گندم یا چاول اُگاتا ہے، کہ یہ انسانی غذا کی ابتدائی ضروریات ہیں اور اس لئے بھی کہ اس کے اردگرد قریباً سب ہی کام کرتے ہیں، بیج چننے کے معاملے میں بھی اسے علی العموم اپنے رواجی ماحول سے متاثر ہونا پڑتا ہے، اور وہ کبھی یہ کاوش نہیں کرتا کہ اگر مجھے گندم ہی بونا ہے کہ اس کے ایسے بیج حاصل کروں جو میری زمین کی تخلیقی قوت کو پوری طرح بروئے کار لا سکیں، اناج کی فصلوں کے بیجوں کی بھی بیسیوں قسمیں ہیں، اور مختلف اقسام کی آب وہوا، آبپاشی کی سہولتوں اور زمین کی نوعیت کے مطابق مختلف قسم کے بیج سودمند ہوتے ہیں، اس سلسلے میں سائنس نے اتنی ترقی کی ہے، اور اتنے قسم کے نئے بیج ہر قسم کی فصل کے لئے ایجاد کئے ہیں کہ اگر یہ علم کاشتکاروں تک پہنچ سکے اور ان میں سے ہر کاشتکار صرف وُہ بیج استعمال کرے جو اس کی زمین کے لئے خاص طور پر موزوں ہوں تو مجموعی طور پر بیس سے پچاس فیصدی تک کا اضافہ ہماری موجودہ رواجی فصلوں میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

اچھے بیج صرف ان معنوں میں اچھی فصل پیدا نہیں کرتے کہ وہ زیادہ قوتِ تخلیق اپنے اندر رکھتے ہیں، بلکہ اچھے اور موزوں بیج کیڑوں اور فصلوں کی مختلف بیماریوں کا بھی سب سے اہم علاج ہیں، ڈاکٹر برنز لکھتے ہیں: "کیڑوں اور بیماریوں کا مکمل جواب ایسے بیج مہیا کرنے میں ہے جو ان بیماریوں کی زد سے محفوظ ہوں اور اس سلسلے میں دُوسرے درجے کی اہمیت کیڑے مارنے والی دواؤں کو حاصل ہے"[1]

ہماری مروّجہ فصلوں میں چاول کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ نہ صرف

---

[1] ایچ برنز: ٹکنولوجیکل پوسیبلیٹیز آف ایگریکلچرل ڈویلپمنٹ ان انڈیا صفحہ ۸ -

Marfat.com

ہماری بیشتر آبادی کی اولین غذا ہے، بلکہ چاول کا رقبہ ہمارے ملک کے تمام مزروعہ رقبہ کے نصف سے ذرا زیادہ ہے۔ اقوام متحدہ کے زیر نگرانی لاہور میں منعقدہ ایشیائی مرکز برائے زراعت و متعلقہ امور میں تقریر کرتے ہوئے ایک چینی ماہر زراعت نے کہا کہ:
"اچھے قسم کے چاول کے بیج اچھے حالات میں فصل کو دس سے پچیس فی صدی تک بڑھا دیتے ہیں، چاول پیدا کرنے والے بیشتر ملکوں میں تحقیقاتی مرکزوں میں اچھے قسم کے چاول کے بیجوں کا ذخیرہ موجود ہے، دھان کے بین الاقوامی کمیشن کے دوسرے اجلاس جو رنگون میں فروری ۱۹۵۰ء میں منعقد ہوا، یہ طے پایا تھا، کہ ہندوستان میں چاول کے مرکزی تحقیقاتی ادارہ میں مختلف قسم کے ہندوستانی اور جاپانی چاولوں کے اختلاط کے تجربے کئے جائیں، مقصد یہ ہے کہ بہتر قسم کے بیج پیدا کئے جائیں جو اپنے اندر زیادہ قوت تخلیق رکھتے ہوں۔ جب ایسے بیج پیدا ہو چکیں جو مخصوص مقامات کے لئے فائدہ بخش ہوں، تو ایک بسیط منصوبہ کے تحت ان کی تخلیق اور کاشتکاروں میں تقسیم کا انتظام کیا جانا چاہیئے[۱]۔"

اس چیز کے امکانات بڑے روشن ہیں کہ مستقبل قریب میں سائنس ہمیں آج کے اچھے بیجوں سے بہت بہتر بیج دے سکے، لیکن اگر ہم آج کے اچھے بیج بھی استعمال نہ کریں اور کاشتکاروں تک ان کی تقسیم کا مؤثر انتظام نہ کریں، تو یہ ممکن ہے کہ زرعی ترقی کی دوڑ میں ہم اپنے ہمسایوں سے اور بھی پیچھے رہ جائیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ جیسا ملک جو زرعی زمین کی فراوانی اور آبادی کے کم دباؤ کی وجہ سے ابھی مغربی یورپ جیسی عمیق کاشت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کم از کم اچھے بیج مہیا کرنے کے معاملے میں ہم سے منزلوں آگے ہیں۔ امریکی زراعت کی ۱۹۴۰ء کی سالانہ کتاب بتاتی ہے "گذشتہ سات سالوں میں اناج بونے والے بیشتر علاقوں میں مخلوط بیج استعمال ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں ان بیجوں کی وجہ سے اناج کی فصلیں دس کروڑ بشل زیادہ ہوئیں بہ نسبت ان فصلوں کے جو عام بیجوں سے حاصل

[۱] یونائیٹڈ نیشنز: فارمیشن اینڈ اکونومک اپریزل آف ڈویلپمنٹ پراجیکٹس حصہ دوم صفحہ ۲۹۵۔

Marfat.com

ہوتیں، اچھے زرعی علاقوں میں مخلوط بیج ان علاقوں کی زرخیزی نمایاں کرتے ہیں اور زرعی آلات کے استعمال میں مدد کرتے ہیں، ایسے بیج بھی تخلیق کئے گئے ہیں جو گندم کی فصل کو بیماری سے محفوظ رکھیں، اور ایسے بھی جن پر بارش نہ ہونے سے نقصان بہت کم ہوتا ہے ۱۵۔

یہ چیز قابلِ غور ہے کہ اچھے بیج مہیا کرنے کا کام ابھی ہمارے ملک میں بمشکل دس فیصدی زمینوں تک پہنچا ہے، اور اگر کپاس کی فصل کو بحث سے خارج کر دیں تو باقی فصلوں میں یہ کام ابھی انتہائی غیر ترقی یافتہ منزل میں ہے، یہ اس چیز کے باوجود کہ حکومت کی کوشش پہلے کی نسبت کئی گنا بڑھ چکی ہیں اور خود زمینداروں میں اس چیز کا احساس پیدا ہو چلا ہے کہ اچھی فصل حاصل کرنے کے لئے اچھے بیج حاصل کرنا ضروری ہے، لیکن ہمارے زرعی ماحول نے جس میں زمینوں کے قلیل رقبے، انکا انتشار، بٹائی کا غیر معاشی نظام، اور وراثت کے غیر معاشی قوانین شامل ہیں، ہمیں اس قدر مفلوج کر دیا ہے کہ اچھے بیج جو مختلف قسم کی فصلوں اور زمینوں کے لئے مفید ہوں، ان کے مہیا کرنے کا عملی انتظام تو علیحدہ رہا، نظری طور پر بھی ہر قسم کی فصل کے لئے اتنی عظیم الشان تنظیم کا اہتمام کرنا مشکل نظر آتا ہے، یہ چیز صرف اس صورت میں ممکن معلوم ہوتی ہے کہ ہماری زراعت میں ایک ایسی بنیادی تبدیلی پیدا کی جائے، جس کی وجہ سے کھیتوں کے رقبے مجتمع ہو جائیں، ان کا انتشار نہ صرف دور ہو جائے بلکہ آئندہ اس کے پیدا ہونے کی کوئی صورت نہ رہے اور پھر کاشتکار کو یقین ہو کہ اس کی محنت کسی دوسرے کے عیش و آرام کے لئے نہیں، بلکہ بلاشرکتِ غیرے اس کی اپنی ہے، یہ بنیادی تبدیلی ہی وہ حوصلہ، ساز و سامان اور تنظیم پیدا کر سکتی ہے کہ جس میں اچھی زراعت نشو و نما پا سکے۔

یہاں تک ہم اس چیز پر غور کرتے رہے ہیں، کہ بیج کیسے ہونے چاہئیں، لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، اس مسئلہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ کیا بونا چاہیئے، ہمارے اوسط کھیت بہرحال چھوٹے ہیں، اگر ان کا انتشار دور بھی کر دیا جائے، اور بہت چھوٹے کھیتوں میں

---

۱۵ یونائیٹڈ سٹیٹس ڈویلپمنٹ آف ایگریکلچر ۱۹۴۰ء بک آف ایگریکلچر۔ صفحہ ۴۵۔

Marfat.com

وہ رقبہ بھی شامل کر لیا جائے جن پر بڑے بڑے کھیت مشتمل ہیں، تاہم اوسط کھیت خاصے چھوٹے ہونگے ان چھوٹے کھیتوں میں جب تک عمیق کاشت اختیار نہ کی جائے زیادہ خاطر خواہ نتائج مرتب کرنا مشکل ہے، اور عمیق کاشت خاصا سرمایہ طلب کرتی ہے، اور ہماری موجودہ بحث کا جہاں تک تعلق ہے، اس چیز کا تقاضا کرتی ہے، کہ ہم اناج کے رقبوں کو ذرا کم کریں، اور زیادہ قیمتی چیزوں کے رقبے کو بڑھائیں، زیادہ قیمتی چیزیں یہ ہیں: پھل، سبزیاں، جانوروں کی پرورش اور ان کے لئے چارے، اور بعض دیگر قیمتی نقد فصلیں، مثلاً تمباکو، سن، گنا، کپاس وغیرہ۔ کالورٹ لکھتے ہیں[1] بلجیم کے کم زمین رکھنے والے محنتی کاشتکاروں کو علم اور امداد باہمی نے سرمائے کے مفید استعمال کا رستہ دکھایا ہے نتیجہ ہمیں اس کے امکان کا یقین دلاتا ہے اور دلچسپ بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر چھوٹے رقبوں پر بڑے پیمانے پر سرمایہ استعمال کرنا ہو تو انسانوں کے اناج کی بجائے جانوروں کی غذا کی چیزیں پیدا کرنی چاہئیں، اور ہمارا حاصل گندم کی قسم کی چیزوں کی بجائے وہ چیزیں ہونی چاہئیں جو جانور ہمیں دیں (دودھ، مکھن وغیرہ)، بلجیم میں صرف نو فیصدی رقبے پر گندم کاشت کی جاتی ہے، اور زمین کو زیادہ تر اس قسم کی صنعتی فصلوں کے اگانے میں استعمال کیا جاتا ہے، جن کی مثالیں چقندر، تمباکو، سن اور جانوروں کا چارہ ہیں، فی ایکڑ کسی ملک میں اتنی کھاد استعمال نہیں ہوتی، نہ فی ایکڑ کوئی اور ملک اتنے جانور پالتا ہے"۔

ترقی یافتہ زراعت کرنے والے سب ملکوں کا یہی حال ہے کہ اناج کی فصلوں کے رقبہ کی اوسط ان ملکوں میں کم ہوتی ہے، فرانس میں ۱۲ فیصدی رقبہ میں گندم بوئی جاتی ہے۔ جرمنی میں یہ رقبہ پانچ فیصدی ہے۔ برطانیہ میں پانچ فیصدی اور ڈنمارک میں ایک فیصدی، اس کے برعکس پاکستان کے تقریباً ۴ کروڑ ایکڑ مزروعہ رقبہ میں سے چاول ننا کروڑ تیس لاکھ ایکڑ پر اور گندم ایک کروڑ سات لاکھ ایکڑ پر بوئی جاتی ہے گویا صرف ان دو فصلوں پر تین کروڑ بتیس لاکھ ایکڑ زمین کھپ جاتی ہے۔

---

[1] ایچ کالورٹ: دی ویلتھ اینڈ ویلفیئر آف دی پنجاب صفحہ ۷۶۔

Marfat.com

ڈنمارک اگرچہ گندم درآمد کرتا ہے، لیکن اس کی زرعی قوت پھر بھی قائم ہے کیونکہ وُہ مغربی یورپ کے بیشتر ملکوں کو مکھن، پنیر، دودھ اور گوشت مہیّا کرتا ہے، جو بہر حال گندم سے زیادہ قیمتی چیزیں ہیں۔

کالورٹ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے پنجاب کے متعلق لکھتے ہیں: "پنجاب کے چھوٹے چھوٹے رقبوں کا مالک کاشتکار بغیر دیہی صنعتوں کے اور بغیر جانور پالنے کے ایک خاطر خواہ آمدنی حاصل کرنا چاہتا ہے، اور یہ ایک ایسا کام ہے، جو آج تک دُنیا میں کہیں نہیں کیا جا سکا . . . . اگر فی الواقع کوئی بڑی ترقی کرنا مقصود ہو، تو یہ تحقیق کرنا پڑے گا، کہ پنجاب میں کونسی چیز پیدا کرنا سب سے زیادہ فائدہ بخش رہے گی . . . اس تحقیق کے نتیجے میں جو فصلیں فائدہ بخش تصور ہونگی، ان میں غالباً گندم شامل نہیں ہوگی"[1]

چونکہ مسئلہ کا یہ پہلو پاکستان کی زرعی ترقی کے منصوبوں میں آج تک نظر انداز کیا گیا ہے اس لئے ایک اور زرعی اقتصادیات کے ماہر کی رائے دیکھ لیتے ہیں۔ وُہ یورپ اور امریکہ کے ہی بیشتر ملکوں کا آپس میں موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ڈنمارک میں فی ہزار ہکٹیر (ایک ہکٹیر ڈھائی ایکڑ کے برابر ہوتا ہے) ۱۴۶ مرد زرعی کام کرتے ہیں، ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں پچیس، کینیڈا میں چھتیس، برطانیہ میں ستر، اور فرانس میں ۱۳۴، لیکن ڈنمارک میں فی کس زرعی آمدنی اتنی ہی ہے، جتنی امریکہ میں، اور کینیڈا کی فی کس آمدنی سے وُہ ذرا زیادہ ہے، اور برطانیہ اور فرانس کی نسبت سے وُہ کافی زیادہ ہے۔ نتیجے کے طور پر ڈنمارک ایک خاصی بڑی زرعی آبادی کو بلند معیارِ معیشت پر رکھ سکتا ہے حالانکہ انیسویں صدی کے وسط میں ڈنمارک کی زراعت جو اناج اور بھیڑوں پر قائم تھی، مشرقی یورپ کی زراعت سے کچھ بھی بہتر نہیں تھی۔"[2] جانور پالنے اور اناج اگانے والی زراعت کا فرق واضح کرنے کے لئے وُہ لکھتے ہیں: "ڈاکٹر نیمان نے پولینڈ کی مثال لے کر بتایا ہے کہ اگر عام حالات میں کوئی تبدیلی نہ ہو، اور اگر ساٹھ زلوٹی (پولینڈ کا سکہ

---

[1] ایچ کالورٹ: دی ویلتھ اینڈ ویلفیئر آف دی پنجاب صفحہ ۷۸۔

[2] بالا سبرامانیان: اے پالیسی فور ایگریکلچر صفحہ ۲۳ - ۲۴

پانچ آنے کے برابر کے جانور خریدے جائیں، تو وہ سالانہ آمدنی میں وہی چالیس زلوٹی کا اضافہ کر دیتے ہیں جتنا کہ عام زراعت ایک ہیکٹر سے حاصل کرتی ہے جس کی قیمت دو ہزار زلوٹی ہے[۱]"

ہم یہ پہلے دیکھ چکے ہیں کہ مروجہ فصلوں کے اچھے بیج مہیا کرنا ایک بہت بڑی تنظیم اور سرمایہ چاہتے ہیں۔ لیکن اگر ان مروجہ فصلوں کو سرے سے بدلنا ہو، تو اس کے لئے تنظیم اور سرمائے کے تقاضے اور بھی بڑھ جائیں گے، اور پھر اس سے بڑھ کر بنیادی چیز یہ ہے کہ ہمارے کاشتکاروں میں ترقی کی خواہش اور محنت کا جذبہ ہو جس کے لئے زرعی ماحول اور زرعی نظام میں بنیادی تبدیلیاں ناگزیر نظر آتی ہیں۔

کھاد کھاد کے استعمال کے متعلق ہماری موجودہ حالت مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ ہم کھاد استعمال نہیں کرتے۔ مصنوعی کھاد کا کوئی کارخانہ اس ملک میں موجود نہیں ہے، حالانکہ ہمارے ہاں مصنوعی کھاد پیدا کرنے کے خام مال جپسم اور انہاڈرائیٹ بڑی مقدار میں موجود ہیں، ہمارا ہمسایہ ہندوستان جس کا ارادہ شروع میں جہلم کے ضلع سے اس خام مال کو لینے کا تھا، تقسیم ملک کے باوجود امونیم سلفیٹ کا ایک بہت بڑا کارخانہ ہندوستان میں قائم کر رہا ہے۔ خام مال اسے اب ہندوستان سے ہی حاصل کرنا ہوگا اور شاید کچھ مقدار پاکستان سے بھی حاصل کرے۔ اس کارخانہ کے قیام کا فیصلہ متحدہ ہند کے زمانے میں ہوا تھا، اور یہ متحدہ ہند کی حکومت کی تنگ نظری کا ایک بین ثبوت ہے، کہ خام مال کے ذخیروں سے قریباً ایک ہزار میل دور بہار میں کارخانہ قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ حالانکہ کارخانہ اتنا بڑا بنانا تھا، کہ جس میں خام مال کی روزانہ کھپت تین ہزار ٹن کی ہو۔ حکومت ہند نے ہندو اکثریت کے علاقوں کا فائدہ ملحوظ رکھتے ہوئے اس چیز کا کوئی خیال نہ کیا کہ اتنی بڑی مقدار میں خام مال روزانہ پہنچانا ہزار میل ریل کے ڈبوں کو ہمیشہ غیر ضروری[۲]

---

[۱] بالا سبرامانیان، اے پالیسی فور ایگریکلچر صفحہ ۲۳-۲۴۔

[۲] اس وقت اندازہ لگایا گیا تھا، کہ اس مقدار کے خام مال کو اٹھانے کے لئے ۱۰۰ ڈبوں کی ضرورت ہوگی، جو تین مال گاڑیوں میں بٹے ہونگے، اور چونکہ مال گاڑیوں کو قریباً تین ہفتے اس سفر میں لگیں گے

Marfat.com

طور پر مصروف کار رکھے گا۔

بہر حال یہ کام ہمارا ہے کہ اپنے خام مال کے وسیع ذرائع کو کام میں لاکر مصنوعی کھاد کا اتنا بڑا کارخانہ بنائیں جو نہ صرف ہماری ضروریات کے لئے کافی ہو بلکہ دیگر اسلامی ممالک بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

لیکن محض کارخانے بنانے سے کھاد کھیتوں میں نہیں پہنچے گی، کھاد کے کھیتوں میں پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے کاشتکاروں کے پاس قوتِ خرید موجود ہو۔ کھاد کے استعمال کرنے کے لئے مناسب وسعت کے قطعاتِ زمین ہوں، کھاد سے پورا فائدہ حاصل کرنے کے لئے اعلیٰ بیج اور اچھے کشا دارضی کے آلات ہوں اور اگر ان سب چیزوں کے لئے سرمایہ نہ ہو تو سرمایہ مہیا کرنے کی کوئی صورت میسر ہو، اور ان میں کوئی چیز بھی عمومی طور پر ہمارے کاشتکاروں کے پاس موجود نہیں ہے، اس سلسلے میں بنیادی رکاوٹ دہی منتشر اور پراگندہ کھیت ہیں جو علی الاعلان کہہ رہے ہیں جب تک ہم سے نہیں نبٹو گے، ہم کسی ترقی یافتہ سمت تمہارا قدم نہیں اٹھنے دیں گے۔

اگر مصنوعی کھاد کو چھوڑ دیں تو باقی کھاد کی صورتوں کی حالت بھی اس سے کوئی بہت بہتر نہیں ہے کھلی کی کھاد تو اتنی قیمتی ہے کہ شاید ہماری موجودہ فصلیں اس کی متحمل بھی ہو سکیں اور بہر حال جس ملک کے مال مویشی کو کھلی میسر نہ ہو وہاں زمین کو کھاد کون ڈال سکتا ہے، باقی سبز کھاد اور گوبر کی کھاد بچتی ہیں اور کسی حد تک استعمال بھی ہوتی ہیں، لیکن ان کی مقدار ہمیشہ زمین کی ضروریات سے کم ہوتی ہے۔

گوبر کی کھاد بنانے کے صحیح طریقے سے بھی زمیندار عموماً ناواقف ہیں اور بسا اوقات کھاد پوری پکی ہوئی بھی نہیں ہوتی، لیکن اکثریت تو ہمارے ہاں ان زمینوں کی ہے کہ جن پر کھاد استعمال ہی نہیں ہوتی، اس سلسلے میں اصلاح کی گنجائش موجود ہے بشرطیکہ ایندھن کا انتظام ہو جائے کیونکہ گوبر ہمارے گاؤں کے لوگوں کی اکثریت کا ایندھن

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴) اور غالباً اتنا ہی عرصہ واپس آنے میں، اس لئے چار پانچ ہزار ٹب اور تقریباً سو اسو ریل کے انجن ہمیشہ اس کام میں مصروف رہیں گے۔

Marfat.com

ہے جنگل اور درخت کم ہیں، اور لکڑی کی عدم موجودگی میں ایسا کرنا شاید ناگزیر بھی ہے تاہم آئندہ کی اصلاح کا کوئی منصوبہ تو سوچا جا سکتا ہے، کبھی کبھی حکومت یہ اعلان کرتی ہے کہ فی ایکڑ اتنے درخت ہر شخص لگائے جہاں تک مشورہ کا تعلق ہے یہ بڑا صائب مشورہ ہے، لیکن یہاں تو انگریزی محاورہ والی بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے والا سوال آ پڑتا ہے، یہاں حلِ نظر چیزیں یہ ہیں کہ کیا ہمارا عام کاشتکار کسی تعمیری کام کا حوصلہ کر سکتا ہے؛ جب کہ اسے یہ بھی یقین نہ ہو کہ مالک اسے زمین سے جب چاہے نکال نہیں سکتا، چہ جائیکہ اس کا یقین ہو کر زمین کی مستقل اصلاح کے لئے جو محنت وہ کر رہا ہے، اس کا ثمر بہر حال اس کے سوائے کسی اور کو نہیں ملے گا۔ جب تک یہ درخت بڑے ہوں گے نہ معلوم وہ کہاں ہوگا۔ مانا قیام پاکستان کے بعد اس جذبے میں بڑی تبدیلی واقع ہو چکی ہے لیکن یہ کام اس قدر مسلسل محنت اور یکسوئی و عمل کا تقاضا کرتے ہیں کہ ان کی تکمیل کے لئے زرعی ماحول کی نئی تشکیل قطعاً ضروری ہے۔

زرعی ماحول کی نئی تشکیل کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ کھاد کے استعمال کرنے کے غیر معمولی نتائج سے لگایا جا سکتا ہے، ڈاکٹر برنز جو ایک وقت میں متحدہ ہندوستان میں مرکزی حکومت کے کمشنر زراعت تھے، مختلف فصلوں کے امکانی اضافہ کے متعلق لکھتے ہیں "اگر وافر پانی اور وافر کھاد ملے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چاول کی پیداوار ہندوستان میں بہت بڑھ سکتی ہے۔ ... نوعیت، زمین، آب و ہوا اور موسم کے مطابق بیس فیصدی سے ڈیڑھ سو فیصدی تک اضافہ کیا جا سکتا ہے مثال کے طور پر سی۔ پی میں ڈھائی سو پاؤنڈ ہڈی کی کھاد اور پچاس پاؤنڈ سلفیٹ آف امونیا کی کھاد کے استعمال سے بجائے پانچ سو پندرہ پاؤنڈ کے گیارہ سو انچاس پاؤنڈ شالی پیدا ہوئی، گویا اضافہ ایک سو اٹھائیس فیصدی کا ہوا، اڑیسہ میں ایک سو دس پونڈ ہڈی کی کھاد سبز کھاد کے ساتھ ملا کر دینے سے فصل نو سو دس پونڈ کی بجائے پندرہ سو پونڈ کی ہوئی۔ اس صورت میں اضافہ چون فیصدی کا ہوا[۱]" پانی اور کھاد کے استعمال

---

[۱] ڈبلیو برنز: ٹیکنولوجیکل پوسیبلیٹیز آف ایگریکلچرل ڈویلپمنٹ ان انڈیا۔ صفحہ ۵۲۔

Marfat.com

کی جو شرح انھوں نے اوپر لگائی ہے اس میں خود کسی حد تک ترمیم ان کے اس فقرے سے ہو جاتی ہے: کہ "پانی کے اضافے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چاول کی کاشت کا رقبہ بڑھ جائے گا، بہ نسبت اس کے کہ پیداوار میں اضافہ ہو"[1] گویا اگر کسی پوری طرح قابل عمل قومی منصوبہ کے ماتحت قومی وسعت کے ساتھ پوری کھاد دینے کا انتظام کیا جائے تو محض اس ایک قدم سے ہماری چاول کی فصل دُگنی ہو سکتی ہے اور چاول کی کاشت جیسے ہم پہلے دیکھ چکے ہیں ہمارے نصف سے زیادہ مزروعہ رقبہ میں ہوتی ہے۔

ہماری دوسری فصل گندم ہے جو ہمارے کُل مزروعہ رقبے کی ایک چوتھائی سے زیادہ میں بوئی جاتی ہے، اس فصل پر کھاد کے اثر کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر برنز لکھتے ہیں "جس زمین پر ہر سال گندم بوئی جائے وہاں سب سے اچھا نتیجہ Calcium Cynamide کیلسیم سنامائیڈ کی کھاد دیتی ہے جب وہ نصف سے ڈیڑھ من تک فی ایکڑ استعمال ہو، اضافہ اس صورت میں کھاد کی مقدار کے مطابق ڈیڑھ سے ساڑھے چار من گندم کا ہوگا فی صدی اضافہ اکیس سے تریسٹھ فی صدی تک بنتا ہے"[2]

ہماری تیسری اہم فصل پٹ سن ہے اس کے امکانات کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر برنز لکھتے ہیں: "نائیٹروجن، پوٹاسیم اور کلسیم کی کھاد دینا اس کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش ثابت ہوا ہے۔ اس کھاد سے یہ فصل بیس من فی ایکڑ پیدا ہوتی ہے بمقابلہ محض گوبر کی کھاد کے ۲۰۸ (آٹھ اعشاریہ دو) من پیداوار کے، اس کھاد سے پودے کے تنے کی بیماری اٹھارہ اعشاریہ سات فیصدی رہ جاتی ہے، بمقابلہ گوبر کی کھاد کے اٹھتیس اعشاریہ پانچ فی صدی کے، اس چیز کے پیش نظر کہ موجودہ اوسط پیداوار پندرہ من ہے یہ بڑا ہی دلچسپ نتیجہ ہے"[3] گویا کھاد کا استعمال اس فصل کی پیداوار میں پچیس فیصدی کا اضافہ کر سکتا ہے۔

ہماری چوتھی سب سے اہم فصل کپاس ہے، اس کے متعلق ڈاکٹر برنز لکھتے ہیں:
امونیم سلفیٹ کے ساتھ جو دو تین تجربے پنجاب میں کئے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے،

---

[1] ڈبلیو برنز: ٹکنولوجیکل پوسیبیلیٹیز آف ایگریکلچرل ڈویلپمنٹ ان انڈیا۔ صفحہ ۵۵
[2] ایضاً " " " " صفحہ ۶۰
[3] ایضاً " " " " " صفحہ ۹۳

Marfat.com

کہ کھاد کی سب سے زیادہ فائدہ بخش مقدار اسی سے ایک سو پونڈ نائٹروجن یا چار سو سے پانچ سو پونڈ امونیم سلفیٹ رہے گی، مصر میں اتنی بڑی مقدار میں کھاد دینا خاصا عام ہے۔ جو waterlogged سیم زدہ زمینوں پر تو اس کھاد کا اثر اچھا نہیں ہے، لیکن باقی زمینوں میں اتنی کھاد سے دو سو فیصدی اضافہ فصل میں ہو جاتا ہے[1]۔"

مختصراً اگر ایک وسیع اور منظم قومی منصوبہ کے ماتحت (قومی منصوبہ سے یہاں میری مراد ایک ایسا منصوبہ ہے جس کی لپیٹ میں ملک کا تمام مزروعہ رقبہ کُلی طور پر آسکے۔) تمام ملک کو کھاد مہیا کی جائے تو محض اس ایک اقدام سے ہماری چار سب سے اہم فصلوں یعنی چاول، گندم، پٹ سن اور کپاس میں علی الترتیب سو فیصدی، پچاس فی صدی، پچیس فیصدی اور دو سو فی صدی تک فصل میں اضافہ ممکن ہے، یہی حال باقی تمام فصلوں کا ہے لیکن اس قسم کا عملی اقدام جس قسم کی تنظیم کا مقتضی ہے وہ موجودہ زرعی ماحول میں ممکن معلوم نہیں ہوتی، مثلاً اس قسم کی قومی پیمانہ پر زرعی اصلاح کروڑوں من کھاد چاہیے گی، اوّل اس کی تیاری کے لئے سرمایہ کہاں سے آئے؟ ان مزارعین کے پاس سے جن کے پاس معمولی بیج خریدنے کے لئے بھی پیسہ نہیں؟ ان زمینداروں کے پاس سے جنہیں مستثنیات کو چھوڑ کر) اپنے عیش و عشرت سے لمحہ بھر کی فرصت قومی مسائل کو سمجھنے کے لئے کبھی نہیں ملی؟ اس حکومت کے پاس سے جس کی آمدنی ایک غیر معاشی نظام زراعت نے ایک معمولی سطح پر محدود کر رکھی ہے؟ اور بالفرض یہ ہو بھی جائے تو اس کھاد کو کون خریدے گا؟ ان منتشر اور قلیل کھیتوں کے مزارع جنہیں نیا ہل خریدنے کے لئے بھی قرض کی ضرورت ہوتی ہے؟ یا وہ کھیتوں کے مالک جو بٹائی کی شکل میں فصل کا صرف آدھا اضافہ حاصل کر سکیں گے اور لہٰذا کھاد کے لئے سرمائے کے استعمال کو بیشتر حالات میں ناپسند کریں گے؟

آلات زراعت اپنے زرعی آلات میں بھی فوری طور پر کوئی غیر معمولی اصلاح ہوتی نظر نہیں آتی۔ یہ صحیح ہے کہ کچھ بڑے زمیندار اب ٹریکٹر خریدنے لگے ہیں لیکن بیشتر

---

[1] ڈبلیو برنز، ٹکنولوجیکل پوسیبلیٹیز آف ایگریکلچرل ڈیولپمنٹ ان انڈیا۔ صفحہ ۹۰

Marfat.com

اس کا محرک مزارعین کو موروثی حقوق حاصل کرنے سے محروم رکھنا ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ زراعت کو فنی طور پر بلند تر سطح پر لایا جائے۔

ہمارے کاشتکاروں کی اکثریت دیہی ہل استعمال کرتی ہے، جو ٹیکسلا کی تہذیب کے زمانے میں ان کے آباؤ اجداد کرتے تھے، البتہ بیل موجودہ زمانے میں پہلے کی نسبت جسم اور قوت میں کم ہوتے جا رہے ہیں، اس کی وجہ کھیتوں کے رقبہ کی موجودہ کمی اور ان کے مزید چھوٹے ہوتے جانے کا رجحان ہے، ایک اچھی بیلوں کی جوڑی پندرہ ایکڑ کھیت کھود سکتی ہے لیکن اگر اوسط کھیت صرف سات ایکڑ کے ہوں، تو اچھی جوڑی اچھا خاصا سفید ہاتھی بن جاتا ہے، جسے چارہ تو پورا دینا ہوتا ہے لیکن کام پورا لینے کے مواقع محدود ہوتے ہیں، یہ صحیح ہے، کہ کبھی کبھی ایسی جوڑی کرایہ پر بھی دی جا سکتی ہے، لیکن اس میں ہمیشہ یہ دقت پیدا ہوتی ہے، کہ جوڑی کا مالک اپنا کھیت پہلے تیار کرنا چاہتا ہے۔ بارش کے بعد جب زمین کو وتر آ جائے، تو کون اپنے بیل کسی دوسرے کو دیگا؟ وہ پہلے اپنا کھیت تیار کریگا، اور عین ممکن ہے کہ جب اس کی جوڑی فارغ ہو زمین سخت ہو چکی ہو۔ لہذا ہر کاشتکار یہی کوشش کرتا ہے کہ بیلوں کی جوڑی اس کی اپنی ہی ہو، تاکہ صحیح وقت پر اس کی زمین تیار ہو سکے، لہذا چھوٹے کھیتوں کے مالک کوشش کرتے ہیں کہ جوڑی بھی چھوٹے بیلوں کی ہو، ڈاکٹر ٹیلر کے الفاظ میں وہ جب چھوٹے بیل خریدتے ہیں تو وہ درا صل بیلوں کی ایک کسر خریدنے کی کامیاب کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔

لیکن ان کی یہ کامیاب کوشش کامیاب زراعت کے رستے میں ایک نئی رکاوٹ لا کھڑی کر دیتی ہے، کامیاب زراعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہل اچھے ہوں جو زمین کو کافی گہرا کھود سکیں لیکن چھوٹے بیل تو عام ہل کی چار یا پانچ انچ کھدائی کو بھی ایک آدھ انچ کم کر دیتے ہیں چہ جائیکہ ان سے وہ تقاضا کیا جائے جو مثال کے طور پر اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ایشیائی زراعتی مرکز منعقدہ لاہور میں ڈاکٹر ٹیلر کرتے ہیں "نرم یا کم سخت زمینوں میں انگریزی حرف اے (A) کی شکل کا ہل استعمال کرنا ممکن ہے۔ اس کے پانچ پھل ہوتے ہیں، اور دیسی ہل کی نسبت بہت زیادہ زمین ایک ہی حرکت میں کھد جاتی ہے

اس بھتوآلہ کی مدد سے جب موسمی حالات کی وجہ سے کام کا دباؤ زیادہ ہو، کام وقت پر ختم کیا جا سکتا ہے۔[١٥] ان کی رائے بڑی صائب ہے، لیکن اچھے آلات کشادہ ارضی اپنے مانرِ استعمال کے لیئے اچھے بیلوں کے مقتضی ہیں، اور اچھے بیل چھوٹے کھیتوں پر ضرورت سے زیادہ سرمایہ لگانے کے مترادف ہیں، بنیادی اصلاح کی صورت تو یہی ہے، کہ کھیت بڑے ہوں، یا موجودہ چھوٹے کھیتوں میں کسی قسم کا اشتراکِ عمل پیدا کیا جائے، لیکن جب آپ اس سمت میں سوچنے لگیں تو فوراً موجودہ کھیتوں کی حدود آپ کو مٹتی نظر آتی ہیں، اور موجودہ زرعی نظام حدود کی حرمت کا اس قدر قائل ہے کہ وہ اس کے لیئے ہر قسم کی زرعی ترقی کے امکانات کو قربان کرنے کے لیئے آمادہ ہے۔

ہل یا ٹریکٹر زراعت کے آلات کی اصلاح کے تو سب قائل ہیں لیکن ان کا راستہ موجودہ زرعی ماحول نے مسدود کر رکھا ہے، ایسے حوصلہ شکن حالات میں ٹریکٹر اور دیگر زرعی مشینوں کا سوچنا بھی کوئی آسمانی پریوں کی کہانیاں سنانے کی سی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن ساری قوم میں اس وقت جو بلند آرزوئیں پیدا ہو چکی ہیں اور جس بلند مقام پر وہ اپنے ملک اور اس کی تہذیب کو دیکھنا چاہتی ہیں اس کے لیئے ناگزیر ہے کہ ہم کچھ دیر یہ پریوں کی کہانیاں بھی سنیں، آخر یہ کیوں ضروری ہے کہ جب مہذب ممالک ہل چلانے، بیج بونے اور فصل کاٹنے کے سب کام مشینوں کے ذریعے سے دنوں میں کریں تو امتِ وسطیٰ کی اکثریت اس کام کے لئے کڑکتے جاڑوں اور چلچلاتی دھوپ میں ہفتوں مصروف رہے؟ پاکستان جن اصولوں پر قائم ہوا ان کا تقاضا تو یہ ہے، کہ ہر جہت اور ہر سمت میں ہم دنیا کے لیئے مشعل راہ ہوں، ہمارا تو دعویٰ یہ تھا کہ اسلام بلند ترین اندازِ فکر و عمل ہے، اور اس کی عملی تشکیل کے لیئے ہم نے یہ زمین کا قطعہ حاصل کیا تھا، لیکن اگر ہم ایسا زرعی ماحول سینے سے چمٹائے رکھیں جس میں نہ اچھے بیج مہیا ہو سکیں نہ کھاد کی دستیابی کی کوئی صورت ہو اور باقی اصلاحیں تو درکنار اچھے بیل بھی اشتراکِ عمل کے بغیر ممکن نہ ہوں، تو ظاہر ہے، کہ

---

[١٥] اقوامِ متحدہ: فارمولیشن اینڈ اکنامک اپریزل آف ڈیولپمنٹ پروجیکٹس، جلد دوم، صفحہ ۷۷۵۔

Marfat.com

ہمارے دعوے اور عمل میں بہت بڑا فرق رہے گا، اور جو تصورات ہم نے پاکستان کے ساتھ وابستہ کر رکھے تھے، وہ ایک سہانے خواب سے زیادہ کوئی حقیقت نہ رکھیں گے۔

پاکستان کا بلند نصب العین اس چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم زرعی اصلاح کی کوئی صورت ایسی نہ رہنے دیں جو ہمارے لئے قابلِ عمل تو ہو اور بیلوں سے بھی ایک قدم آگے بڑھائیں، اور اپنے کاشتکاروں کو مشینوں کے استعمال کا موقع مہیا کریں، ہر شکل زرعی کام ہمارے ہاں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے، حالانکہ ان میں سے ہر ایک مشین سے کیا جا سکتا ہے لیکن یہ جبھی استعمال ہو سکتی ہیں جب ہمارے کھیت موجودہ کھیتوں سے کئی گنا زیادہ ہوں، ہمیں اس کے لئے اشتراکِ عمل کا کوئی ایسا راستہ ڈھونڈنا چاہیئے جو افراط و تفریط کے راستوں سے بچ کر ہمارے کاشتکاروں کو وہ خوشحالی اور سیر چشمی مہیا کرے جس کے وہ مستحق ہیں اور زمین سے اس کے پولے جوہر لہلہاتے کھیتوں کی شکل میں برآمد کر سکے۔

مجھے اعتراف ہے کہ اچھے بیجوں اور اچھی کھاد کی طرح ٹریکٹر اور دوسری زرعی مشینوں کے استعمال کے متعلق علماء میں اتفاقِ رائے نہیں ہے۔ آئیے پہلے ٹریکٹر کے استعمال کے متعلق جو شبہات پیش کئے جاتے ہیں ان پر غور کریں۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ ایک درمیانہ قسم کا ٹریکٹر بھی کئی ہزار روپے کا آتا ہے جس قیمت سے دس یا پندرہ بیلوں کی جوڑیاں خریدی جا سکتی ہیں، اور بقول ڈاکٹر ٹیلر کے محض یہ حقیقت کہ دس سے پندرہ جوڑی بیلوں کی قیمت سے ایک ٹریکٹر ملتا ہے، اس چیز کا اشارہ کرتا ہے کہ کھیت بھی اتنے گنا بڑے ہونے چاہئیں، اور بہت بڑے کھیت بہت کم ہیں۔[اللہ] لیکن ہم موجودہ زرعی ماحول میں تو ٹریکٹر نہیں چلانا چاہتے، موجودہ صورت میں تو نہ صرف ٹریکٹر کا استعمال قطعی طور پر ناممکن ہے، بلکہ اچھے بیل اور ہل اصولی طور پر ناقابلِ عمل ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر ٹیلر خود اعتراف کرتے ہیں، "موجودہ کھیتوں میں ضرورت سے زیادہ سرمایہ بیلوں کی صورت میں صرف کیا ہوا ہے، کیونکہ کھیت ان بیلوں کی نسبت سے بہت چھوٹے ہیں۔"[۵۲]

---

[۵۱] اقوامِ متحدہ: فارمیشن اینڈ مِلک اپیل آف ڈیولپمنٹ پریکٹس جلد دوم، صفحہ ۷۷۴،

[۵۲] ایضاً ، ، ، ، ، صفحہ ۷۷۲

دبا وجود اس کے کہ موجودہ بیل اچھے بیلوں کی محض "ایک کسر" ہی ہیں، ڈاکٹر ٹیلی کے نزدیک اصلاح کی صورت یہ ہے کہ کسی قسم کی مشترک ملکیت کے تحت اچھے بیل رکھے جائیں۔[1] ہم یہی صورت ٹریکٹروں کے لئے تجویز کرتے ہیں، اشتراکِ عمل تو بہرحال اب ناگزیر ہے ہی، اس کے باوجود ہم کیوں بیلوں پہ قناعت کریں اور کیوں نہ اس کی مدد سے ٹریکٹر بھی حاصل کریں۔

دوسری دقت یہ بتائی گئی ہے کہ ان مشینوں کا ایندھن ہمارے ملک میں باقی ملکوں سے زیادہ مہنگا ہے، اس کی وجہ وہ ٹیکس ہیں جو ہمارے ہاں زرعی عمل اور ایندھن کے دوسرے استعمالوں میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھتے، یہ کوئی بنیادی دقت نہیں ہے، زرعی استعمال فی الحال چونکہ نہ ہونے کے برابر ہے، اس لئے کوئی فرق نہیں رکھا گیا، اگر اس استعمال میں غیر معمولی اضافہ ہو تو حکومت ٹیکس میں تخفیف کر سکتی ہے۔

لیکن سب سے بڑا شبہ جس کا اظہار بہت سے معاشی ماہروں نے کیا ہے یہ ہے کہ زرعی مشینوں کا استعمال ہماری بہت بڑی آبادی کو مزدوری سے محروم کر دے گا، جو فصل بونے اور کاٹنے کے وقت اکثر اور دیگر ضروریات کے لئے کبھی کبھی مزدوری کر سکتی ہے۔ یہ اعتراض دراصل کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ مشینی اور دستی مصنوعات کے درمیان صدیوں پرانی تنازع کی ایک شق ہے، ہر نئی مشینی ایجاد اس سوال کو ہمیشہ ہمارے سامنے پیش کرتی رہی ہے، اور یہی حال زرعی مشینوں کا بھی ہے۔ ہر مشین آدمی کی مشقت کو کم کرتی ہے اور جو کام انسانی ہاتھ ہفتوں اور مہینوں میں انتہائی اذیت اور مشقت کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں، وہ مشینیں گھنٹوں اور دنوں میں انتہائی سہولت سے کر لیتی ہیں۔ لیکن اس مشقت سے بچنے کا نتیجہ ہمیشہ اس تعمیری عمل میں جو پہلے ہاتھوں سے کیا جاتا تھا بے روزگاری کی شکل اختیار کر لیتا ہے، لیکن یہ بے روزگاری محض اس تعمیری عمل میں واقع ہوتی ہے اور مشینوں کے استعمال کی وجہ سے کئی ایسے نئے روزگار نکل آتے ہیں کہ جب مشینوں کے استعمال کے پورے نتائج مرتب ہو چکتے ہیں تو یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ ان کے استعمال نے کسی قسم

---

[1] اقوام متحدہ: فارمولیشن اینڈ اکنامک اپریزل آف ڈویلپمنٹ پروجیکٹس، جلد دوم، صفحہ ۷۷۳۔

Marfat.com

کی بیروزگاری پیدا کی ہے۔ مثلاً ہزاروں کپڑے کی مشینوں سے لاکھوں پارچہ باف ضرور بیروزگار ہوگئے، لیکن محنت کے بہتر استعمال اور لہذا مزدوری کی بہتر قیمت کی وجہ سے سینکڑوں نئی چیزوں کے تقاضے دُنیا میں پیدا ہوگئے جو اس سے پہلے یا نا پید تھے یا بہت محدود، جو جرابیں اور بنیان نہیں پہنتے تھے اُنھوں نے یہ پہننا شروع کردیں، اور جوتے اور پالش اور سینکڑوں دیگر ضروریاتِ زندگی کی مانگ پہلے سے زیادہ بڑھ گئی، اور لاکھوں بیکار پارچہ باف ان چیزوں کے بنانے اور بیچنے میں مصروف ہوگئے۔ گویا ہر مشینی ایجاد کا پہلا نتیجہ ایک محدود حلقہ میں بے کاری ہے، دوسرا نتیجہ مشینوں سے کام کرنے والوں مزدوروں کا دستی مزدوری کی نسبت بلند تر معیارِ زندگی ہے، جس کی وجہ سے تیسرا نتیجہ بہت سی ضروریاتِ زندگی کی مانگ میں اضافہ ہے، اور چوتھا نتیجہ اس مانگ کو پورا کرنے میں اس بیروزگاری کا دُور کرنا ہے جو مشینی ایجاد کا پہلا نتیجہ تھا۔

یہی حال زرعی مشینوں کے استعمال کا ہے، ٹریکٹر ایک ایک فٹ گہرا زمین کو کھود ینگے بمقابلہ موجودہ ہلوں کے چار پانچ انچ کے، اور اس طرح پیداوار میں غیر معمولی اضافہ کا باعث ہونگے، کھیت مناسب وقت پر تیار ہو سکے گا، بیج ڈالنے کی مشین یکساں گہرائی پر بیج ڈالے گی، ایسے نہیں کہ کچھ بیج اتنے گہرے اور کچھ اتنے سطح کے قریب گریں کہ جڑ ہی نہ پکڑ سکیں، جو بیج اب ضائع جاتا ہے اسی کی قیمت سے اچھا بیج حاصل ہو سکے گا، جو سرمایہ یہ ٹریکٹر مہیا کرے گا وہی کھاد بھی دلا سکتا ہے، جس سے اوسطاً ہماری فصلیں دگنی ہو سکتی ہیں۔ جب یہ کچھ ہو جائے تو ہمارے کاشتکاروں کا معیارِ معیشت ان کی فصلوں کے مطابق کئی گنا بڑھ جائیگا۔ وہ بہتر گھر بنانا چاہیں گے، اچھے لباس پہننا چاہیں گے، تعلیم اور دوائی کی ضروریات بھی محسوس ہونگی، اور وہ مزدور جو اب فصل بونے اور کاٹنے کے وقت کاشتکاروں کا ہاتھ بٹاتے ہیں، وہ کاشتکاروں کی نئی نئی ضروریات کی فراہمی کا انتظام کریں گے۔ بعض اور نئے کام خود مشینوں کے استعمال سے پیدا ہوتے ہیں، وہ مشینوں کا بنانا، ان کی تقسیم اور فروخت، اُن کی مرمت، پھر اُن کے پُرزے اور تیل وغیرہ کی تقسیم ہیں۔ ڈاکٹر برینز کی رائے بڑی وقیع ہے، وہ لکھتے ہیں "میں ایک نقطۂ نگاہ کے

اس عام خیال یا غلطی کے متعلق کہنا چاہتا ہوں کہ مشینوں کے استعمال سے بے روزگاری عام ہو جائے گی۔ ۔ ۔ ۔ مشینوں کی بہتر صلاحیت کی وجہ سے بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ زمین پر تھوڑے آدمیوں کی ضرورت ہوگی، لیکن یہ کمی ہر زرعی عمل میں ہوگی، لیکن فی ملک نہیں ہوگی، ۔ ۔ ۔ مشینوں کا استعمال کئی بالکل نئے روزگار کھول دیتا ہے، وہ جو مشینیں بناتے ہیں، جو ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں، اور جو ان کی مرمت کرتے ہیں، اس کے علاوہ ان لوگوں کو روزگار ملتا ہے، جو پرزوں اور تیلوں کے تقسیم کنندے ہیں۔ مشینوں کا استعمال سڑکوں کی اصلاح کا بھی محتاج ہے۔ اور یوں روزگار کا ایک بہت بڑا وسیلہ نظر آنے لگتا ہے[۱]۔"

پریوں کی یہ کہانی سننے کے بعد جب ہم اپنے کھیتوں میں پہنچتے ہیں، تو نظر آتا ہے، کہ وہ اتنے چھوٹے ہیں اور ان کے کونے اتنے ٹیڑھے اور بھینگے ہیں، کہ ان میں کئی دفعہ عام ہل بھی چکر نہیں لے سکتے، چہ جائیکہ وہاں ٹریکٹر چل سکیں اور جب اپنے زرعی نظام کو دیکھتے ہیں جو بٹائی کی وجہ سے مزارع میں سرمایہ مہیا کرنے کی سکت نہیں چھوڑتا اور زمیندار سے سرمایہ دینے کی آرزو چھین لیتا ہے، تو اشتراک عمل کے باوجود ہمارے کاشتکاروں کی سی سینکڑوں چھوٹیاں ٹریکٹر جتنا بڑا ہاتھی بناتی نظر نہیں آتیں، ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اگر اس ملک کے کاشتکاروں نے ابھرنا ہے، اور محنت اور حسرت کے چکر کو کبھی پھاند کے نکلنا ہے، اور اس کی کوئی صورت موجودہ ماحول اور نظام بدلنے کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس پریوں کے دیس میں ہم پھر تب ہی جائیں گے، جب ہمیں کسی بہتر ماحول اور نظام کی کم از کم دھندلی شکل نظر آسکے گی، فی الحال ہم اپنی زراعت کے جائزے کو مکمل کر لیں۔

۳۔ آب پاشی آب پاشی کے معاملے میں ہم خاصے اچھے ہیں، مشرقی پاکستان میں بارش اتنی ہو جاتی ہے، کہ وہاں مصنوعی آب پاشی کے وسیلے ڈھونڈنے کی عام طور پر کوئی ضرورت نہیں، مغربی پاکستان میں بارش بہت کم ہوتی ہے، لیکن یہاں

---

[۱] برنر: دی ٹکنولوجیکل پوسیبلیٹیز آف ایگریکلچرل ڈویلپمنٹ ان انڈیا: صفحہ ۱۲۷

Marfat.com

دُنیا کا ایک عظیم الشان ترین آبپاشی کا سلسلہ قائم ہے، تاہم ہمارے پاس خاصے وسیع قطعے ایسے موجود ہیں، جہاں اگر آبپاشی میسر ہو، تو بڑی اچھی فصلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت خاصے بڑے قدم اُٹھا بھی رہی ہے لیکن موجودہ اور مجوزہ آبپاشی کے ذرائع کی تکمیل کے بعد بھی کروڑوں ایکڑ زمین ایسی باقی بچے گی، جہاں اگر آبپاشی کا انتظام نہ کیا جائے تو زمین پہلے کی طرح بے کار پڑی رہے گی، بلوچستان اور بہاولپور کے سوا باقی ریاستوں کو نکال کر موجودہ اندازہ کے مطابق دو کروڑ چھتیس لاکھ ایکڑ زمین ایسی ہے کہ جہاں زراعت ممکن ہے، لیکن عموماً آبپاشی کے فقدان کی وجہ سے یہ زمینیں بے کار پڑی ہیں، ایک کروڑ ایکڑ سے کچھ زیادہ ایسی زمین صرف مغربی پنجاب میں ہے۔ اب جب ہم یہ یاد رکھیں کہ ہمارا کل زرعی رقبہ صرف سوا چار کروڑ ایکڑ ہے، تو ہمارے سامنے جو نئے امکانات آبپاشی کے وسائل کی ترقی کھول سکتی ہے، وہ خاصے وسیع نظر آتے ہیں، بلوچستان اور ریاستوں کو شامل کرکے ہمارا قابلِ کاشت افتادہ رقبہ یقیناً تین کروڑ ایکڑ زمین سے زیادہ ہے، گویا ہمارے قابلِ کاشت رقبہ میں پچھتر فی صدی کا اضافہ ممکن ہے، جو آبپاشی کی سہولتیں میسر ہونے پر زیرِ کاشت لایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں آج تک ہم کلی طور پر حکومت پر انحصار کرتے رہے ہیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ بڑے پیمانے پر آبپاشی کے ذرائع صرف حکومت کے وسیع وسائل ہی مہیا کر سکتے ہیں لیکن ہمارے کروڑوں ایکڑ افتادہ رقبہ محض بڑی بڑی نہروں کے کھودنے سے سیراب نہیں ہو سکتے، کیونکہ بہت سی صورتوں میں ایسا کرنے کے امکانات محدود ہیں، علاوہ ازیں ہم سیم اور کلر کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے جو نہروں کے مزید غیر معمولی پھیلاؤ کی وجہ سے وسیع رقبوں کو ناقابلِ کاشت بنانے کے امکانات رکھتا ہے، لہٰذا اب نہروں کے علاوہ ہمیں بہت سی صورتوں میں بجلی کے کنوؤں سے اپنے آبپاشی کے وسائل کو ترقی دینے کی ضرورت ہے، ایسے کنوئیں کھودنا ظاہر ہے کہ افراد کا کام ہے اور حکومت سے اس کام کا تقاضا کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، لیکن ہمارا سرمائے سے تہی اوسط کاشتکار ایسے کنوئیں کھودنے کی طاقت سے موجودہ شکل میں قطعاً محروم

Marfat.com

سے ظاہر ہے کہ اس میدان میں بھی اس کا مداوا کسی قسم کے دیہی اشتراک میں ہی میسر آسکتا ہے، علاوہ ازیں ایسے کنویں جتنے بڑے رقبے کو سیراب کر سکتے ہیں وہ بھی اس چیز کا مقتضی ہے کہ مشترکہ سرمایہ، مشترکہ عمل اور مشترکہ تنظیم ہو تاکہ ہمارے چھوٹے چھوٹے کھیت مل کر ایک بڑے کھیت کے فوائد حاصل کر سکیں۔ ہم جب تک ایسا نہ کریں، ہمارے کل قابلِ کاشت رقبہ کا ایک بڑا حصہ موجودہ حالت کی طرح ہمیشہ افتادہ پڑا رہے گا۔

سیم اور کلر

آب پاشی کے وسائل کا ذکر کرتے ہوئے خیال خودًا ان نئے خطروں کی طرف جاتا ہے، جن سے آب پاشی کے وسائل بالخصوص نہروں کی ترقی سے ہماری زراعت دو چار ہیں۔ دراصل یہ خطرے اتنے نئے بھی نہیں، اور آب پاشی کے وسائل سے آج سے بہت عرصہ پہلے بھی یہ پیدا ہوتے رہے ہیں، اور باخبر جد و جہد سے ان کا تدارک بھی ہوتا رہا ہے، جس شدت سے آج پھر یہ پاکستان میں سر اُٹھا رہے ہیں، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اس مسئلہ کا بھی ایک مختصر جائزہ لیں۔

اس مسئلہ کی وسعت اور اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے کیا جا سکتا ہے، ۲۷-۱۹۲۶ء میں سیم اور کلر زدہ رقبہ پنجاب (پاکستان) میں دو لاکھ چوراسی ہزار ایکڑ تھا، ۳۷-۱۹۳۶ء میں چار لاکھ اٹھتیس ہزار ہوگیا۔ اور ۴۷-۱۹۴۶ء میں یہ رقبہ انتیس لاکھ سینتالیس ہزار ایکڑ تک پہنچ گیا۔[۵] گذشتہ چند سالوں سے اس رقبے میں دو اور تین لاکھ ایکڑ کے درمیان سالانہ اضافہ ہو رہا ہے۔

ہوا یہ ہے کہ نہروں کے بہت بڑے جال کی وجہ سے بہت سا پانی زمین میں جذب ہوتا رہا ہے، اور آہستہ آہستہ زمین کے نیچے پانی کی سطح بلند ہوتی گئی ہے، شروع میں اس کا اثر زمین پر سفید رنگ کی کلر کی تہ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، اور بالآخر پانی خود زمین کی سطح پر نمودار ہو جاتا ہے اور اسے سیم کہتے ہیں۔

۵؎ حسن: ایگریکلچرل سٹیٹسٹکس آف پنجاب (پاکستان)، صفحہ ۶۲

Marfat.com

ظاہر ہے، کہ اس کا علاج زمین کے نیچے پانی کی سطح نیچی کرنے میں ہے، اور اسی مقصد کے پیشِ نظر حکومتِ پنجاب ہزاروں ٹیوب ویل لگا رہی ہے، جو یا تو زمین سے پانی نکال کر نہروں میں ڈالیں گے یا ان رقبوں میں آب پاشی کریں گے، جہاں ابھی تک اس کا کوئی اور انتظام نہیں ہو سکا۔ رسول سے جو پن بجلی پیدا کی جا رہی ہے، اس کا اولین مصرف ان بجلی کے کوؤں کو چلانا ہو گا۔

یہ سارے کا سارا سیم اور کلر زدہ رقبہ زراعت کے لئے بالکل بے کار نہیں ہو جاتا کلر زدہ رقبہ میں مختلف فصلیں (مثلاً چارہ) بڑی اچھی ہوتی ہیں، البتہ سیم زدہ رقبہ کسی فصل کے لئے سازگار نہیں ہے۔

علاوہ اس رقبہ کی اصلاح کے جو سیم اور کلر زدہ ہے، ہمارا سب سے اہم زرعی مسئلہ یہ ہے، کہ اس رقبے کے اضافے کو کیسے روکا جائے اس کے لئے جہاں جہاں ممکن ہے کوئیں کھودے جانے چاہئیں جو آبپاشی کے ذریعے ہمارے قابلِ کاشت رقبے میں اضافہ بھی کریں، اور کلر اور سیم کی طرف ہماری زمین کے رجحان کو روکیں، علاوہ ازیں بڑے پیمانے پر درختوں اور پھلوں کی کاشت بھی ایک یقینی اصلاح کی صورت ہے لیکن یہ دونوں چیزیں جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، ہمارے موجودہ زرعی ماحول میں نہیں پنپ سکتیں، ان کے لئے مشترکہ دیہی عمل کی ضرورت ہے، جس کے مطابق ہر گاؤں کا دسویں سے لے کر پانچواں حصہ مناسب درختوں اور پھلوں کے لئے مخصوص ہو جائے اور مشترکہ سرمایہ ٹیوب ویل لگانے کی قابلِ عمل صورت مہیا کر دے۔

اگر ہم اس سلسلے میں کوئی فوری قدم نہیں اٹھائیں گے تو مغربی پاکستان کی زراعت اور اس کے ساتھ اس کی تہذیب اسی طرح ختم ہو جائیں گی، جیسے بابل کی زراعت اور تہذیب اس سے پہلے ختم ہو چکی ہیں۔

دیہی صنعتیں ہماری زراعت چونکہ عام طور پر صرف اناج اگانے تک محدود ہے اس لئے ہمارے کاشتکار مغربی ملکوں کی طرح اپنی محنت کو پورے سال پر مساوی طریقے سے نہیں پھیلا سکتے۔ مغرب کی زراعت میں علاوہ اناج اگانے کے

Marfat.com

سبزیاں اور چارے اُگانا، جانور پال کر دودھ، مکھن، پنیر، گوشت اور اُون مہیا کرنا شامل ہیں، اس قسم کی مخلوط کاشت ہمارے ہاں مفقود ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بونے اور کاٹنے کے زمانے میں تو اسے شدید محنت کرنا پڑتی ہے اور باقی سال عموماً اس کے پاس کوئی زیادہ کام کرنے کے لئے نہیں ہوتا، حالانکہ اس کی مالی کمزوری مزید محنت کا تقاضا کرتی ہے، ہماری موجودہ زرعی تنظیم اسے کوئی اور مناسب کام مہیا کرنے سے اب تک معذور رہی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ سال کا کافی بڑا حصہ ہمارا اوسط کاشتکار بالکل بے کار رہتا ہے، اس مجبوری تعطل کے زمانے کے مختلف اندازے لگائے گئے ہیں۔ بقول کالورٹ پنجاب کے متوسط درجے کے کسان کا کام تقریباً ایک سو پچاس دن کی پوری محنت سے زیادہ کا نہیں ہوتا، شاہی زرعی کمیشن کا یہ بیان ہے کہ گو زرعی حالات کے مطابق مختلف مقامات میں فرصت و تعطل کے ایام کی تعداد مختلف ہے تاہم عام طور پر یہ فرض کیا جا سکتا ہے، کہ کسانوں کی بہت بڑی تعداد کو سال بھر میں کم از کم دو سے چار مہینے تک قطعی آرام و فرصت کا موقع ملتا ہے[۱]، صوبہ متحدہ کی بنک کاری کی تحقیقاتی کمیٹی نے کل صوبے کے لئے بحیثیت مجموعی یہ اندازہ لگایا تھا کہ کسان دو سو دن سے زیادہ کام نہیں کرتا[۲]۔

مجموعی طور پر یہ اندازہ صحیح معلوم ہوتا ہے، کہ ہمارا عام کاشتکار سال میں کم از کم ایک سو دن بالکل بے کار رہتا ہے، ان دنوں میں چونکہ کسی ذیلی صنعت کا انتظام کسی بڑے پیمانے پر ہماری موجودہ زرعی تنظیم میں موجود نہیں ہے، اس لئے ہمارا کسان یہ زمانہ تفریح و آرام کرنے، شادی رچانے اور مقدمہ بازی میں گذار دیتا ہے، کبھی کبھی وہ ان دنوں میں کسی کارخانے، حکومت کے کارہائے عامہ، یا معمولی مزدوری کا کام بھی کر لیتا ہے، لیکن کاشتکار کے نقطہ نظر سے ان میں کوئی پیشہ بھی اطمینان بخش نہیں ہوتا۔

کاشتکاروں کو مناسب دیہی صنعتیں مہیا کرنے کی ضرورت واضح ہے، تاکہ وہ فرصت

---

[۱] زرعی کمیشن کی رپورٹ، فقرہ ۴۸۸

[۲] دیکھو رپورٹ فقرہ ۳۶۱

Marfat.com

وُہ اپنی بے کاری کے دنوں میں کوئی منفعت بخش کام کر سکیں، بلکہ اپنی آمدنی اور اپنے ملک کی دولت میں اضافہ کر سکیں۔

چھوٹی دستکاریوں کے متعلق مجموعی طور پر بھی ہمارا قومی مطمح نظر واضح نہیں ہے ابھی تک ہم نے بڑی مصنوعات اور گھریلو مصنوعات کی حد د معین نہیں کیں، اگرچہ دونوں کی اہمیت ہم پر واضح ہے، بڑی مصنوعات کے بغیر قومی ترقی کئی پہلوؤں سے مسدود رہتی ہے اور گھریلو مصنوعات جو اس وقت زراعت کے بعد سب سے بڑا روزگار کا وسیلہ ہیں انھیں بھی ہم نظر انداز نہیں کر سکتے، لیکن بڑی مصنوعات کی ترقی کے ساتھ ساتھ گھریلو مصنوعات کی بربادی کا سامان بھی ہو رہا ہے، اگر ہمیں دونوں کی ضرورت ہے تو ان کے درمیان حد فاصل واضح اور معین ہونی چاہیئے، اس وقت ایسی کوئی حد معین نہیں کی گئی اور نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کپڑے کے کارخانے بھی قائم کر رہی ہے اور باخندوں کی امداد اور تعاون کے وعدے بھی کرتی ہے، ظاہر ہے کہ اس حکمتِ عملی میں ایک بنیادی تضاد ہے جب کپڑے کے کارخانے ہماری کپڑے کی ساری ضروریات پوری کر سکیں گے کھڈیوں کا بنا ہوا کپڑا اس وقت کوئی نہیں خریدے گا مشین کا کپڑا کھڈی کے کپڑے کی نسبت زیادہ خوبصورت اور سستا ہوتا ہے، کوئی وجہ نہیں کہ لوگ کھڈی کا کپڑا خریدیں اور مشین کا بنا ہوا نہ لیں، اور کھڈی کی صنعت غالباً ہماری سب سے بڑی گھریلو دستکاری ہے یہی حال دوسری دستکاریوں کا ہے جنھیں ہم کارخانوں کے قائم ہونے کے بعد مدد نہیں دے سکیں گے اور اس کے باوجود ہم ان کی حوصلہ افزائی کرتے جاتے ہیں۔

ایک مختصر عرصے کے لئے شاید یہ حکمتِ عملی بھی ضروری ہو، جب مشینیں اور کھڈیاں مل کر بھی ہماری ضرورت پوری نہیں کرتیں لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ایک لمبے دور کی حکمتِ عملی کی تشکیل کی جائے، ہم کارخانوں کی ترقی محض اس وجہ سے نہیں روک سکتے کہ اس سے گھریلو دستکاریاں برباد ہوں گی، البتہ گھریلو دستکاریوں کو ہمیشہ ایسی رہنمائی دینی چاہیئے جس سے وُہ ایسے شعبوں میں ترقی کریں جن میں مشینوں کی سابقت کا خطرہ نہ ہو، اصولی طور پر تمام ایسی دستکاریاں جن میں حسن کاری کا عنصر غالب ہو مشینوں

Marfat.com

سکے باوجود زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، مثلاً کشمیر کی تمام دستکاریاں کشیدہ کاری، پیپر میشی، قالین، شال دوشالے، لکڑی، سونے، چاندی اور پتھروں کی حسن کاری ایک مستقبل کی مالک ہیں۔ نہ صرف مشینیں اس تنوع کا حسن تخلیق کرنے سے معذور ہیں بلکہ کارخانوں کے قیام کے ساتھ معیار معیشت میں جو ترقی ہوتی ہے وہ ان دستکاریوں کے لئے نئے خریدار مہیا کرتی ہیں، اس قسم کی صنعتیں پاکستان میں بھی موجود ہیں لیکن انکی ترقی کی کوئی نمایاں کوشش فی الحال نہیں کی جا رہی، زردوزی کا سامان، گوٹا کناری، چکوال کے جوتے، ملتان کی ظروف سازی اس قسم کی اہم صنعتیں ہیں۔

گھریلو صنعتوں کی ایک اور قسم ایسی ہے، جہاں دستی کام صنعت کا ایک اہم حصہ ہے، یا جہاں دستی کام ایک خاص حسن یا مضبوطی کا باعث ہوتا ہے، اس اصول کی مثالیں سیالکوٹ کی کھیلوں کی صنعت، چمڑے کا سامان، بانس اور بید کا سامان، جلال پور جٹاں کی اونی چادریں اور دھسّے، چنیوٹ کا لکڑی کا سامان ہیں، ان صنعتوں کو اگر منظم کیا جائے تو ان میں زندہ رہنے کی صلاحیتیں ہیں۔

ذرا سی بنیادی تربیت اور تنظیم کے بعد ہینڈلوم کا سامان، ڈاکٹری کے اوزار، چھری کانٹے وغیرہ، ہماری کامیاب دستکاریاں بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

یہی حال مراد آباد کی ظروف سازی اور علی گڑھ کے تالے بنانے والی صنعتوں کا ہے، صناع تقسیم کے بعد پاکستان آ چکے ہیں لیکن نہ یہاں سرمایہ مہیا کیا گیا ہے اور نہ تنظیم ورنہ منظم شکل میں اس قسم کی صنعتیں ہماری معاشی ترقی میں بہت مدد کر سکتی ہیں۔

گھریلو صنعتوں کی یہ بحث جملہ معترضہ کے طور پر پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارا موجودہ مسئلہ تو یہی صنعتوں کا ہے، جو کاشتکاروں کو پورے سال کام کرنے اور اپنی آمدنی کے ذرائع بڑھانے کا موقع دیں، تاہم گھریلو صنعتوں کی بحث ان معنوں میں غیر متعلق نہیں تھی کہ اس نے ایک بنیادی اصول قائم کرنے کا موقع دیا، کہ کسی ایسی صنعت کی ترویج اور ترقی ملک کے اعلیٰ ترین مفاد میں شامل نہیں ہو سکتی ہے جسے مشینوں کی مسابقت کا خطرہ ہو، یہی دستکاریاں اس اصول سے مستثنےٰ نہیں ہو سکتیں، لہذا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چرخہ کاتنے اور کھڈیاں

Marfat.com

چلانے میں ہماری معاشی ترقی کا راز مضمر ہے، وہ انتہائی غلط رہنمائی کرتے ہیں۔ خوش قسمتی سے ملک کی تقسیم کے بعد ایسے رہنماؤں کی تعداد بہت کم ہو چکی ہے تاہم جو اصول ہم نے اوپر قائم کیا ہے اسے ہمیشہ ذہن میں نہیں رکھا جاتا۔

دیہی دستکاریوں کی بنیاد خود زراعت کے عمل پر ہونی چاہیئے اگر ہم مخلوط کاشت شروع کریں تو یہ سوال بڑی حد تک حل ہو جاتا ہے بجائے محض اناج اگانے کے اگر ہم سبزیاں اور پھل اور چارہ وغیرہ بھی اگائیں اور جانور بڑی تعداد میں پالیں تو ہمارے کاشتکاروں کو موجودہ صورت کی طرح محض دو دفعہ بونا اور کاٹنا نہیں پڑیگا بلکہ ان کی محنت سال بھر پر قریباً مساوی تقسیم ہو سکتی ہے، شہد، انڈا، مرغی، دودھ، مکھن، پنیر، گوشت، سبزیاں، پھل، مربے، چٹنیاں وغیرہ ہمارے گاؤں بہت بڑی تعداد میں شہروں اور منڈیوں میں فروخت کر سکیں گے، اور اس کام میں کسی مشینی مسابقت کا خطرہ کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

لیکن جس بڑے پیمانے پر اس کام کو کرنے کی ضرورت ہے اس کے لئے موجودہ زرعی ماحول سازگار نہیں ہمارے گاؤں میں دودھ اور شہد کی نہریں چل سکتی ہیں بشرطیکہ ہمارے کھیت اتنے چھوٹے اور اتنے بکھرے ہوئے نہ ہوں، بشرطیکہ بٹائی اور ٹھیکہ کا بار کسانوں پر نہ ہو، بشرطیکہ مشترکہ محنت اور تنظیم سے اس کام کا بیڑا اٹھایا جائے اور بشرطیکہ اس کے لئے رہنمائی اور سرمایہ میسر ہو۔

یہ ساری شرطیں پوری ہونے کے لئے اولین ضرورت زرعی نظام میں بنیادی تبدیلی کی ہے۔ ٭

Marfat.com

باب دوئم

نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ،

[زراعت اور صنعت، زراعت اور تعلیم، زراعت اور صحت، زرعی ماحول اور اخلاقی معیار، معاشی ماحول اور عسکری قوت]

زراعت اور صنعت زرعی نظام اور زرعی ماحول میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت اب تک واضح ہو چکی ہو گی۔ لیکن ایک غلط فہمی دور کرنے کی اب بھی ضرورت باقی ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کارخانوں اور صنعتوں کے قائم کرنے سے ملک کی بے روزگاری دور ہو سکتی ہے، عوام کی معاشی حالت اور معیار حیات کی اصلاح کی جا سکتی ہے، اور زرعی پس ماندگی جو ان کے خیال میں زراعت میں فی ایکڑ ضرورت سے زیادہ آدمی موجود ہونے کی وجہ سے ہے، دور ہو سکتی ہے، کیونکہ زرعی آبادی کے بہت سے حصے کو نئی صنعتوں اور کارخانوں میں کھپایا جا سکتا ہے۔

بظاہر یہ رائے بڑی معقول معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں ایک بنیادی خامی موجود ہے وہ یہ ہے کہ یہ تغیر پذیر حالات پر نظر نہیں رکھتی، وہ یہ نہیں دیکھتی کہ جب تک صنعتیں اور کارخانے قائم ہونگے جب تک آبادی میں کتنا اضافہ ہو چکا ہو گا!

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ آٹھ کروڑ لوگوں کے اس ملک کی آبادی آٹھ سے دس لاکھ سالانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہے۔ اگر یہ تصور کیا جائے کہ ہر ملازم اپنے کنبے کی پرورش کرتا ہے، اور کنبہ کی اوسط تعداد پانچ سمجھی جائے تو اس طرح ہمیں ہر سال پونے دو لاکھ نئے آدمیوں کو روزگار مہیا کرنا ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہماری مجوزہ صنعتیں ہر سال پونے دو لاکھ نئے لوگوں کو روزگار مہیا کر سکتی ہیں؟ فی الحال تو اس کا جواب نہیں ہے۔ فی الحال ہم

Marfat.com

اس لئے کہا ہے، کہ جس رفتار سے ہمارے ملک میں صنعتیں قائم ہو رہی ہیں، ان میں ہر سال اتنے نئے آدمیوں کو کھپانے کی صلاحیت نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے لئے یہ قطعی ضروری ہے، کہ ہماری صنعتی رفتار اس حد تک تیز کی جائے، کہ بڑھتی ہوئی آبادی زرعی زمین پر مزید بار نہ بنے، اور ایسا کرنا ناممکن نہیں ہے، ہاں البتہ یہ توقع عبث ہے، کہ ہماری صنعتیں علاوہ بڑھتی ہوئی آبادی کے موجودہ آبادی کے کسی ایسے حصّے کو روزگار مہیا کر سکیں جس سے ہمارے زرعی مسائل کو حل کرنے میں مدد ملے،

اس قسم کے غلط نظریئے کسی ملک کی صحیح نشو و نما کے رستے میں بڑی خطرناک رکاوٹ بن سکتے ہیں، نہ صرف اس وجہ سے کہ وُہ لوگوں کی توقعات ایک ایسے مستقبل سے وابستہ کر دیتے ہیں جس کا وجود میں آنا ہی سرے سے ناممکن ہو، بلکہ اس لئے بھی کہ جب تک یہ طلسم ٹوٹتا نہیں لوگ دُوسرے کسی رستے کے متعلق غور کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں، اور جب طلسم ٹوٹتا ہے، تو وُہ اپنے ساتھ اتنی مایوسی لے آتا ہے، کہ پھر انھیں یقین نہیں آتا، کہ کوئی اور رستہ انھیں ان کی مشکلوں سے نجات دلا سکتا ہے۔

آج سے کچھ سال پہلے تک یہ نظریہ بے حد مقبول تھا، چنانچہ تقسیم ملک سے ذرا پہلے جب ہندوستان کے چند چوٹی کے صنعت کاروں، بنکروں اور معاشیات کے ماہروں نے ملک کی ترقی کے لئے ایک پندرہ سالہ منصوبہ دس ہزار کروڑ کے صرفے کا تیار کیا، تو اسے نہ صرف تقسیم سے قبل کے ہندوستان میں سراہا گیا، بلکہ غیر ممالک میں بھی اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا، حالانکہ اس میں یہ بنیادی خامی موجود تھی، کہ وُہ صنعتوں کے قیام اور ترقی کو ہندوستان کی معاشی پستی کا علاج سمجھتا تھا، نہ صرف یہ کہ زرعی نظام میں کسی قسم کی ترمیم کا اس میں ذکر تک نہ تھا، بلکہ زرعی اصلاح کے لئے جو رقم اس منصوبہ کے مطابق خرچ کی جانی تھی، وُہ صنعتوں کی نسبت بہت قلیل تھی، یہی وجہ تھی، کہ اتنے بڑے صرفے کے باوجود اس منصوبے کے مطابق ہندوستان کی فی کس آمدنی پندرہ سال میں صرف دُگنی ہو سکتی تھی، حالانکہ جیسا میں نے اس وقت لکھا، زرعی نظام کی تبدیلی کے ساتھ اس سے دسویں حصے کا صرفہ اس سے کئی گنا بہتر نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔

Marfat.com

یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں اس قسم کا خیال کھ ظاہر کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں ہماری حکومتیں خاص طور سے مبارکباد کی مستحق ہیں کہ انھوں نے زراعت کی بنیادی اہمیت کو اکثر پیش نظر رکھا ہے اور اپنے منصوبوں میں زرعی ترقی کے لئے نسبتاً بڑی بڑی رقمیں رکھی ہیں۔

یہ لکھنے سے ہماری غرض یہ نہیں ہے، کہ صنعتی ترقی بے کار ہے، بلکہ یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ صنعتی ترقی کسی طرح زرعی ترقی سے کم اہمیت رکھتی ہے، سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم اپنے بلند مقاصد کو پیش نظر رکھیں تو ہمیں دونوں سمتوں میں بہت تیزی سے ترقی کرنا ہوگی صنعتی ترقی اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ہمیں اقتصادی آزادی بخشتی ہے جو ملک ہر قسم کی مصنوعات کے لئے دوسروں کا دست نگر ہو اس کی سیاسی آزادی بھی کسی وقت خطرے میں پڑ سکتی ہے، بہرحال جیسا کہ ہم نے دیکھا ہماری آبادی میں ہر سال آٹھ لاکھ کا اضافہ ہو رہا ہے، اگر ہم بہت بڑے پیمانے پر صنعتیں نہیں قائم کریں گے، تو یہ بڑھتی ہوئی آبادی ہماری مزید معاشی پستی کا باعث بنے گی اور شاید ہماری زراعت کے لئے ایک ناقابل برداشت بوجھ بن جائے۔

لیکن اگر ہم اتنے بڑے پیمانے پر صنعتیں قائم بھی کرلیں جو پونے دو لاکھ نئے لوگوں کو ہر سال روزگار مہیا کرسکیں پھر بھی زرعی اصلاح کے بغیر ہماری بیشتر آبادی اسی طرح جہالت، گندگی اور ناریکی میں اپنی عمر کاٹے گی، جیسا کہ وہ اس وقت کر رہی ہے، کیونکہ زراعت پر موجودہ بار صنعتی ترقی کی وجہ سے کم نہیں ہو سکتا ہے، معاشی فلاح اگر قومی حیثیت سے حاصل کرنا مقصود ہو تو ہر زرعی ملک کو زرعی ترقی کی کوشش کرنی پڑیگی، کیونکہ ہمارے جیسے زرعی ملک میں کم از کم دو پشتوں تک ملک کی بیشتر آبادی کا انحصار بہرحال زراعت پر رہے گا،

اس مسئلے کا ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے، کہ جب ہماری صنعتیں اس عظیم الشان رفتار پر ترقی کرنا شروع کریں، کہ وہ ہر سال پونے دو لاکھ نئے آدمیوں کو روزگار دے سکیں تو چند ہی سالوں میں ہر قسم کی ضرورت کا سامان اتنی بڑی مقدار میں کارخانے بنانا شروع کردینگے

Marfat.com

کہ اس کو کھپانا اور فروخت کرنا خود ایک مسئلہ بن جائیگا لیکن اگر ساتھ ساتھ زرعی ترقی بھی ہوتی جائے تو یہ مسئلہ حل ہوتا چلا جائے گا، زندگی کی ضروریات اور آسائشوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہماری اس اسی فی صدی آبادی کو ہے، جو گاؤں میں بستی ہے، اور جنھیں آج تک یہ مہیا نہیں ہو سکیں۔ انھیں یہ چیزیں جب ہی دستیاب ہو سکتی ہیں کہ ان کی آمدنی میں غیر معمولی اضافہ ہو، ہماری زرعی آبادی کو قوت خرید مہیا کرنا خود صنعتوں کی بڑے پیمانے پر ترقی کے لئے ضروری ہے، زرعی اور صنعتی ترقی ایک دوسرے کے متقابل نہیں بلکہ معاون قوتیں ہیں۔

گویا زرعی ترقی خود صنعتوں کی مستحکم تعمیر کے لئے ضروری ہے، اور یہ تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں، کہ موجودہ زرعی نظام کی موجودگی میں کوئی قابل ذکر زرعی ترقی ممکن نہیں، موجودہ زرعی نظام کو نہ بدلنا نہ صرف ہماری معاشی بدحالی کو دور نہیں ہونے دیگا بلکہ بڑے پیمانے کی صنعتیں اس کے بغیر مضبوط بنیاد پر قائم نہیں ہو سکتیں۔

زراعت اور تعلیم تعلیم کے اثرات ہر قسم کے تعمیری کاموں پر اتنے واضح ہیں کہ ہمیں اس مسئلے کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، جب تک تعلیم عام نہ ہو ہمارے کام کرنے والے خواہ وہ کاشتکار ہوں یا کاریگر اپنے کاموں میں نہ وہ حسن و خوبی پیدا کر سکتے ہیں، اور نہ اپنے کاموں کو وہ ترقی دے سکتے ہیں جو تعلیم کے ساتھ حاصل کی جا سکتی ہیں، مثلاً زراعت کو ہی لے لیجئے، زرعی تجربہ گاہوں میں کام کرنے والے جانتے ہیں، کہ زمین کس طرح سونا اُگل سکتی ہے، لیکن ہمارے دیہات عام طور پر اسی حالت میں ہیں جس میں ان کے آباؤ اجداد ایک ہزار سال پہلے تھے، حالانکہ مہذب دُنیا نے اس عرصے میں زرعی کام کے ہر پہلو میں اتنی ترقیاں کی ہیں کہ اگر ان کا نظری اور عملی سبق ہمارے کاشتکاروں کو حاصل ہو جائے تو وہ قطعی طور پر اپنی موجودہ حالت پر قناعت کرنے سے انکار کر دیں۔

زرعی اصلاح کا ایک تقاضا یہ ہے، کہ تعلیم عام ہو جائے، لیکن اس مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی ہے، جس کا واضح علم زیادہ عام نہیں ہے، اور وہ یہ ہے، کہ جب تک زرعی

Marfat.com

اصلاح کی سمت میں بہت سا کام نہیں ہو سکتا، تعلیم عام کرنے کے ذرائع ہمارے پاس مفقود رہتے ہیں!

تعلیم عام کرنا بہت بڑا خرچ چاہتا ہے، اور ہماری صوبائی حکومتیں جن کے ذمے تعلیم دینے کا کام ہے ہماری زرعی پسماندگی کی وجہ سے ابھی ان آمدنیوں کی مالک نہیں ہو سکیں جو تعلیم عام کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

ہم ایک بھنور میں پھنسے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، زرعی اصلاح کے لئے تعلیم و تربیت ضروری ہے، اور تعلیم و تربیت کو قومی وسعت سے پھیلانا زرعی اصلاح کے بغیر موجودہ حالات میں ناممکن نظر آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ شروع کہاں سے کریں، اسے جاننے کے لئے ہمیں تھوڑا سا اعداد و شمار میں جانا پڑے گا۔

تعلیم چونکہ ایک صوبائی ذمہ داری ہے، لہٰذا ہم اپنے اعداد و شمار کے لئے ایک صوبہ کو چن لیتے ہیں، اور جو حالات ہمیں کسی ایک صوبے میں نظر آئیں وہ کم بیش سارے ملک پر منطبق کئے جا سکتے ہیں، پنجاب کی تحقیق[1] اس سلسلے میں مفید رہے گی، کیونکہ وہ کئی پہلوؤں سے پاکستان کا مرکزی صوبہ ہے، اسی طرح تعلیم کی بھی ہم صرف ایک ہی شاخ تک اپنی بحث محدود رکھیں گے، اور وہ ابتدائی تعلیم ہے، جس کی ضرورت کی قطعیت مسلمہ ہے۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس وقت پنجاب میں تقریباً بائیس لاکھ اٹھاون ہزار بچے ایسے ہیں جنھیں عمر کے اعتبار سے اسکول میں زیر تعلیم ہونا چاہیئے، لیکن ہماری مالی درماندگی کی وجہ سے صرف سات لاکھ تو سکولوں یا مکتبوں میں ہیں، باقی پندرہ لاکھ اٹھاون ہزار میں سے کچھ شہروں میں گلی ڈنڈے اور آوارگی کے لیئے وقف ہیں اور باقی گاؤں میں بیل بکری کے رکھوالے بنے ہوئے ہیں، یعنی موجودہ صورت میں ہر تین بچوں میں سے دو بچے

---

[1] مضمون کے اس حصے کے اعداد و شمار میں نے میاں عبدالعزیز فلک پیما کے ایک مقالے سے لئے ہیں جو انھوں نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے ۱۹۵۰ء کے اجلاس میں پڑھا، وہ اپنی وفات تک حکومت پنجاب کے کمشنر ترقیات تھے، لہٰذا اعداد و شمار حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس بہترین وسائل تھے۔

Marfat.com

ساری عمر ناخواندہ رہیں گے۔

ہمیں ان ناخواندہ ساڑھے پندرہ لاکھ بچوں کو ابتدائی تعلیم دینے کے لئے سرکاری اندازے کے مطابق بائیس ہزار نئے سکولوں کی ضرورت ہے، جن میں سے دس ہزار لڑکوں کے لئے درکار ہیں اور بارہ ہزار لڑکیوں کے لئے۔

پاکستان بننے کے بعد ہماری اوسط رفتار نئے پرائمری سکول کھولنے کی قریباً دو سو سکول سالانہ رہی ہے، اس حساب سے ایک سو دس سال میں ہم اکیس بائیس ہزار سکول کھول سکیں گے، لیکن ایک سو دس سال میں ہماری آبادی دُگنی ہو چکی ہو گی اور لہٰذا اس وقت ہمارے سکولوں کی کمی بائیس ہزار سکولوں سے کافی زیادہ ہو گی!

اگر ہم اس نئی رفتار کو بھی اپنا لیں، جو ۱۹۵۱-۵۲ء کے بجٹ میں منظور ہوئی ہے اور گمان کریں، کہ آئندہ چھ سو سکول سالانہ کھلیں گے، جب بھی موجودہ کمی چالیس سال میں پوری ہو گی، لیکن چالیس سال میں چالیس فی صدی اضافہ آبادی میں ہو چکا ہو گا، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس مسلسل محنت کے باوجود اور چالیس سال کے انتظار کے باوجود بارہ ہزار سکول پھر بھی کم رہیں گے:

موجودہ ماحول میں وقت ہماری ہر رفتار کو شکست دیتے پر تلا ہوا معلوم ہوتا ہے، ضرورت اپنی رفتار کو اتنا تیز کرنے کی ہے، کہ وقت ہماری گرفت میں آ سکے آئیے تو اندازہ لگائیں، ان سکولوں پر خرچ کتنا ہوتا ہے، اور پھر معلوم کریں کہ موجودہ حالات میں ہم یہ خرچ اٹھا بھی سکتے ہیں یا نہیں۔

ایک سکول کھولنے کے لئے علاوہ عمارت اور فرنیچر کے ہمیں ابتدا میں کم از کم دو اُستاد چاہئیں، پھر ہر سال ایک اُستاد بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے، حتیٰ کہ چار سال میں چھ اُستاد ہو جائیں، عمارت پر کم و بیش تین ہزار روپیہ لگے گا، فرنیچر پر شروع میں پانچ سو روپیہ چاہیئے اور اس کے بعد ہر سال دو سو روپیہ اس میں پانچ پانچ روپے ماہوار خاکروب اور بہشتی کے بھی شامل ہیں، کوئی کام کا استاد سو روپیہ ماہوار سے کم پر نہیں مل سکتا، لہٰذا پہلے سال اس مد میں چوبیس سو روپیہ چاہیئے، اور پھر ہر سال اس

Marfat.com

میں بارہ سو کا اضافہ کرنے کی ضرورت ہے، حتیٰ کہ پانچ سال کے بعد بہتر سو روپیہ سالانہ مستقلاً اس مد پر صرف ہو گا۔

اگر ان رقموں کو بائیس ہزار سے ضرب دیں تو پتہ چلتا ہے، کہ عمارتوں کے لئے ہمیں ساڑھے چھ کروڑ روپے کی ضرورت ہے، فرنیچر کے لئے ایک کروڑ روپیہ پہلے سال اور پھر ہر سال چالیس لاکھ روپیہ، استادوں کی تنخواہوں پر شروع میں تقریباً ساڑھے پانچ کروڑ روپے کی ضرورت ہے، ہر سال اس میں تقریباً پونے تین کروڑ کا اضافہ ہو گا حتیٰ کہ پانچ سال کے بعد سوا سترہ کروڑ سالانہ خرچ ہو گا، خرچ کا گوشوارہ کچھ یوں بنتا ہے:۔

مد	پہلا سال	دوسرا سال	تیسرا سال	چوتھا سال	پانچواں سال
عمارت	ساڑھے چھ کروڑ	×	×	×	×
فرنیچر و دیگر ضروریات	ایک کروڑ روپیہ	چالیس لاکھ	چالیس لاکھ	چالیس لاکھ	چالیس لاکھ
اساتذہ	ساڑھے پانچ کروڑ	سوا آٹھ کروڑ	گیارہ کروڑ	چودہ کروڑ	سوا سترہ کروڑ
کل خرچ	تیرہ کروڑ	آٹھ کروڑ پینسٹھ لاکھ	گیارہ کروڑ چالیس لاکھ	چودہ کروڑ چالیس لاکھ	سترہ کروڑ پینسٹھ لاکھ

اگر آج پنجاب میں پرائمری تک ہی تعلیم عام کر دی جائے، تو پانچ سال کے بعد اس پر سالانہ تقریباً ساڑھے سترہ کروڑ روپیہ خرچ ہو گا۔ اس اندازے میں ہم نے آبادی کے اضافہ کا لحاظ نہیں رکھا۔ جو تقریباً ایک فی صدی سالانہ کے اعتبار سے بڑھ رہی ہے، اگر اس چیز کو بھی ملحوظ رکھیں، تو پانچویں سال ہمارا خرچ ساڑھے اٹھارہ کروڑ کے قریب ہو گا۔ پنجاب کی حکومت کی موجودہ سالانہ آمدنی کل ساڑھے اکیس کروڑ روپے ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم ساڑھے اکیس کروڑ میں سے صرف پرائمری تعلیم پر ساڑھے اٹھارہ کروڑ خرچ کر سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ علاوہ پرائمری تعلیم کے حکومت کو ثانوی اور اعلیٰ تعلیم، یونیورسٹی اور حرفتی تعلیم پر بھی خرچ کرنا ہے اور اس طرح حکومت کی کل آمدنی صرف تعلیم کے اخراجات کیلئے

Marfat.com

ہی شاید مکتفی ہو، ہسپتالوں، سڑکوں، پولیس، جیلوں، عدالتوں اور خود حکومت کے مناصب اور عملوں کے اخراجات کے لئے ایک پائی بھی نہیں بچتی، آخر یہ اخراجات بھی تعلیم سے کچھ کم اہم نہیں، یہ صورتِ حال بڑی رنجدہ بھی لیکن رنجدہ صورت حال کا اقرار کرلینا اور اس کا علاج ڈھونڈنا۔ اس کے وجود سے انکار کرتے رہنے سے بہرحال بہتر ہے، لہٰذا آیئے ہم اقرار کریں کہ موجودہ صورتِ حال میں پرائمری تعلیم کا قومی اعتبار سے منظم کرنا ہماری کسی صوبائی حکومت کے بس کا روگ نہیں ہے

اب دو صورتیں ہیں، یا تو ہم موجودہ حالات پر قناعت کرلیں اور اپنی بیشتر آبادی کو پہلے کی طرح جاہل رہنے دیں، اس میں مشکل یہ ہے کہ دنیا کا تجربہ بتاتا ہے کہ جہالت بہرحال علم سے مہنگی پڑتی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ان ساڑھے اٹھارہ کروڑ روپوں کے مہیا کرنے کی کوئی سبیل سوچیں، پاکستان کے بلند مقاصد کے پیشِ نظر ہم صرف دوسری صورت قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔

صوبائی آمدنیوں میں اضافہ چند کروڑوں تک تو موجودہ حالت میں بھی کیا جا سکتا، لیکن آمدنی کو قریباً دگنا کرنا بادی النظر میں ممکن نظر نہیں آتا اور دگنا کرنے کے بغیر جہالت کا دیو ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ صوبائی آمدنی کو دگنا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہماری زراعت کم از کم چار یا پانچ گنا اضافہ قومی دولت کی پیداوار میں کرے۔ صنعتوں کی آمدنیاں بیشتر مرکزی حکومت کے پاس جاتی ہیں، تجارت پر سیلز ٹیکس کا بھی صرف ایک حصہ ہی صوبے کو ملتا ہے اور اگرچہ یہ مالیاتی تقسیم مستقبل قریب میں غالباً بدل دی جائے گی، اس وقت سرجرمی ریمین کی صدارت میں ایک کمیشن اس مسئلے کا جائزہ لے رہا ہے، لیکن اس تبدیلی کے بعد بھی فرق دو تین کروڑ کا تو پڑ سکتا ہے، اٹھارہ بیس کروڑ کا نہیں پڑ سکتا۔ صوبے کی مالیات کی اساس بہرحال زراعت رہتی ہے اور اگر اس کے راستے سے اس کی نشوونما مسدود کرنے والے نظام کو دور کر دیا جائے تو زرعی پیداوار میں چار یا پانچ گنا اضافہ قطعی طور پر ممکن ہے اور اگر یہ ہو جائے تو خواہ صوبے کی آمدنی دگنی نہ بھی ہو جب بھی پرائمری تعلیم کا انتظام کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ اگر ہمارے ہر گاؤں کے کاشتکار مشترک سرمائے اور مشترک

عمل سے اپنی آمدنی چار یا پانچ گنا بڑھا لیں تو پھر ہمارے ہر گاؤں کی پنچایت یا انتظامی کمیٹی میں اتنی مالی سکت ہو گی کہ وُہ نہ صرف ایک پرائمری سکول کھول سکے بلکہ ایک ڈسپنسری بھی رکھ سکے اگر صرف زرعی پیداوار کا عشر اس پنچایت کی آمدنی قرار دے دیا جائے تو وُہ نہ صرف یہی دو چیزیں بلکہ دُوسرے گاؤں کے الحاق سے ساتھ اور بہت سی ضروری چیزیں (مثلاً سڑکیں، جانوروں کے ہسپتال وغیرہ) بھی بنا سکتی ہیں۔

یہاں ایک دو اعتراضوں کی گنجائش ہے، لہذا ہم پہلے ان کا جائزہ لیں گے، معترض کہہ سکتا ہے کہ موجودہ حالت میں ہی کیوں عشر نہ لیا جائے، اور اسے کیوں زرعی نظام کے بدلنے تک ملتوی رکھا جائے؟ بات یہ ہے کہ ٹیکس لگانے کا ایک بنیادی اُصول یہ ہوتا ہے کہ وُہ ٹیکس نہ لگایا جائے، جو برداشت سے باہر ہو۔ ہماری موجودہ زرعی پیداوار اتنی قلیل ہے کہ وُہ متعلقہ آدمیوں کے جسم و جان کو بمشکل اکٹھا رکھ سکتی ہے، عشر زکوٰۃ کی طرح ایک اسلامی فریضہ ہے، لیکن جب تک سارا ماحول اسلامی رنگ میں نہ رنگا جائے اس وقت تک صرف افلاس زدہ کاشتکاروں سے مزید ٹیکس وصول کرنا انصاف نہیں ہے اور بہر حال وُہ نتیجہ اس سے مرتب نہیں ہو سکے گا، جو ہمارے پیش نظر ہے، کیونکہ قلیل زرعی پیداوار کا عشر سکولوں کے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

دُوسرا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ زرعی نظام کی اصلاح کے بعد اگر ہم عشر وصول کریں تو پھر موجودہ مالیہ ہم وصول کر سکیں گے یا نہیں؟ اس کا جواب دو تین چیزیں ٹٹولنے کے بعد دیا جا سکتا ہے، پہلی یہ کہ کیا ہمیں اس کی ضرورت ہو گی؟ ظاہر ہے کہ حکومت کی بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں کے پیش نظر ہم اس کی آمدنی کے ذرائع گھٹا نہیں سکتے، دُوسرا یہ کہ کیا یہ بار ناقابل برداشت تو نہیں ہو جائیگا؟ ہمارے موجودہ مالیے کی تشخیص آج سے تقریباً پچاس سال پہلے ہوئی تھی اور اسے زمیندار کی سالانہ آمدنی کے ایک چوتھائی پر متعین کیا گیا تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کا آٹھواں حصہ مالیہ قرار دیا گیا تھا چونکہ گذشتہ پچاس برس میں زرعی پیداوار کی قیمت کم از کم چار گنا بڑھ چکی ہے لہذا موجودہ مالیہ زمین کی پیداوار کا صرف بتیسواں حصہ ہے، یہی وجہ ہے، کہ زمین الاٹ کرتے وقت جب

Marfat.com

حکومت مہاجرین سے مالیہ کا تین گنا اور غیر مہاجرین سے چھ گنا وصول کرتی ہے، تو وہ بخوشی ادا کر دیتے ہیں، اس پر اگر زرعی نظام بھی بدل جائے، کاشتکار کی محنت کا پھل سارے کا سارا اسے ملے اور پھر متحدہ عمل اور تنظیم سے فصلیں چار چار گنا بہتر ہوں تو کون کہہ سکتا ہے، کہ مالیہ کے علاوہ عشر دینا انھیں برا لگے گا۔ خصوصاً جب وہ عشر انھیں کے مشترکہ مصارف پر خرچ کیا جائے! تیسرا پہلو اس مسئلہ کا یہ ہے، کہ کیا اسلام عشر کے علاوہ مالیہ وصول کرنے کی اجازت دے گا؟ تو عرض ہے کہ اسلام عشر کی ادائیگی کی تاکید تو کرتا ہے، لیکن عشر کے علاوہ کسی اور زرعی ٹیکس کی ادائیگی کی کہیں ممانعت نہیں کرتا، لہٰذا اگر اسلامی حکومت کو اس کی ضرورت ہو تو وہ عشر کے علاوہ مالیہ یقیناً وصول کر سکتی ہے۔

اس رسول کی امت جسے یہ حکم دیا گیا تھا، کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ (علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے) آج اس حالت میں ہے، کہ محض ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لوازمات اسے میسر نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس رستے میں اگر موجودہ زرعی نظام سب سے بڑی رکاوٹ ہے تو اسے دور کرنا اس زمانے میں اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہوگی، ورنہ غرناطہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیاں قائم کرنے والوں کے جانشین دنیا میں سب سے بڑی جاہل قوم کے سوا اور کوئی اعزاز حاصل کرنے کے مستحق نہ ٹھہریں گے۔

زراعت اور صحت

جو حال ہمارا علم کے معاملے میں ہے، وہی صحت کے معاملے میں بھی ہے۔ بھور کمیٹی جس نے متحدہ ہندوستان میں قومی صحت کا جائزہ لیا تھا، اور کچھ سفارشات کی تھیں بنگال کے متعلق لکھتی ہے کہ وہاں اوسطاً ایک ہزار آدمی روزانہ ملیریا کی وجہ سے اپنی جان دے دیتے ہیں۔ بنگال کا بیشتر حصہ اب ہمارے پاس ہے اور کل پاکستان میں کم از کم روزانہ ڈیڑھ ہزار آدمی محض اس بخار کی وجہ سے مر جاتے ہوں گے۔ حالانکہ اس کے انسداد اور علاج کے طریقے اتنے واضح اور سادے ہیں کہ کوئی وجہ نہیں کہ کم از کم اس بیماری کا مکمل تدارک نہ کیا جا سکے۔

Marfat.com

یہ اس مرض کا صرف ایک پہلو ہے، اس سے بھی زیادہ خوفناک پہلو یہ ہے کہ سارے ملک کی قریباً نصف آبادی ہر سال اس مرض کا شکار ہوتی ہے، کئی لاکھ تو مر جاتے ہیں لیکن کروڑوں جو بچتے ہیں، اس قدر نحیف ہو جاتے ہیں کہ بہت دیر تک ان میں کوئی زیادہ محنت والے کام کرنے کی سکت نہیں رہتی، اس سے مجموعی طور پر قومی دولت اور صحت پر جو بُرا اثر پڑتا ہے، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

تپ دق کے مریض اس ملک میں قریباً پانچ لاکھ ہیں، جو ہر روز سینکڑوں نئے لوگوں کو اس مرض میں مبتلا کر رہے ہیں، ہر سال قریباً ایک لاکھ آدمی اس بیماری سے مر جاتے ہیں، جس بڑے پیمانے پر اس بیماری کی روک تھام کرنے کی ضرورت ہے اس کا تقاضا ہے، کہ ہمارے پاس صرف اس بیماری کی ہزاروں علاج گاہیں ہوں، اور سینکڑوں ہسپتال صرف اس کے علاج کے لئے مخصوص ہوں، جن میں مجموعی بستروں کی تعداد ایک لاکھ سے دو لاکھ تک ہو، موجودہ صورت یہ ہے، کہ ہمارے پاس سارے ملک میں دو ہزار سے بھی کچھ کم بستر اس قسم کے مریضوں کے لئے موجود ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ اس بیماری سے جتنے لوگوں کو آرام آتا ہے، اس سے کئی گنا زیادہ اس کا شکار ہوتے جاتے ہیں، اور مریضوں کی تعداد ہر سال پہلے سال کی نسبت زیادہ ہوتی ہے، کیا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا یہ تقاضا نہیں، کہ پاکستان ان لاکھوں مریضوں کے علاج کا کوئی انتظام کرے؟ کیا ہمارے پاس وہ کروڑوں روپے موجود ہیں کہ جن سے ہم یہ کر سکیں؟ ظاہر ہے، کہ ہماری موجودہ مالی حالت ایسی نہیں، کہ ہم اپنے موجودہ ہسپتالوں کی تعداد میں دو گنا اضافہ کر سکیں، اور اس مالی حالت کو بہتر بنانے کے لئے ہماری چھوٹی چھوٹی اصلاح کی تدبیریں قطعاً ناکافی ہیں، یہ وہ منزل ہے کہ ہمیں انقلاب انگیز قدم اٹھانے پڑینگے، اور سب سے بڑا انقلاب ہماری زراعت کے ماحول میں پیدا کرنا ہوگا، تاکہ قومی دولت میں اتنا اضافہ کیا جا سکے کہ وہ ہماری اشد ترین ضروریات کیلئے مکتفی ہو سکے۔

یہاں تک ہماری بحث قومی صحت کے ایک محدود زاویہ نظر سے تھی، قومی صحت صرف چند بیماریوں کے علاج کا نام نہیں ہے، اگرچہ بیماریوں کے علاج کے بغیر صحت

Marfat.com

حاصل نہیں ہوتی لیکن ہمارا صحت کا نصب العین تو یہ ہونا چاہیئے کہ قومی زندگی کا معیار اتنا بلند ہو کہ جو بیماریاں موجودہ طبی علم کے مطابق روکی جا سکتی ہیں' ان سے عام طور پر ہماری آبادی محفوظ رہ سکے' علاج گاہیں تو ملک میں پھر بھی کچھ موجود ہیں لیکن انسدادی تدابیر ان سے کم میسر ہیں' انسدادی تدابیر محض چند بیماریوں کو روکنے کے ٹیکوں کا نام نہیں ہے' (اگرچہ یہ بھی آبادی کی ایک محدود اقلیت کو ہی میسر ہیں) بلکہ قومی غذا اور قومی رہائش کے معیار کو صحت کے تقاضوں کے مطابق بنانا اس کے لیے ضروری ہے۔

جہاں تک اناج کا تعلق ہے' وہ اللہ کا احسان ہے کہ مجموعی طور پر ہمارے ملک کے لیے کافی ہے' اگرچہ اس کی پیداوار بھی بڑھانے کی ضرورت ہے تاہم عام طور پر پاکستان کے باشندے اپنی ضرورت کا اناج حاصل کر سکتے ہیں' لیکن صحت کے نقطۂ نظر سے مکمل غذا محض چاول یا روٹی کھانے کا نام نہیں ہے' صحت برقرار رکھنے کے لیے دودھ' مکھن' گھی' سبزیاں' پھل' انڈے اور گوشت کی مناسب مقدار بھی ضروری ہے جہاں تک ان چیزوں کا تعلق ہے' ہماری آبادی کا ایک انتہائی قلیل حصہ ان چیزوں کو اپنی غذا کا ایک مستقل جز بنانے کی توفیق رکھتا ہے' دودھ اور دودھ کی مصنوعات ہماری فی کس آبادی صرف ۹ اونس (ایک پاؤ سے ذرا زیادہ) روزانہ استعمال کرتی ہے' حالانکہ صحت کے لئے کم از کم پندرہ اونس (آدھ سیر کے قریب) روزانہ کا استعمال ضروری ہے' مغربی یورپ اور امریکہ میں ان چیزوں کے استعمال کی اوسط فی کس تیس اونس (ایک سیر کے قریب) روزانہ بنتی ہے' انڈے ہماری فی کس آبادی سال بھر میں آٹھ استعمال کرتی ہے' حالانکہ کینیڈا میں فی کس آبادی کا سالانہ خرچ دو سو ساٹھ ہے' ریاستہائے متحدہ میں دو سو چھتیس ہے۔ اور جرمنی میں ایک سو چودہ' اس کے برعکس ہماری فی کس آبادی کو مہینے بھر میں بھی ایک انڈا میسر نہیں آتا۔

اس صورت حال کو دیکھ کر کوئی تعجب نہیں ہوتا' کہ ہماری اوسط آبادی کی متوقع زندگی مغربی ممالک کی نسبت بہت کم ہے' ہمارے ہاں جو بچہ پیدا ہوتا ہے' اس کی اوسط

Marfat.com

متوقع زندگی ساڑھے بائیس سال ہے، اس کے خلاف جاپانی بچہ تقریباً چھ الیس سال، انگریز بچہ ساڑھے اڑھتالیس سال اور ناروے کا بچہ تقریباً چھیالیس سال زندہ رہنے کی توقع کرسکتا ہے۔

غذا کے جو اجزا ہم کم استعمال کرتے ہیں، اس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ ہماری غربت ہے، لیکن اگر ایسا نہ بھی ہوتا اور ہم خوشحال ہوتے جب بھی یہ چیزیں نایاب رہتیں کیونکہ ہمارے ہاں ان چیزوں کی پیداوار بھی کافی نہیں ہے، یہاں اتفاق ہے، کہ زراعت اور صحت کے ڈانڈے آپس میں مل جاتے ہیں، گذشتہ باب میں ہم دیکھ چکے ہیں، کہ زرعی اصلاح کے لئے یہ ضروری ہے کہ اناج کے علاوہ دوسری چیزوں کی کاشت ہم کئی گنا زیادہ کریں، اور اب یہ نظر آتا ہے کہ صحت قائم کرنے کے لئے بھی یہ ضروری ہے، کہ ہم پھل، سبزیاں، دودھ اور اس کی مصنوعات کئی گنا زیادہ پیدا کریں، متحدہ ہندوستان میں غذا کے مختلف اجزا جتنا بڑھانے کی ضرورت تھی، اس کا ایک اندازہ یہ لگایا گیا تھا۔[۱]

غذا	فی صدی اضافہ کی ضرورت
اناج	دس
دالیں	بیس
پھل	پچاس
سبزیاں	سو
گھی اور تیل	ڈھائی سو
دودھ	تین سو
مچھلی اور انڈے	تین سو

ہماری رائے میں ہمیں اس اندازے سے بھی زیادہ اپنی زرعی پیداوار کو بڑھانے کی ضرورت ہے، مثال کے طور پر اگر ہم انڈوں کی پیداوار تین گنا بڑھا بھی لیں، تب بھی

[۱] ڈی: بالاسبرامانیان: لے پالیسی فار ایگریکلچر، صفحہ ۱۵

Marfat.com

ہماری فی کس آبادی کو صرف ڈھائی انڈے مہینے بھر میں میسر آتے ہیں، ہمیں اس اندازے سے بھی دو تین گنا بڑے اقدام کی ضرورت ہے تاکہ نہ صرف ہماری زرعی پیداوار ہماری صحت کے تقاضوں کو پورا کر سکے بلکہ ہم اپنی پیداوار کے وافر حصے کو برآمد بھی کر سکیں کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ زراعت نہ صرف اس وقت ہماری سب سے بڑی صنعت ہے بلکہ مستقبل میں جہاں تک نظر جا سکتی ہے، اس صورتِ حال کے بدلنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

ہماری غربت جس کی وجہ سے ہم صحت مند غذا استعمال نہیں کرتے اس کا چارہ بھی زراعت کی اس نئی تشکیل میں ہے، جس سے ہر کاشتکار کے رقبہ کا کم از کم ایک تہائی حصہ پھلوں، سبزیوں، چارے، شیر خانوں اور مرغی خانوں کے لئے مخصوص ہو کیونکہ ان چیزوں کی پیداوار اناج کی پیداوار سے قریباً پانچ گنا زیادہ نفع بخش ہے۔ یہ نفع جب ہماری اسی فی صدی آبادی تک پہنچے گا، جو زراعت پیشہ ہے، تو ان میں وہ غربت نہ رہے گی جس کی وجہ سے وہ مناسب غذا نہیں کھا سکتے اور جس کی وجہ سے وہ مختلف بیماریوں کے شکار ہوتے رہتے ہیں۔

زرعی ماحول اور اخلاقی معیار

ہر معاشی ماحول ہمارے اخلاق و عادات پر گہرا اثر ڈالتا ہے، اگر صحت مند معاشرہ ہو جس میں ہر شخص کو باعزت روزی کمانے کے مواقع میسّر ہوں تو چوری، بے ایمانی اور جھوٹ کے خلاف انسان کی فطری خواہش ان چیزوں سے اسے دور رکھ سکتی ہے، لیکن اگر معاشی ماحول ایسا ہو جس میں آبادی کا بیشتر حصہ نہ اچھی غذا حاصل کر سکے، نہ تن ڈھانک سکے، نہ کسی ڈھب کا جھونپڑا تک اسے میسر ہو، تو وہ قوم کے اخلاق کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے، روزی کا محتاج انسان اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے، کہ وہ اخلاق کی بڑی سے بڑی قدر کو چند ٹکوں کے لئے فروخت کر دے، جسے اپنے بچوں کا کسی طرح پیٹ پالنا ہو اسے یہ درس دینا کہ قرض لے کر مکرنا نہیں چاہیئے، یا چوری نہیں کرنی چاہیئے اصل مسئلہ سے غیر متعلق قسم کی نصیحت ہے، ہمارا زرعی ماحول چونکہ معاشی انصاف سے دور کی بھی نسبت نہیں رکھتا، اس لئے کوئی تعجب نہیں، کہ ہمارا اخلاقی معیار قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں

Marfat.com

کی نسبت بہت پست ہے، اور پاکستان کی تشکیل کا مقصد صرف ایک بلند اخلاق رکھنے والی قوم حقیقت کے سانچے میں ڈھال سکنی، وہ قوم ایسی نہیں ہوگی، کہ جس کے متعلق شاعر یہ کہہ سکے: ؎

تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی

کوچہ گرد بندے کی کس مپرسی کی حالت اس تحقیق سے واضح ہو سکتی ہے جو ضلع ملتان کے بعض حصّوں میں یہ پایا گیا، کہ زرعی مزدوروں کے قرض نے انھیں قرض خواہ کے کھیتوں میں غلاموں کی طرح کام کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ مزدور اس قرض کی بجائے اپنے آپ اور اپنے کنبوں کو پیش کر دیتے ہیں، کیونکہ وہ اس قرض کو کسی اور طرح ادا نہیں کر سکتے، انھیں زندہ رکھنے کی قلیل ترین ضروریات زمیندار مہیا کرتا ہے، لیکن ان کی قیمت بھی ان کی قلیل روزانہ مزدوری میں سے منہا کر لی جاتی ہے، اور باقی مزدوری اس قرض کی ادائیگی کے حساب میں جمع ہو جاتی ہے، چونکہ ان کی مضحکہ خیز مزدوری اس قرض کو چکانے کے لئے کافی نہیں ہوتی، اس لئے بقایا سالہا سال تک چلتا جاتا ہے۔ ایسے مزدور ان معنوں میں غلام ہیں کہ وہ اپنے مالک کو اس وقت تک چھوڑ نہیں سکتے جب تک ان کا حساب صاف نہیں ہو جاتا، کوئی دوسرا زمیندار ان مزدوروں کو صرف اس شرط پر حاصل کر سکتا ہے کہ وہ ان کا بقایا ادا کر دے، اور اس کے بعد وہ اس نئے زمیندار کے غلام ہو جاتے ہیں، جب تک کہ اسکی دی ہوئی رقم کی ادائیگی نہ ہو جائے۔[۱۵]

چونکہ یہ رپورٹ صرف پنجاب کے متعلق ہے، اس لئے یہ نہیں سمجھنا چاہیے، کہ باقی صوبے اس لعنت سے پاک ہیں، جن لوگوں کو جسم و جان اکٹھا رکھنے کے لئے اپنے آپ اور اپنے کنبے تک کو بیچ دینا پڑے ان کے لئے پاکستان کی قرارداد مقاصد کیا اہمیت رکھتی ہے؟ کیا ان کی زندگیوں میں کوئی عزم یا ولولہ زندہ رہ سکتا ہے؟ کیا یہ وہ لوگ

---

(۱۵) حسن علی سید۔ رپورٹ اون دی بونڈڈ اینڈ سیلائی آف کریڈٹ ان دی رورل ایریاز آف دی پنجاب۔ (بورڈ آف اکنامک انکوائری پنجاب پاکستان) صفحہ ۱۱

Marfat.com

معلوم ہوتے ہیں جن کے لئے زمین و آسمان تسخیر کئے گئے تھے؟ جنھیں اللہ تعالیٰ کی خلافت کا سزاوار ٹھیرایا گیا تھا؟ اور جن میں اللہ نے اپنی روح پھونکی تھی؟

اسلام کا مقصد انسان کی روحانی سربلندی ہے، لیکن اس روحانی سربلندی کا اظہار اسی مادی دُنیا میں ہونا چاہیئے، اور انھیں وسیع معنوں میں قرآن کریم نے انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت بتایا ہے۔ لیکن جہاں نانِ شبینہ سے محتاج انسانوں کو جھوٹ فریب، چوری، قتل اور ڈاکے پر اکسائے، اور امیر دولت کے نشے میں شراب، زنا اور ناچ گھروں کے چکر سے باہر نہ نکل سکیں، تو قوم اللہ کے بتلائے ہوئے مقصد سے بہت دور جا پڑتی ہے، جب تک اکثریت افلاس کے اس چکر میں سے نہ نکل سکے جس کے لئے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔ الفقرُ سوادُ الوجہِ فی الدّارین (افلاس دونوں جہانوں میں مُنہ کالا کرتا ہے) اور امرا کی اقلیت ایک نئے نظام کی مدد سے اس سطح پر نہ لائی جائے، جس کے متعلق رسُولِ کریمؐ نے فرمایا: الفقرُ فخری (استغنا پہ مجھے فخر ہے) اس وقت تک اسلامی نقطہ نظر سے انسان کی تخلیق کا مقصد پاکستان میں پورا نہیں ہو سکتا۔

ہمارے اخلاقی اور روحانی اقدار جس طرح ہمارے زرعی نظام کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں، ان کا ایک واضح نقشہ مسٹر مسعود نے ہاری کمیٹی رپورٹ میں اپنے اختلافی نوٹ میں دیا ہے۔

ہاری کی حالت کے متعلق وُہ لکھتے ہیں، کہ زمیندار جب چاہے اسے بیگار کے لئے حاضر کر سکتا ہے، علاوہ اور کاموں کے اسے حکم دیا جا سکتا ہے، کہ وُہ اپنا ہل اور بیل لے آئے، اور زمیندار کی ذاتی زمینوں پر ہل چلائے یا گھر کا کوئی کام کرے، یا شکار پر اردلی کے فرائض سر انجام دے۔

"اگر ہاری کی بیوی خوبصورت ہو، تو یہ اس کی جان تک کے لئے خطرے کا باعث بن جاتی ہے، اسے پہلے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے کہ وُہ اسے زمیندار کے حوالے کر دے، اگر وُہ نہ مانے تو اسے اغوا کر لیا جاتا ہے، یا ہاری کے خلاف ایک جھوٹا فوجداری مقدمہ اور

Marfat.com

کرکے اسے جیل میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اگر زمیندار کو کامیابی کا کوئی اور راستہ نظر نہ آئے، تو وہ ہاری کو قتل کروانے سے بھی گریز نہیں کرتا، اس قسم کا ایک خوفناک واقعہ ایک ہاری عورت نے مجھے خود سنایا، جو اپنی ماں کے ساتھ ایک سو میل کے فاصلہ سے اپنی دکھ کہانی سنانے آئی تھی۔ . . . واقعات مختصراً یہ تھے کہ زمیندار نے پہلے اس عورت کو منانے کی کوشش کی، جب اس کے خاوند کو پتہ چلا تو اس نے برا منایا، اس پر زمیندار نے اسے زمین سے نکال دیا، اور وہ اسی گاؤں میں ایک اور مکان میں رہنے لگا، ایک دن وہ اپنی گئے بھینس کو باہر چرانے کے لئے گیا، لیکن کبھی واپس نہیں آیا، چند دنوں کے بعد بیوی کو زمیندار کا یہ پیغام ملا، تمہارا خاوند اب ختم ہو چکا ہے، کیا اب بھی تم میرے پاس آ کے رہنا شروع نہیں کرو گی"[1]۔

"ہاری کے لئے اسلام کا انسانوں کی برابری کا تصور ایک کہانی سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ کوئی ہاری زمیندار کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا، نہ اس کے سامنے بیٹھ سکتا ہے، نہ اس کی چارپائی پر بیٹھ سکتا ہے، بلکہ زمیندار کے برابر اونچی جگہ پر بھی نہیں بیٹھ سکتا، خواہ وہ درخت کا تنہ ہو، یا اینٹوں کا ڈھیر یا ریت کا ٹیلہ، اسے بہرحال نیچے بیٹھنا چاہیئے۔ خالی زمین پر اور اگر وہ زمیندار کے برابر اونچی جگہ پر بیٹھے تو وہ بدتمیز ہے، بے ادب ہے، اور اس قابل نہیں کہ وہ اس زمین پر کام کر سکے جس پر اس کے آباؤ اجداد کی کئی پشتوں نے اپنا پسینہ بہایا ہے"[2]۔

ہاری اتنی پشتوں سے اس ظلم و تعدی کا شکار رہا ہے، کہ اب وہ اسے اپنی تقدیر سمجھتا ہے، وہ بظاہر مطمئن نظر آتا ہے، اسی طرح جیسے بہت سے سالوں کا قیدی اپنی حالت سے مطمئن ہو جاتا ہے، اس میں احساس کمتری اتنا شدید ہے کہ کوئی سرکاری چپراسی، سپاہی یا پٹہ دار، اسے چاہے گالی دے یا مارے لیکن کسی قسم کی باز پرس کا اس کو خفیف سا خطرہ بھی نہیں ہو گا۔

---

[1] ایم مسعود: ہاری کمیٹی رپورٹ (اقلیتی رائے)، صفحہ ۴ - ۵

[2] ایم مسعود، ہاری کمیٹی رپورٹ (اقلیتی رائے)، صفحہ ۶

Marfat.com

جب ہاری کی فصل تیار ہوتی ہے تو زمیندار کے آدمی وہ ساری کی ساری اٹھا کر لے جاتے ہیں اور تقسیم تک ہاری اپنی فصل کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، بٹائی کے مطابق اگرچہ ہاری کا حصہ نصف کا ہوتا ہے لیکن زمیندار اس سے رواج کے نام پر کئی غیر قانونی ٹیکس وصول کرتا ہے اور انھیں ابواب کا نام دیا جاتا ہے، ابواب کی ادائیگی کے بعد جو حصہ بچتا ہے وہ ہاری کی ضروریات کا کفیل نہیں ہوتا، چنانچہ وہ اسی زمیندار سے قرض اٹھاتا ہے جس کی ادائیگی کے لئے اپنی آئندہ ربیع وغیرہ کی فصل رہن رکھتا ہے، چنانچہ اس قسم کی فصلوں میں ہاری کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، وہ ساری کی ساری زمیندار کے پاس چلی جاتی ہیں۔

اس کے باوجود ہاری کا قرض کبھی ختم نہیں ہوتا، اس کی کئی پشتیں قرض سے آزادی حاصل کرنے کے سراب کے پیچھے بھٹکتے بھٹکتے مر چکی ہیں، قرض کا حساب زمیندار کا منشی رکھتا ہے، جو عموماً بددیانت ہوتا ہے، غلط اندراج کرتا ہے جنھیں ہاری ماننے پر مجبور ہوتا ہے، وہ اس زمین سے بھاگ کر کہیں جا بھی نہیں سکتا کیونکہ زمینداروں کے آپس کے ایک اصول کے مطابق مقروض ہاری کو کوئی دوسرا زمیندار زمین نہیں دے سکتا، اس قسم کا ایک اصول پرانے زمانے میں غلاموں کی تجارت کرنے والوں کے درمیان بھی تھا!

جب کبھی کوئی زمیندار کھیتوں کی طرف آتا ہے، ہاری اور اس کے بچے فوراً اس کی طرف جاتے ہیں اور اس کے سامنے جھک کر اس کے پاؤں کو چھوتے ہیں پھر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کا ہاتھ چومتے ہیں، یہ وہ اس لئے نہیں کرتے کہ ان کے دل میں اس کی عزت ہے یا زمیندار کوئی روحانی بزرگی رکھتا ہے بلکہ صرف اس خیال سے کہ اسے محسوس ہو کہ وہ اس کے عاجز بندے ہیں جو اس کے سامنے جھکتے ہیں اور اس کے رحم کے سہارے زندہ ہیں "میں نے آج تک ایک ہاری بھی ایسا نہیں دیکھا جو زمیندار کے سامنے سیدھا کھڑا رہے اور اسے ایک باوقار انداز میں سلام کیے"[1]

---

[1] ایم مسعود: ہاری کمیٹی رپورٹ (اقلیتی رائے) صفحہ ۶

Marfat.com

یہ تو بیس لاکھ ہاریوں کی حالت ہے، آئیے! اب ان سات ہزار زمیں سے بیشتر زمینداروں کی حالت دیکھیں جن کے پاس پانچ سو ایکڑ سے زیادہ زمین ہے، موجودہ زرعی نظام ان میں جس قسم کے اخلاق پیدا کرتا ہے، ان کا نقشہ مسٹر مسعود ہاری کمیٹی رپورٹ کے اختلافی نوٹ میں کچھ یوں کھینچتے ہیں :-

زمیندار ایک قرونِ وسطیٰ کا جاگیردار ہے، جس کے پاس نوکروں کی ایک فوج ہے خوبصورت گھوڑے اور گائے بھینس ہیں، اس کے پاس اسلحہ کی بڑی تعداد ہوتی ہے اور اس کا صرف شکار کا خرچ سال میں کئی ہزار روپے تک پہنچتا ہے اسے ٹھاٹھ سے رہنے اور امارت کا دکھاوا کرنے کا بڑا شوق ہے، چنانچہ قیمتی موٹروں اور عیاشی کے سامان خریدنے پر وہ دل کھول کر خرچ کرتا ہے، اس کے باورچی خانے میں دن بھر کھانے پکتے رہتے ہیں تاکہ ان لوگوں کو اچھے کھانے مل سکیں جن سے وہ ضرورت کے وقت اپنے غیر قانونی کاموں میں مدد لے سکتا ہے، یہ لوگ یورپ کے قرونِ وسطیٰ کے امرا کے ہتھیار بند طفیلیوں کی قسم کے ہوتے ہیں، عورتوں کا وہ شوقین ہے، اور علاوہ منکوحہ بیوی یا بیویوں کے وہ کچھ داشتہ عورتیں بھی رکھتا ہے مچھلی گیر یا ہاری عورت کو وہ عام طور پر پسند کرتا ہے، گانے کا اسے شوق ہے، اور گانے والی عورتیں اس کے ہاں محفلوں میں بلائی جاتی ہیں، تاکہ افسر اور دوسرے زمیندار اس کی عیاشی کے بلند معیار سے مرعوب ہو سکیں۔

اس کے رہن سہن کا انداز اس قدر فضول خرچ ہے، کہ اس کی زمینوں کی آمدنی اس کے خرچ کے لئے کافی نہیں ہوتی، پہلے تو وہ ہاریوں پر مزید ابواب لگاتا ہے، اور انھیں سختی سے وصول کرتا ہے، دوسرا غیر قانونی راستہ یہ ہوتا ہے، کہ وہ چوروں اور ڈاکوؤں کی ایک جماعت سے یاری گانٹھتا ہے، جن کا کام مال مویشی چرانا ہوتا ہے اور جنھیں پتھاری کہتے ہیں، زمیندار انھیں قانون کی گرفت سے بچاتا ہے، اور اس کے بدلے چوری کے مال کا بیشتر حصہ ان سے وصول کرتا ہے۔ "ان پتھاریوں کا محافظ عموماً کوئی بڑا زمیندار ہوتا ہے، جس کی حکومت کے ہاں بڑی عزت ہوتی ہے خود پتھاری بھی بظاہر معزز آدمی ہوتے ہیں، ان پر چوری کا مقدمہ کبھی نہیں چلتا، حالانکہ سب ہمسائے

Marfat.com

ان کا پیشہ جانتے ہیں، ان کی حفاظت نہ صرف زمیندار کرتا ہے، بلکہ پولیس بھی ایک مقررہ ماہوار رقم کی بنا پر ان کی ہمیشہ مدد کرتی ہے۔[1]"

کسی نزدیکی زمیندار سے اپنی قوت کا مقابلہ کرنے اور اپنی برتری دکھانے کا اسے خاص شوق ہے۔ ہاریوں پر اس کا رعب تب ہی قائم رہ سکتا ہے، جب وہ جانیں، کہ ان کا زمیندار فلاں دوسرے زمیندار سے بھی زیادہ طاقت ور ہے۔ ظلم اور زبردستی کی شہرت قائم رکھنا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس وجہ سے بھی چوروں اور ڈاکوؤں کا ایک گروہ اسے اپنے ہاتھ میں رکھنا پڑتا ہے، جو اس کے ہم چشموں کے دلوں میں خوف پیدا کر سکے۔ جس کا یہ گروہ زیادہ بڑا ہوگا، وہی بڑا زمیندار سمجھا جائے گا۔

جہاں تک قانون کی گرفت کا تعلق ہے، اس کا تدارک زمیندار کرنا جانتا ہے۔ سرکاری افسروں بالخصوص پولیس افسروں کو وہ اکثر دعوتیں دیتا ہے۔ شراب بھیجتا ہے۔ جنسی ضروریات کے تقاضے پورا کرتا ہے۔ اس کی گاڑیاں ہمیشہ ان کی ضروریات کے وقت حاضر رہتی ہیں، اگر یہ کافی نہ ہو، تو وہ چوری کے مال میں ان کا باقاعدہ حصہ مقرر کر دیتا ہے۔ علاوہ اس کے وہ متعلقہ افسروں سے ان کے بڑے افسروں کے پاس ان کی نیک نامی اور حسن کارکردگی کی تعریف کرنے کے وعدے کرتا رہتا ہے۔ اگر کوئی افسر اس کے جال میں پھنسنے سے انکار کر دے، تو وہ اس کی نااہلی کی داستانیں پھیلاتا ہے۔ اس کے افسروں کے پاس اس کی بدنظمی کی شکایتیں بھجواتا ہے، اور اگر ضرورت ہو تو اس کے خلاف کوئی جھوٹا مقدمہ قائم کر دیتا ہے۔ اسے اگر وہ ملازمت سے نکلوا نہ سکے، تو کم از کم اس کا ماحول اتنا مشکل بنا دیتا ہے، کہ وہ خود ہی کہیں اور تبادلہ کی درخواست کر دے۔

یہ صحیح ہے کہ سب زمیندار ایسے نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض بڑے خدا ترس اور نیک دل بھی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد ہے کتنی؟ آٹے میں نمک کے برابر!

یہ سندھ کے زمینداروں اور ہاریوں کی حالت ہے، لیکن یہ اخلاقی گراوٹ سندھ تک محدود نہیں، اس کا اطلاق ہر اس علاقہ پر ہے، جہاں زمینداری نظام رائج ہے۔

---

[1] رپورٹ آف دی کیپٹل پنشنگ کمیٹی ۱۹۲۶ء۔

Marfat.com

تعیش آزادی اور ظلم زمیندار کے حصّے میں آتا ہے، اور بے چارگی، بیماری، جہالت اور بے ثمر محنت مزارع میں تقسیم ہو جاتی، مجموعی طور پر دونوں کا اطلاق اسلام کے معیار تو در رہے، عام انسانیت کے معیار سے بھی اتنا پست ہو جاتا ہے اور اس پستی میں ایسی پختگی پیدا کر دیتا ہے کہ پھر قومی قدریں تک بدل جاتی ہیں اور کئی لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جیسے زمیندار اور کاشتکار کی زندگی میں کوئی اخلاقی گراوٹ موجود نہیں یہ صورت اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک ایک انقلاب آ کر ٹھوکر ساری قوم کو نہ جھنجھوڑے اور انھیں مسائل کا ایک نئے زاویے سے تجزیہ کرنے پر مجبور نہ کرے کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ بیشتر اس کے کہ ہم کوئی ایسی ٹھوکر کھائیں ہم اسلام کے اخلاقی اور روحانی تقاضوں کو موجودہ زرعی نظام سے نہ ٹوٹ سکنے والی اخلاقی گراوٹ کے مقابل رکھیں اور اس چیز کا ایمانداری کے ساتھ فیصلہ کر لیں کہ ہمیں دونوں میں سے کسے چننا ہے؟

معاشی ماحول اور عسکری قوّت

اسلام کی اخلاقی قدریں، اس کا انسانوں کے بھائی چارے اور برابری کا تصوّر، اس کا قُلِ العَفوَ والا معاشی انصاف اس کا آخرت میں نیکی کی جستجو کرنے والوں کے لئے اس دنیا میں نیکی قائم کرنے پر اصرار، اس کا انسان کی نیابت الٰہی کا تصوّر، اس کی سود سے بیزاری اور زکوٰۃ پر اصرار، انسانوں کا بیش قیمت اور غیر فانی ورثہ ہیں پاکستان کو اصرار ہے (اگرچہ وہ اصرار فی الحال زبانی دعوے سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا) کہ وہ اسلامی تہذیب اور معاشرت کو عملی سانچے میں ڈھالے گا اور مشرق و مغرب کے طاغوتی نظاموں کو بتائے گا کہ کس طرح معاشی جمہوریت اور سیاسی جمہوریت میں ہم آہنگی اور توازن پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن اگر کبھی ایسا ہوا تو طاغوتی قوتوں کا اس کے ساتھ الجھنا یقینی ہے، اسلامی نظام لاکھ امن کا داعی رہی لیکن کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنی نشاۃ ثانیہ میں میدانِ کارزار میں اس سے کم آزمایا جائے، جتنا کہ نشاۃ اولیٰ میں اسے آزمایا گیا تھا، حالانکہ اس وقت آنحضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) جیسے امن کے داعی اسے پیش کر

Marfat.com

رہے تھے۔ نیکی کی بہرحال بدی سے ٹکر ہوتی ہے۔ روشنی کو بہرصورت تاریکی سے اُلجھنا ہوتا ہے۔
کیا ہم نے اپنے آپ کو اس آزمائش کے لئے تیار کرنا شروع کیا ہے؟ ہماری موجودہ عسکری قوت کیا ہے؟ مانا ہمارا سپاہی بڑا جانباز ہے۔ لیکن کیا ہم اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کی سکت اپنے میں پاتے ہیں؟ جوناگڑھ، حیدرآباد (دکن) اور کشمیر کے مسائل سے اس سوال کا جواب پوچھئے! یا ان پچاس ہزار بہو بیٹیوں سے پوچھئے۔ جن کی سالہا سال سے محبوس زندگی ہماری مردانگی کی داد دیتی چلی آ رہی ہے:

عسکری قوت کی بنیاد محض فوجیں یا اسلحہ کے کارخانے نہیں ہوتے، اگرچہ انہی چیزوں سے اس کا قصر تعمیر ہوتا ہے۔ لیکن بنیاد قومی بیداری، قومی وقار، اور قومی تہذیب و تمدن کو بچانے کے جذبے کا فروغ ہوتی ہے۔ اس جذبے کا فروغ اور کامیابی اس تہذیب کی قدر و قیمت پر منحصر ہے۔ تاریخ اس چیز کی بار بار شہادت دیتی ہے، کہ جب دو تمدن ٹکرائیں، تو فتح ہمیشہ اس تہذیب کی ہوتی ہے، جو زیادہ پائیدار بنیادوں پر استوار ہو۔ اس اصول کی مستثنیات تاریخ میں غالباً صرف دو ہیں۔ پہلی وہ کہ جب وسط یورپ کے وحشی قبائل نے روم کو شکست دی اور دوسری جب تاتاریوں نے عباسیوں کی سلطنت کو شکست دی۔ لیکن ان مستثنیات کے بھی دو پہلو قابل غور ہیں، پہلا یہ کہ یہ شکست محض میدان جنگ تک محدود تھی۔ غیر متمدن قبائل نے فتح حاصل کرنے کے بعد عیسائیت قبول کر لی جس کا علمبردار روم تھا۔ اور تاتاریوں نے بغداد برباد کرنے کے بعد اسلام قبول کر لیا، جو بغداد کی تہذیب کی اساس تھا۔ انہی تاتاریوں کی اولاد نے پھر ترکی کی سلطنت قائم کی جو صدیوں تک بغداد کی تہذیب کا نعم البدل رہی، اور وحشی گالوں کی اولاد میں سے ہی لوتھر پیدا ہوا، جس نے عیسائیت کو توانائی بخشی، سو یہ دونوں شکستیں بھی محض عسکری تھیں۔ تہذیب نے عسکری شکست کے باوجود فتح حاصل کی، اور عسکری شکست بھی اس وجہ سے تھی، کہ دونوں تہذیبوں نے زوال کے راستے اختیار کر لئے تھے، وہ طاؤس و رباب آخر کی منزل میں تھیں۔ ورنہ بہتر تہذیب کبھی عسکری معنوں میں بھی شکست نہیں کھاتی۔

Marfat.com

جب کوئی تہذیب نظری اور عملی رنگ میں مستحکم بنیادوں پر استوار ہوا ور طاؤس و رباب نے اس کے اُبھرنے کی قوتوں کو شل نہ کیا ہو، تو وہ اپنے سے بہتر عسکری قوت کو عسکری شکست بھی دے سکتی۔ اس کی سب سے واضح مثال خود اسلام کی پہلی صدی ہے مسلمان بار بار اپنے سے زیادہ بڑی عسکری قوتوں سے ٹکرائے، اور بار بار فتح نے ان کے دامن چومے، یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہا جب تک اسلام کا معاشی نظام اپنا انصاف کمزور سے کمزور یتیم اور بے کس سے بے کس ضعیف تک پھیلاتا رہا جب تک یہ تصور قائم رہا کہ اگر ساری مملکت میں ایک گھر بھی ایسا ہے، جس میں قوت لایموت موجود نہیں تو حکومت اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو رہی۔ جب تک خلفا اس معاملے میں اتنے حساس تھے، کہ وہ اپنے کندھے پر اناج کی بوری اُٹھا کر ایسے گھر میں پہنچانے سے بھی نہیں چوکتے تھے، اس وقت تک نہ کبھی عسکری شکست ہوئی اور نہ شکست کھانا ممکن ہی تھا۔

پھر جب شخصی سلطنتیں قائم ہوئیں، اور دُنیا کے لالچ نے اسلام کے معاشی انصاف کے دامن سمیٹ لئے تو اسلام کی تہذیب اپنی ساری توانائی کھو بیٹھی علم کی جگہ جہالت آئی، اولوالعزمی کی جگہ بے چارگی نے لے لی، فتوحات بند ہو گئیں، اور فرنگیوں نے جن کے پاس دعملی طور پر ہم سے بہتر تہذیب تھی، ہمارے بیشتر ملکوں پر فرمانروائی شروع کر دی (لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ اللہ کے قانون بدل نہیں سکتے)۔

معاشی نظام کا عسکری قوت سے تعلق ہماری تاریخ اتنی وضاحت سے سمجھاتی ہے۔ کہ اس کے متعلق کم از کم مسلمانوں کے ہاں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے، لیکن ایک غیر منصفانہ معاشی نظام صرف فوجی قوت کو ہی کمزور نہیں کرتا بلکہ فکری صلاحیتیں بھی سلب کر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ تاریخ اسلام کا یہ سبق پڑھ چکنے کے بعد کہہ دیتے ہیں کہ یہ پرانے وقتوں کی باتیں ہیں، آج کل فوجی طاقت کا انحصار اسلحہ کی قوت آتشیں سے عبارت ہوتا ہے، جس کی قوت آتشیں زیادہ ہے وہ جیت جائیگا، جس کی یہ قوت کم ہے، اسے بہر حال شکست ہو گی۔

وہ اپنے اس نظریے پر اس شدت سے قائم ہیں، کہ انھیں صرف گذشتہ دس سال

Marfat.com

کہ بعض غیر معمولی عسکری نتائج بھی (جو ان کے نظریے کو جھٹلاتے ہیں) انھیں سیدھا راستہ نہیں دکھا سکے، ۱۹۴۲ء میں ہٹلر سارے یورپ پر قابض تھا، اس کی منظم اور فاتح افواج کی یلغار کے سامنے ہر فوج محض خس و خاشاک کی حقیقت رکھتی تھی، عین اس وقت جب ہٹلر اپنے عروج کی انتہا پر تھا، یوگوسلاویہ کی پہاڑیوں میں ٹیٹو نامی ایک گمنام آدمی پیدا ہوتا ہے، اور اس کی گوریلا فوج ہٹلر کی فوجوں پر حملے کرنے کی جرأت کرتی ہے، اس کے بعد ہٹلر کے اسلحہ کی قوت آتشیں مسلسل پانچ سال تک ٹیٹو کے عزم سے برسر پیکار رہتی ہے، لیکن اسے دبا نہیں سکتی، اس کا عزم قوت کا صحیح منبع ڈھونڈ لیتا ہے، اور اپنے علاقوں میں زرعی نظام کو منصفانہ اصولوں پر مرتب کرتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہٹلر کے دوسرے مخالف پانچ سال میں اسے شکست دے دیتے ہیں لیکن ٹیٹو اور اس کا نظام آج بھی زندہ ہے، اگر اسلحہ کی قوت آتشیں فیصلہ کن ہوتی، تو ٹیٹو کا کہیں وجود بھی نظر نہیں آتا۔

اب مغرب سے مشرق کی طرف آیئے، مارشل چیانگ کائی شیک کی فوجیں چین کے کچھ باغیوں کو دبانے میں مصروف ہیں، یہ پرانے وقتوں کی بات نہیں ۱۹۴۷ء کا مضمون ہے، یہ باغی تعداد میں کم بھی ہیں اور منظم فوجوں کے مقابلہ میں نہتے بھی، چار پانچ سال تک یہ جنگ جاری رہتی ہے اور باغیوں کی تعداد اور ان کا حلقہ اثر روز بروز کم ہونے کی بجائے بڑھتا ہی جاتا ہے، اور حکومت کی فوجیں روز بروز پیچھے ہٹتی آتی ہیں، امریکہ جو دنیا میں سب سے زیادہ آتشیں اسلحہ پیدا کرنے کی قوت رکھتا ہے، چینی حکومت کو تنظیم، روپیہ اور اسلحہ مہیا کرنا شروع کرتا ہے، اور اس مدد کا دھارا روز بروز زیادہ تیز ہوتا جاتا ہے لیکن باغی اب بھی گھٹنے ہی چلے آتے ہیں، یہاں بھی اسلحہ کی آتشیں قوت کا مقابلہ ایک اس سے بھی بڑا قوت کے ساتھ تھا، ایک ایسے معاشی نظام کے ساتھ جس میں زمینداروں کو بغیر کھیتوں میں محنت کئے ایک پائی بھی وصول نہیں ہو سکتی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ کاشتکاروں کو اپنی محنت کا پورا ثمر مل جاتا تھا جونہی باغی اس نظام کو قائم کرتے تھے، ہر گاؤں ایک ناقابل تسخیر قلعہ بن جاتا تھا، وہ لوگ پھر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے بڑھ سکتے تھے اور اسلحہ کی قوت آتشیں پیچھے ہٹتی جاتی تھی، یہ صحیح ہے کہ باغیوں کو روس کی اخلاقی اور عملی ہمدردی میسر تھی، لیکن خود امریکہ کے فوجی نقاد مانتے ہیں کہ امریکہ کی مدد کے مقابلے میں روس کی عملی مدد کی حیثیت حقیر تھی، اصل میں ٹکر ایک منصفانہ معاشی نظام کی

Marfat.com

اسلحہ کی قوتِ آتشیں کے ساتھ تھی، اور فیصلہ وہی ہوا جو اسلام کی ابتدائی لڑائیوں میں اور ان کے علاوہ سینکڑوں اور جنگوں میں ہو چکا ہے کہ معاشی نظام کا انصاف قوت کا سب سے بڑا منبع ہے اور اس کے سامنے امریکہ کے بنے ہوئے ٹینک اور ہوائی جہاز بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتے چنانچہ یہ چینی باغی آج سارے چین کے مالک ہیں اور چیانگ کائی شیک فارموسا کے جزیرے میں محصور ہے۔

قومیں ہمیشہ ایمان اور یقین کے بل پر لڑتی ہیں، یہ یقین کسی محض مادی چیز پر ہی کیوں نہ ہو، جیسے چینی باغیوں کا یا ہٹلر کے رفقا کا تھا، تو پھر وہ قوم کسی سے نہیں دبتی، لیکن یقین اور ایمان کا اظہار عمل سے ہوتا ہے، ان کا جو فلسفۂ حیات تھا، انھوں نے اس پر عمل کیا، وہ فلسفۂ حیات محض مادی ہونے کی وجہ سے اسلام کے زندگی کے تصور کے مقابلے میں غیر مکمل بھی ہے، اور ناقص بھی، لیکن اسلام کا فلسفۂ حیات زبانوں اور کتابوں کے علاوہ کہیں اور رہ گیا ہے بھی؟ اگر عملی طور پر اس کا وجود نہ ہو تو محض زبانی اقرار کسی قوم کو عسکری قوت نہیں بخشتا جب تک ہمارا ایمان ایک آگ کے شعلے کی طرح نہ بھڑکے اور ہماری عملی دنیا کے غیر اسلامی اور غیر منصفانہ معاشی نظام کو خاکستر نہ کر سکے، تب تک ہمارا زبانی اقرار محض ریا اور دھوکا ہے۔ ہاں اگر اس کی عملی تشکیل ہو جائے تو کیونکہ وہ ایک ملت کی تہذیب کو جنم دے سکتا ہے، اس لئے اس کا مقابلہ کرنے سے مشرق و مغرب کی تمام طاقتیں معذور ہو سکتی ہیں، کیونکہ پھر ہمیں ایک ایسی تہذیب نظر آئے گی جو ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہو گی اور قومیں وہی زندہ رہتی ہیں جو میدانِ جنگ میں مرنے کے لئے تیار ہوں، موجودہ صورت میں مثال کے طور پر ہاریوں میں موجودہ نظام کو بچانے کی کتنی خواہش ہو سکتی ہے؟ وہ آخر کیوں مرنے کے لئے تیار ہوں؟ تاکہ ان کی اولاد بیگار میں طلب کی جا سکے؟ تاکہ زمیندار ہمیشہ اپنی من مانی چلا سکے؟ تاکہ اس کی بہو بیٹیوں کی عزت لٹتی رہے؟ تاکہ افلاس بیماری اور جہالت کی زنجیریں ہمیشہ اس کی اولاد کے پاؤں میں پڑی رہیں؟ ان چیزوں کیلئے کوئی مرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ آج ایک منصفانہ نظام قائم کیجئے جس میں کاشتکاروں کو ان کی محنت کا پورا پورا پھل ملتا ہو، تو پھر توپیں ہوں یا نہ ہوں ہم کبھی شکست نہیں کھا سکیں گے!

Marfat.com

باب سوئم

افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

[زرعی مسائل عالمگیر ہیں ۔ امریکہ کا زرعی نظام ۔ انگلستان کے زرعی قوانین ۔ فرانس کا زرعی نظام ۔ جرمنی کی زرعی اصلاح ۔ مغربی یورپ کے دیگر ملکوں کی زرعی تنظیم ۔ مشرقی یورپ کی زرعی اصلاح ۔ مشرقی یورپ کے تجربے کا سبق ۔ بلغاریہ ۔ ہنگری ۔ پولینڈ ۔ زیکو سلوویکیہ ۔ رومانیہ ۔ یوگوسلاویہ ۔ بالٹک ملک ۔ معاوضہ مقرر کرنے کے مشرقی یورپ کے طریقے ۔ مشرقی یورپ کے قوانین وراثت میں ترمیم ۔ مغربی زرعی تشکیل کا ایک جائزہ ۔]

زرعی مسائل عالمگیر ہیں جو زرعی مسائل ہمیں درپیش ہیں ان کا موجودہ زرعی نظام میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کرنے کے بغیر کوئی علاج نہیں ہے، قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم ہی نے ایسا کیا گناہ کیا تھا، کہ ہمیں قومی تخلیق کے پانچ سال کے اندر اندر موجودہ نظام کی حدود میں رہتے ہوئے ناقابل علاج زرعی مسائل سے سابقہ پڑ گیا ہے، سو جواب یہ ہے کہ یہ حال قریب قریب ساری دنیا کا گذشتہ نصف صدی کے کسی نہ کسی حصے میں ہو گیا تھا، اس کی وجہ آبادی کا پھیلاؤ ہے جس سے ساری دنیا کی آبادی کے لئے کل دنیا کی زرعی پیداوار ناکافی ہو گئی ہے، اس کے ساتھ ساتھ علم اور سائنس کی ترقی نے یہ چیز بھی بتادی کہ یہ زرعی پیداوار کئی گنا بڑھائی جا سکتی ہے، اور امکانی زرعی پیداوار نہ صرف موجودہ آبادی کے لئے کافی ہوگی بلکہ اس سے کئی گنی آبادی کے لئے جہاں تک زرعی فن کا تعلق ہے کھانے پینے کی کوئی کمی نہیں ہو سکتی، اس علم کے ساتھ ساتھ سماجی مسائل نے اسی زمانے میں ایک خاص اہمیت حاصل کر لی جو

Marfat.com

اس سے پہلے عالمگیر وسعت کے ساتھ اس تعمق سے نہیں جانچے جاتے تھے اور اگرچہ سماجی خیالات کے کئی گروہ ہیں، لیکن اس چیز میں سب متفق ہیں کہ سماجی انصاف سب کے ساتھ ہونا چاہیئے، اور جس حد تک زرعی نظام سماجی انصاف کا راستہ روکتا ہے، اسے بدل دینا چاہیئے۔

امریکہ کا زرعی نظام

مسئلے کے اس پہلو کی شدت سب ملکوں میں یکساں نہیں ہے مثال کے طور پر امریکہ میں وسیع قابلِ کاشت خطے ہیں، اور آبادی کا بار ان پر اتنا کم ہے، کہ اب بھی ایک اوسط کھیت قریباً ڈیڑھ سو ایکڑ کی وسعت کا ہوتا ہے۔ چنانچہ عام حالات میں وہاں کے اوسط کھیت زرعی سائنس کی ترقیوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لہٰذا باوجود اس چیز کے کہ وہاں پر زمیندار اور مزارع دونوں موجود ہیں، عام طور پران کا وجود کسی کو نہیں تکلیف دیتا، کیونکہ دونوں کے کھانے کیلئے زمین کے وسیع خطے کافی پیدا کر دیتے ہیں، اس کے باوجود وہاں بھی یہ احساس پیدا ہو رہا ہے، کہ زمین کی ترقی یافتہ نشوونما میں ایک غیر ترقی یافتہ زرعی نظام خاصی بڑی رکاوٹ بن سکتا ہے، چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کا حقیقتِ زمین کا مقالہ نگار امریکہ کے متعلق لکھتا ہے، کہ گذشتہ دنوں زرعی مسائل کے جائزوں سے جو تین اہم پہلو نظر آتے ہیں ان میں سے پہلا یہ ہے کہ زمین کا غلط استعمال زرعی نظام سے تعلق رکھتا ہے، چنانچہ وہ تفصیل کے ساتھ امریکہ کی زرعی زمین کے ان وسیع خطوں کا ذکر کرتا ہے، جہاں زمین کے استعمال کے نقائص نمایاں ہو رہے ہیں اور ان کا تعلق زرعی نظام سے واضح کرتا ہے، چنانچہ کپاس کے رقبے کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "بٹائی کا طریقہ جو خانہ جنگی کے بعد جنوب میں وسعت اختیار کر گیا غربت اور کمزور کاشت سے گہرا تعلق رکھتا ہے، اڑتالیس فیصدی کاشتکار مزارع ہیں، جن میں سے ایک تہائی ہر سال دوسری زمینوں پر چلے جاتے ہیں اور ایک قلیل حصہ پانچ سال تک ٹھیرتا ہے، تاکہ فصلوں کی ترتیب کا ایک چکر پورا ہو سکے، نتیجہ یہ ہے کہ بڑی وسعت سے غیر یقینی، غربت، بیماری اور افلاس پھیلے ہوئے ہیں[1]"

اس امر کے باوجود کہ امریکہ کی وسیع رقبوں اور نسبتاً کم آبادی کے پیشِ نظر زرعی مسائل

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا (۱۹۵۰ء) مقالہ لینڈ ٹینور: اکنامک اینڈ ایگریرین اسپیکٹس۔

Marfat.com

کافی عرصے تک تشویشناک شکل نہیں اختیار کر سکتے، وہاں کی حکومت کو بھی پیش بندی کے طور پر عملی اقدام کرنے پڑے ہیں، چنانچہ ۱۹۳۷ء میں بنکن ہیڈ جونز ایکٹ پاس ہوا، جس کے مطابق ایک کروڑ ڈالر کی رقم کانگرس نے کاشتکاروں کو قرض کے طور پر دینی منظور کی، تاکہ وہ زمینوں کے ٹکڑے خود خرید سکیں، ۱۹۴۴ء میں مرکزی مقننہ نے دوسری جنگِ عظیم سے واپس آنے والوں کے لئے قرض مہیا کرنا منظور کیا، تاکہ ان میں سے جو زراعت کرنا چاہیں انھیں زمین خریدنے کی سہولت مل سکے، امریکہ جیسے ملک میں ان قوانین کی موجودگی حیرت انگیز ہے، لیکن ان کا مقصد واضح ہے کہ حکومت یہ چاہتی ہے کہ کاشتکار خود زمین کے مالک ہوں، تاکہ زرعی عمل بہترین نتائج مرتب کر سکے۔

انگلستان کے زرعی قوانین

امریکہ کی طرح انگلستان میں بھی زرعی مسائل وہ شدت اختیار نہیں کر سکتے، جو انھیں ہماری طرح کے قریباً کلیتاً زرعی ملکوں میں حاصل ہے، حالانکہ انگلستان میں آبادی بھی کافی گنجان ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ انگلستان کی بیشتر آبادی کا انحصار زراعت پر نہیں بلکہ صنعت و حرفت اور تجارت پر ہے، اور زراعت ملک کی ایک قلیل اقلیت (پانچ اعشاریہ انہتر فیصدی) کو روزگار فراہم کرتی ہے، اس کے باوجود وہاں بھی بار بار ایسے قوانین وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جن سے بڑی بڑی جاگیروں پر ٹھیکہ پر کام کرنے والے مزارعین کی جگہ چھوٹے چھوٹے کھیتوں پر مالک مزارع بڑی تعداد میں زرعی کام کرنا شروع کریں۔

۱۹۰۸ء میں چھوٹے کھیتوں کا قانون (SMALL HOLDINGS ALLOTMENT ACT) پاس ہوا، جس کی رو سے ضلع کی کونسلوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ بڑے رقبے حاصل کر کے انھیں چھوٹے کھیتوں کی شکل میں مزارعوں کو ٹھیکہ پر زراعت کے لئے دیں، ان کونسلوں کو اختیار دیا گیا، کہ اگر وہ مفاہمت سے بڑے کھیت نہ حاصل کر سکیں، تو وہ جبراً انھیں لے لیں، چنانچہ اس قانون کے تحت تیرہ ہزار دو سو ستّر کھیت جن کا مجموعی رقبہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار سات سو اٹھتر ایکڑ بنتا ہے، دس سال میں قائم کئے گئے، ان کا فی کھیت اوسط رقبہ چودہ ایکڑ بنتا ہے۔

Marfat.com

۱۹۱۹ء میں سیٹلمنٹ کا ایک نیا قانون بنایا گیا LAND SETTLEMENT ACT جس کے مطابق ضلع کی کونسلوں کو اختیار دیا گیا، کہ وہ بڑے کھیت بجائے نقد قیمت کے سالانہ ادائیگیوں کی شکل میں بھی خرید سکتے ہیں، تاکہ وہ انھیں متوازن کھیتوں کی شکل میں کاشتکاروں کو دے سکیں۔

ان قوانین کا نتیجہ اس سے واضح ہے، کہ جہاں ۱۹۱۲ء میں صرف دس اعشاریہ چھ فیصدی کاشتکار زمینوں کے مالک تھے، ۱۹۲۱ء میں ان کی تعداد قریباً دگنی یعنی بیس فیصدی ہو چکی تھی، اور ۱۹۲۷ء میں وہ دوگنی سے ذرا کم یعنی چھتیس فیصدی ہو چکی تھی، گذشتہ ربع صدی میں ان میں مزید اضافہ ہوا ہے، لیکن اس کے اعداد و شمار ہمیں دستیاب نہیں ہو سکے، تاہم وہاں زرعی پیداوار پچاس سال پہلے کی نسبت کئی گنا بڑھ چکی ہے، اور پیداوار کے بڑھانے میں ان مالک کاشتکاروں کا بہت بڑا دخل ہے۔

فرانس کا زرعی نظام

انگلستان کے برعکس جہاں اکثر زمین مزارع بڑے بڑے زمین کے مالکوں سے ٹھیکہ پر لے کر کاشت کرتے ہیں فرانس عام طور پر چھوٹے چھوٹے مالک کاشتکاروں کا ملک ہے، حکومت کو یہاں اس وجہ سے دخل دینا پڑا، کہ کھیت کئی حالتوں میں غیر معاشی حد تک چھوٹے تھے، یہاں بھی انگلستان سے فرق بین ہے، کیونکہ وہاں قوانین بڑے اور غیر منظم رقبوں کو چھوٹے معاشی کھیت بناتے ہیں اور یہاں قوانین چھوٹے ٹکڑوں کو مجتمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

کل کھیتوں کی پچھتر فی صدی تعداد اور ساٹھ فی صدی رقبے پر ۱۹۲۹ء میں مالک کاشتکار کام کرتے تھے۔

ہمارے ملک کی طرح وہاں بھی قانونِ وراثت ایک زمین کے ٹکڑے کو کئی وارثوں میں بانٹتا ہے۔ چنانچہ کھیت ہماری طرح (گو ہماری نسبت بہت کم) غیر معاشی اور منتشر ہونے شروع ہو گئے، چنانچہ ۱۸۶۵ء، ۱۹۱۸ء، ۱۹۱۹ء، اور ۱۹۲۵ء میں ایسے قوانین بنائے گئے کہ جن سے منتشر کھیتوں کے مالکوں کو اپنے کھیت مجتمع کرنے میں مدد ملے۔ یہ

Marfat.com

قوانین بے اثر تو نہیں رہے، لیکن کلی طور پر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ ہر مالک کے مرنے کے بعد کھیت کئی وارثوں میں بٹتا ہے، اور انتشار اور تقلیل دوبارہ اپنا سر اُٹھا لیتے ہیں، چنانچہ اس کے بعد حکومت نے یہ پہلو اختیار کیا، کہ ایک خاص مالیت سے کم کے کھیت ناقابلِ تقسیم قرار دے دیئے۔

مالک کاشتکاروں کی تعداد کو بڑھانے کی ضرورت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا چنانچہ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۸ء میں ایسے قانون بنائے گئے جن سے زرعی بنک (STATE CAISSE NATIONAL DE CREDIT AGRICOLE) قائم کیا گیا، تاکہ معاشی کھیت بنائے جا سکیں، اور ان پر مالک کاشتکار آباد ہوں۔

جرمنی کی زرعی اصلاح پہلی جنگِ عظیم سے پہلے مشرقی جرمنی کی زرعی شکل انگلستان سے ملتی جلتی تھی، جہاں بڑے بڑے زمیندار تھے، جو ٹھیکہ پر کاشتکاروں سے کام لیتے تھے، مغربی جرمنی میں پہلے فرانس سے ملتی جلتی صورت تھی، اور چھوٹے چھوٹے کھیت خود کاشت زمینداروں کے پاس تھے، پہلی جنگِ عظیم کے خاتمہ کے فوراً بعد حکومت نے بڑے زمینداروں کی بیخ کنی شروع کردی، ۱۹۱۹ء کے قانون (LAND SETTLE MENT ACT) نے حکومت کو وسیع اختیار دیئے، کہ وہ بڑی بڑی زمینداریوں کو مناسب معاوضہ پر حاصل کرے، اور پھر اس رقبے کو مالک مزارعوں میں تقسیم کردے۔ اس قانون اور اس قسم کے دیگر اقدامات کی وجہ سے ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۲ء تک قریباً پچیس لاکھ ایکڑ زمین حاصل اور تقسیم کی گئی، اس زمین کا ستر فی صدی تو سو پچاس ایکڑ سے بڑے رقبوں سے حاصل کیا گیا۔ دس اعشاریہ چار فیصدی ڈھائی سو ایکڑ سے چھوٹے رقبوں سے لیا گیا۔ نو فیصدی قومی اداروں سے حاصل کیا گیا، اور تین اعشاریہ چھ فیصدی بنجر اور دلدل زمینوں کی درستی سے مہیا ہوا، ۱۹۳۲ء میں جرمنی میں قابل کاشت رقبہ کا قریباً نوے فیصدی خود کاشت مالکوں کے ہاتھ میں تھا، اور اس کی فی کس زرعی پیداوار دگنی ہو گئی تھی، اور یہ اس چیز کے باوجود ہوا کہ قوم پر بہت سی دل شکن پابندیاں معاہدہ وارسیلز کے مطابق لگا دی گئی تھیں۔[۵]

---

[۱] کونراڈ میئر: پروسیڈنگز آف فقتھ انٹرنیشنل کانفرنس آف ایگریکلچرل اکانومسٹس۔ صفحہ ۵۶۔

دراثت کے وقت کھیتوں کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچانے کے لئے ۱۸۹۶ء میں ایک قانون بنایا گیا جس کے مطابق صرف بڑے بیٹے کو زمین کی ملکیت کا حق دیا گیا، اور باقی وارثوں کو ایک مقررہ بنک ان کے حصّے کی مالیت کے بونڈ دے دیتا تھا، ضمانت خود زمین پر ان وارثوں کا حصّہ ہوتا تھا، ۱۹۳۳ء کا وراثت کا قانون زیادہ اہم تھا، اس کے مطابق ساری زرعی جائیداد جس پر ایک کاشتکار کنبہ کا گزارہ ہو سکے، ناقابلِ تقسیم قرار دے دی گئیں، اس قانون کا مقصد یہ تھا، کہ زمین کے مالک ایک کنبہ کی پرورش کر سکنے والے رقبے کو صرف ایک مستحق وارث کو دے سکیں، رقبہ کی مقدار ہر علاقے میں مختلف تھی، لیکن عام طور پر وُہ اٹھارہ ایکڑ سے کم یا ایک سو پچیس ایکڑ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا، جب ایک رقبے کو ایک دفعہ ناقابلِ تقسیم قرار دے دیا گیا اس کے بعد اسے عام طور پر صرف بڑا لڑکا وراثت میں حاصل کر سکتا تھا، مالک کو اپنے وارثوں کی ترتیب وار فہرست دینی پڑتی تھی، جو لڑکے اور لڑکیاں وراثت نہیں حاصل کر سکتی تھیں، ان کا حق تھا کہ ان کے تعلیم اور شادی کے اخراجات زمین سے پورے کئے جائیں، اگر زمین کا اچھا انتظام نہ ہو، تو وُہ دُوسرے درجے کے وارث کے حوالے کی جاتی تھی، اس قسم کے ناقابلِ تقسیم کھیتوں کی تعداد سات لاکھ ہے، اور وُہ قریب قریب جرمنی کی قابلِ کاشت زمین کے نصف میں پھیلے ہوئے ہیں[1]۔

مسٹر مسعود نے ہماری کمیٹی نوٹ کے اختلافی نوٹ میں جرمن کاشتکاروں پر ان قوانین کا جو اثر ہُوا ہے اس پر ایک انگریز مصنّف کی رائے لکھی ہے، وجرمن کاشتکار ہماری طرح نہیں ہیں، جو عموماً جس زمین پر کام کریں اس پہ کوئی ملکیت نہ رکھیں، بلکہ وُہ خود مالک ہیں، غالباً یہی وجہ ہے کہ وُہ شاید دُنیا کے سب سے محنتی کاشتکار ہیں، وُہ صبح سے لے کر شام تک محنت کرتے ہیں، اور محسُوس کرتے ہیں کہ وُہ اپنے آپ کے لئے محنت کر رہے ہیں، جرمن کاشتکار یہ کڑی محنت اس چیز کے باوجود کرتے ہیں کہ انھیں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، ہر شخص کا اپنا گھر اور باغیچہ ہے، اس کی گذرگاہوں کے کناروں پر بھی درخت لگے ہوئے ہیں، جو عام اور پھل سے اس قدر لدے ہوتے ہیں کہ اسے ان کی شاخوں

---

[1] مرکزی لینڈ ٹینور سسٹمز ان یورپ - صفحہ ۲۳

کے نیچے سہارے کھڑے کرنے پڑتے ہیں ورنہ درخت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں وہ خود اپنا مالک ہے اور اسے اور اس کے کنبے کے ہر فرد کو کام کرنے کی بڑی خواہش ہوتی ہے اس کا نتیجہ آپ کو اس مسلسل محنت میں نظر آتا ہے جو تمام دنیا میں اور کسی کے بس کی نہیں ہے اور اس کی معیشت وہ اس سے بھی زیادہ ہے[1]

مغربی یورپ کے دیگر ملکوں کی زرعی تنظیم

مغربی یورپ کے دیگر ملکوں کی زرعی تنظیم کے اعداد و شمار ۱۹۳۹ء تک کے ملے ہیں۔ اٹلی میں خود کاشت ملکیت کے کھیت قریباً ساٹھ فیصدی ہیں اور چھبیس فیصدی میں کاشتکار عموماً ٹھیکہ پر کام کرتے ہیں۔

بیلجیم میں چالیس اعشاریہ نو فی صدی رقبہ خود کاشت ہے اور انسٹھ اعشاریہ ایک فیصدی ٹھیکہ پر کاشتکاروں کے پاس۔

ہالینڈ میں باون فیصدی رقبہ خود کاشت ہے اور پچاس فی صدی ٹھیکہ پر دیا ہوا ہے۔

سوئٹزرلینڈ میں اسّی فی صدی رقبہ خود کاشت ہے اور باقی مزارعوں کے پاس ہے۔

ڈنمارک میں ستاسی اعشاریہ ایک فیصدی رقبے کے کاشت کرنے والے خود مالک ہیں اور باقی مزارعوں کے پاس ہے۔

ناروے میں پچاسی اعشاریہ سات فی صدی کھیت مالکوں کے ہیں اور باقی مزارعوں کے۔

سویڈن میں اسی فیصدی کھیتوں پر خود کاشت مالک کام کرتے ہیں اور بیس فیصدی مزارعوں کے پاس ٹھیکہ پر ہے۔

ان ملکوں کے زرعی نظام مندرجہ ذیل جدول سے واضح ہیں[2]۔

---

[1] ولیم ہووڈ: کومل اینڈ ڈیسک ٹف آف جرمنی رکھوالہ مسعود کا اختلافی نوٹ۔

[2] مرکنسکی: دی لینڈ ٹینور سسٹم ان یورپ - صفحہ ۲۳

ملک کا نام	خود کاشت	ٹھیکہ مختصر میعاد کا	عمر بھر کا ٹھیکہ	میٹایاگ	کیفیت
اٹلی	۵۹٫۱	۱۴٫۵	–	۱۴	(کھیتوں کی فیصدی)
بلجیم	۴۰٫۹	۵۹٫۱	–	–	(رقبے کی فیصدی)
ہالینڈ	۵۱٫۰	۴۹٫۰	–	–	(″ ″)
سوئٹزرلینڈ	۸۰٫۰	۱۷٫۰	۳٫۰	–	(″ ″)
ڈنمارک	۸۷٫۱	۴٫۶	۱٫۹	۶٫۴	(کھیتوں کی فیصدی)
ناروے	۸۵٫۷	۱۴٫۳	–	–	(″ ″)
سویڈن	۸۰٫۰	۲۰٫۰	–	–	(″ ″)

ان سب میں بلجیم صرف ایسا ملک ہے جس کا خود کاشت رقبہ نصف سے کم ہے باقی ملکوں کے رقبے کی اکثریت خود کاشت مالکوں کے ہاتھ میں ہے، وہ رقبے جو مزارعوں کے پاس ہیں ان میں بھی کمزور کاشت کے نقائص جو ہمارے ہاں عام ہیں عموماً موجود نہیں ہیں اس کی بنیادی وجہ بٹائی کی بجائے ٹھیکہ کا رواج ہے، ٹھیکہ مزارع کو محنت کی طرف اُکساتا ہے، اور محنت کا صلہ اس سے نہیں چھینتا، بٹائی میں محنت کے ہر لمحہ کا نصف کاشتکار کے نقطۂ نظر سے ضائع جاتا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ ان ملکوں میں امداد باہمی کے اصول پر وسیع خطوں میں کام کیا جاتا ہے، امداد باہمی کی وہاں کئی شکلیں ہیں، ایسی انجمنیں بھی ہیں جو سرمایہ، کھاد، بیج وغیرہ مہیا کرتی ہیں، اور ایسی بھی جو زمین کی پیداوار کی فروخت کا انتظام کرتی ہیں، ایسی بھی ہیں، جو زرعی مشینیں اپنے ممبروں کو کرایہ پر مہیا کرتی ہیں اور ایسی بھی جن میں سب ممبر مل کر سب ممبروں کی زمینوں پر کام کرتے ہیں، صرف فصل کاٹنا اپنی اپنی زمین سے ہر ممبر کا اپنا اپنا کام سمجھا جاتا ہے، اور ایسی انجمنیں بھی ہیں جن میں فصل کٹائی بھی مشترکہ ہوتی ہے امداد باہمی کی وجہ سے وہ زرعی سائنس کی نئی ایجادوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

Marfat.com

تیسرا فرق یہ ہے کہ ان ملکوں کا اوسط کھیت بہر حال ہمارے ہاں کے اوسط کھیت سے بڑا ہے، انگلستان کے پچپن فیصدی کھیت بیس ایکڑ سے بڑے ہیں اور اس ملک کا ۹۵ فیصدی رقبہ انھیں کھیتوں پر مشتمل ہے، جرمنی کے ستر فی صدی کھیت پانچ ایکڑ سے بڑے ہیں، اور اس کے چھیانوے فی صدی رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں[1] مغربی یورپ کے باقی ملکوں کا حال کم و بیش جرمنی کے مانند ہے، ڈنمارک کے اوسط کھیت کا رقبہ چالیس ایکڑ ہے، اور سویڈن کے اوسط کھیت کا پچیس ایکڑ[2] اس کے برعکس پاکستان کا اوسط کھیت پانچ ایکڑ کا ہے،

اپنے زرعی مسائل کے حل کی تلاش میں ہم ایک اور بنیادی فرق نہیں بھول سکتے مثلاً ان کے اور ہمارے درمیان تعلیم کے پھیلاؤ کا فرق، اور ان کی معاشرت میں ان کے صنعتی ملک ہونے کی وجہ سے زراعت کی نسبتاً بہت کم اہمیت، زراعت ان کی اقلیت کا پیشہ ہے، اور ہماری بہت بڑی اکثریت کا۔

ان سب باتوں کی وجہ سے (اور آخری بات کے باوجود) ان کی زرعی پیداوار ہم سے بہت زیادہ ہے، فی ایکڑ بھی اور فی کاشتکار بھی، قدرتی طور پر وہ بہتر معیار زندگی اختیار کر سکتے ہیں، اور خود اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے معاشی خوشحالی کا باعث ہیں، ہمارے اور ان کے زرعی نظام کے فرق کی وجہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا اندازہ سوئٹزرلینڈ کے متعلق ایک معاشی ماہر کے مندرجہ ذیل بیان سے واضح ہو جاتا ہے "سوئٹزرلینڈ سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے، کہ جب زرعی عمل کرنے والوں کو ان کی محنت کا پھل ملے تو یہ بہت بڑی آبادی کے لئے بڑی آسائش کا باعث ہوتا ہے، اس طرح کے آزاد کام کرنے والے کردار کی آزادی حاصل کر لیتے ہیں، اشیائے خورد و نوش کی مانگ بڑھتی ہے، تجارت میں ترقی ہوتی ہے، کیونکہ اہل ملک خوشحال ہوتے ہیں اور یہ سب اس کے باوجود ہوتا ہے کہ ملک کی آب و ہوا سخت گیر ہے، اس کی زمین معمولی درجے کی زرخیز ہے، اس کی دستکاری تک قائم

---

[1] سرکنسکی: دی لینڈ ٹینور سسٹمز آف یورپ۔ صفحہ ۱۲ - ۱۳ و ۱۴
[2] مانادتی اور انجاریہ۔ دی انڈین رورل پرابلم صفحہ ۱۰۔

رہتی ہے اور اس کے موسم اتنے بے وفا ہیں کہ وہ کاشتکار کی اُمیدوں کا اکثر خون کر دیتے ہیں، یہ ناممکن ہے کہ آپ وہاں کے غریب سے غریب کاشتکار کے لکڑی کے مکان کو بہ نظرِ استحسان نہ دیکھیں، اس کی وسعت اس کی چار دیواری اور اس کے کھدے ہوئے نقش و نگار سب آپ کو متاثر کرتے ہیں، اب اندر آئیے، وسیع گیلریاں مختلف کمروں کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں، ہر کمرے میں صرف ایک بستر ہوتا ہے، اور پردے اور بستر بے انتہا صاف ہوتے ہیں، اس کے اردگرد فرنیچر بڑی احتیاط سے رکھا ہوتا ہے اور کپڑوں کی الماری کپڑوں سے لدی ہوتی ہے، شیر خانہ وسیع، ہوادار اور انتہائی صفائی کا مظہر ہوتا ہے، اسی چھت کے تلے اناج، نمک، گوشت، پنیر اور لکڑی کے ذخیرے ہوتے ہیں، مال مویشی کے مکان میں آپ کو یورپ میں سب سے زیادہ محنت سے پالے ہوئے جانور ملیں گے، باغ میں پھول لگے ہونگے، اور مرد ہو یا عورت اس نے صاف اور گرم کپڑے پہنے ہونگے اور سب کے چہروں پر صحت اور قوّت کے نشان ہونگے۔"

مشرقی یورپ کی زرعی اصلاح

پاکستان کے لئے اس سے زیادہ سبق آموز مشرقی یورپ کے مختلف ملکوں کے زرعی تجربے ہیں، مغربی یورپ سے امداد باہمی کے ذریعے سائنس کے استعمال کے اور کچھ ہمارے سب حال نہیں ہے، اگر وہاں کھیت بڑے ہیں، تو ہم انھیں اپنے ہاں اُن کے برابر نہیں بنا سکتے کیونکہ ہماری زمین ہی تھوڑی ہے، اسی طرح حالات میں اور بہت سے فرق ہیں جنھیں ہم اوپر دیکھ چکے ہیں جن کی وجہ سے ان کا اندازہ ہمارے لئے زیادہ قابلِ قبول نہیں رہتا' مشرقی یورپ کے حالات زرعی اصلاحات سے پہلے عام طور پر ہم سے بہت ملتے جلتے تھے، وہی زمیندارہ نظام تھا، بٹائی بھی عام تھی صنعتیں بھی نہیں تھیں، اور ملک کی بیشتر آبادی کا ذریعہ معاش زراعت ہی تھی، تعلیمی پسماندگی بھی ہم سے ملتی جلتی ہی تھی، لیکن پہلی جنگِ عظیم کے بعد ان سب ملکوں میں زرعی اصلاحات نافذ کئے گئے جن کا مقصد یہ تھا کہ بڑے زمینداروں سے زمینیں بہت بڑے پیمانے پر حاصل کی جائیں اور کاشتکاروں کو

لہ سماندی ان پولیٹکل اکانومی (بحوالہ اختلافی نوٹ از مسعود صفحہ ۳۹) -

ملکیت میں نے دی جائیں، اس وجہ سے ان ملکوں کی زرعی پیداوار میں اضافہ بھی ہوا اور کاشتکاروں کی پسماندگی میں بڑی کمی بھی واقع ہوئی۔ لیکن ترقی کوئی انقلابی نوعیت کی نہیں ہوئی اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان ملکوں نے کسی قسم کا اشتراک عمل یا امداد باہمی کا اصول کسی بڑے پیمانے پر عام طور پر اختیار نہیں کیا (اس بحث میں ہم روس کے اقتدار کے بعد کے حالات کو نظرانداز کر رہے ہیں، اس وجہ سے بھی کہ اس کی تفصیل ابھی تک واضح نہیں کی گئی، اور اس وجہ سے بھی کہ روسی تجربے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہم اگلے باب میں لگا سکیں گے، جب محض اس سے بحث کی جائیگی)۔

مشرقی یورپ کے تجربے کا سبق

چنانچہ مشرقی یورپ کے ممالک کے زرعی تجربوں میں ہمارے لئے یہ سبق شاید سب سے اہم ہے کہ محض زمین کی ملکیت بدل دینے سے زرعی آمدنیوں میں کوئی غیر معمولی نتائج پیدا نہیں ہوتے بڑے نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کاشتکاروں کو نئی ملکیت دینے کے بعد ایسے اسباب اور ایسی تنظیم مہیا کی جائے جس کے مطابق وہ زرعی مشینیں، کھاد، اعلیٰ بیج، اور آب پاشی کے وسائل حاصل کر سکیں، اور ہر گاؤں کے کاشتکاروں میں وہ اشتراک عمل پیدا ہو جس میں چھوٹے اور بکھرے ہوئے کھیتوں کے مسائل خود بخود حل ہو جائیں، اور سب مل جل کر اپنے علاقے کی زمینوں کو بہترین مصرف میں لائیں اور ان کی تنظیم سائنس کی ایجادات سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے۔

یہ صحیح ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک زمینداری نظام کی جگہ خود کاشت مزارع عام نہیں ہو جاتے، اور جب تک ملکیت بلا شرکت غیرے اس شخص کی نہ تسلیم کر لی جائے، جو زمین میں ہل چلاتا ہے۔ لیکن محض یہ کر لینے سے کوئی جادو ویسا نہیں ہو جاتا، کہ زمین دگنی یا چوگنی فصل دینا شروع کر دے، اس کے لئے بڑی تنظیم، محنت، رہنمائی اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے، اور پھر کہیں زمین سونا اگلنا شروع کرتی ہے، قدرت اپنے قوانین مومن و کافر سب کے لئے ایک ہی رکھتی ہے۔ زمین کی قوت تخلیق سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے زرعی علم ہمیں بہت کچھ سکھاتا،

Marfat.com

لیکن جب تک یہ علم کاشتکار (خواہ وُہ مالک ہی کیوں نہ ہو) تک نہیں پہنچتا اور ادارے کوئی تنظیم وُہ وسائل مہیا نہیں کرتی، جن سے وُہ اِس علم سے عملی فائدہ اُٹھانے کا اہل ہو سکے، اس وقت تک محض ملکیّت بدل دینے سے صرف ایک محدود فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کاشتکار زیادہ دلجمعی سے محنت کرتا ہے، اور زمین کی پیداوار میں اس وجہ سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو جاتا ہے لیکن یہ فائدہ عام طور پر پچیس سے پچاس فی صدی پیداوار کے اضافے تک محدود رہتا ہے۔ اس کے بعد زرعی علم کے مطابق عملی اقدام، فصلوں کی ترتیب، وافر کھاد، اچھے بیج، فصلوں کی بیماریوں کا انسداد، آبپاشی کے وسائل، پھلوں کی پیداوار، شیر خانوں کا قیام، ہل چل کرنی ایکڑ اوسط کاشتکار زرعی آمدنی میں کئی گنا اضافہ کرتے ہیں۔

یہ تو ہم پہلے بھی تفصیل سے دیکھ چکے ہیں کہ یہ سب کچھ کاشتکار کو عملاً مالک بنانے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہاں صرف یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ کاشتکار کو مالک بنانے کے بعد کام ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ اور بہت کچھ کرنا باقی رہتا ہے، تاکہ کاشتکار کتابوں میں لکھے ہوئے زرعی علم کو لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی شکل میں تبدیل کر سکے۔

بہرحال کاشتکار کو زمین کی ملکیّت منتقل کرنا پہلا اہم اقدام ضروری ہے اور چونکہ یہ اقدام بھی خاصا پیچیدہ ہے، اس لئے مشرقی یورپ کی اصلاحات خاص طور سے محلِ نظر ہیں، جنہوں نے اسے بڑے پیمانے پر اپنایا ہے۔

بلغاریہ

اس مُلک کی زرعی آبادی اناسی فیصدی ہے۔ ۱۹۲۱ء میں اس مُلک میں ایسا قانون بنایا گیا جس کے مطابق یہ اُصول تسلیم کیا گیا، کہ زمین کی ملکیّت کاشتکاروں اور زرعی مزدوروں کی ہونی چاہیئے، یا ان غرباء اور مہاجرین کو ملنی چاہیئے جنہیں زرعی تجربہ حاصل ہو لیکن ان کے پاس ناکافی زمین ہو، یا زمین بالکل نہ ہو۔ اس اُصول کو عمل میں لانے کے لئے زمینداروں سے پچھتر ایکڑ فی کنبہ سے زیادہ جو زمین تھی وُہ حکومت نے حاصل کر لی، البتہ ایسی زمینوں کو مستثنےٰ کر دیا گیا جن میں اعلیٰ درجے کی زراعت (جو نمونہ کہی جا سکے) کی جا رہی ہو۔ اس صُورت میں استثنا صرف تین سو پچھتر ایکڑ تک تھی اس

Marfat.com

سے زیادہ ساری زمین حکومت نے لے لی، مالکوں کو زمین کا معاوضہ دینے کا اصول تسلیم کیا گیا، لیکن معاوضہ بڑی زمینوں کے لیے چھوٹی زمینوں کی نسبت کم رکھا گیا۔ اس قانون کا نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ بلغاریہ میں زرعی بے کاری قریباً ختم ہو گئی ہے، اور اب مزارع زرعی آبادی کا صرف ایک فیصدی رہ گئے ہیں[1]۔

ہنگری ہنگری میں بھی ۱۹۱۷ء اور ۱۹۲۰ء میں زرعی اصلاح کے قانون بنائے گئے، اور ان کے مطابق زمینداروں سے ان کے لئے خاصی زمین چھوڑنے کے بعد باقی ماندہ رقبہ حکومت نے حاصل کر لیا، چار ہزار ایکڑ سے زیادہ زمین کے مالکوں سے ایک تہائی زمین لے لی گئی، اور ڈیڑھ ہزار ایکڑ سے زیادہ کے مالکوں سے ایک چوتھائی لے لی گئی، پھر ۱۹۳۶ء میں ایک قانون بنا جس میں حکومت کو اختیار دیا گیا کہ وہ ساڑھے چودہ سو ایکڑ کے اوپر کے مالکوں سے اس سے زائد سب زمین حاصل کرے، علاوہ ازیں حکومت نے کاشتکاروں کو بسانے کے لئے تمام ملک میں حق شفعہ حاصل کر لیا[2]۔

پولینڈ زار کی حکومت کے زمانے میں زرعی آبادی کا اکتیس فی صدی زمین سے محروم تھا، اور زمین کے مالکوں کا نصف فی صدی ملک کی تینتالیس فی صدی زمین کا مالک تھا، ۱۹۱۹ء کے بعد ایسے قانون بنائے گئے جن کے مطابق جاگیریں جبراً خریدی جا سکیں، اور ان کے ٹکڑے تقسیم کئے جائیں، قانون بعض قسم کی جاگیریں کلی طور پر حاصل کرنے کی اجازت دیتا تھا، اور بعض دوسری قسم کی زمینوں میں ایک مقررہ رقبہ سے اوپر کے حصے کو حاصل کرنے کا اختیار دیتا تھا، ۱۹۲۵ء کے قانون کے مطابق زمینداروں کو صرف ایک رعایت دی گئی تھی، اور وہ یہ کہ ان کی زمینیں صرف اس صورت میں حاصل کی جائیں گی، جب وہ اپنی زمینوں کو مناسب ٹکڑوں میں خود کاشتکاروں کے پاس بیچ دیں، زمینداروں کو زمین کا معاوضہ دیا گیا تھا، ان اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ

---

[1] پاکستان مسلم لیگ کی زرعی کمیٹی کی رپورٹ۔ صفحہ ۱۹۔
[2] پاکستان مسلم لیگ کی زرعی کمیٹی کی رپورٹ۔ صفحہ ۲۰۔

Marfat.com

بیاسی فی صدی قابلِ کاشت زمین چھوٹے خود کاشت مالکوں کے پاس ہے، اور اس سے زرعی پیداوار میں چودہ سے چوالیس فی صدی تک کا اضافہ ملک کی مختلف فصلوں میں ہوا ہے[1]۔

زیکوسلوویکیا پہلی جنگ عظیم سے پہلے زیکوسلوویکیا کے زرعی نظام پر بڑے بڑے زمیندار مسلط تھے، اور عام کاشتکار یا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے مالک تھے، یا زمین سے محروم تھے۔ بوہیمیا میں اکاسی فیصدی زمین کے مالکوں کے پاس صرف پچیس فیصدی زمین تھی، موراویا میں اعشاریہ ایک فیصدی مالک تینتیس فی صدی زمین کے مالک تھے، اور پچاس فیصدی کھیت سوا ایکڑ سے بھی چھوٹے رقبے کے تھے، ۱۹۱۸ء میں آزادی حاصل کرنے کے بعد بڑی بڑی زمینداریوں کی معاوضہ کے ساتھ ضبطی کا قانون بنایا گیا، مالکوں کے پاس زرعی زمین کے ۵ء۲ (تین سو چھتر ایکڑ) رہنے دئے گئے اور غیر زرعی زمین کے چھ سو پچیس ایکڑ، بعض غیر معمولی حالات میں اس سے دگنا رقبہ بھی زمیندار کے پاس چھوڑا جا سکتا تھا، قانون میں یہ شق بھی تھی، کہ غیر ملکی زمینداروں کی زمینیں بغیر معاوضہ کے حاصل کی جائیں، ایک دوسرے قانون کے مطابق جن جاگیروں کا انتظام اچھا نہ ہو، ان پر بھی قبضہ کیا جا سکتا تھا۔ نتیجہ کے طور پر زرعی معیشت میں جو ترقی ہوئی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ زرعی آمدنی میں اٹھائیس فیصدی کا اضافہ ہوا حالانکہ زیر کاشت رقبہ میں نو فیصدی کی کمی ہوئی[2]۔

رومانیہ رومانیہ میں بھی ساڑھے بارہ سو ایکڑ سے زیادہ کی تمام زمینوں پر حکومت نے قبضہ کرلیا، اور خود کاشت کھیتوں کا رقبہ کل رقبے کی انسٹھ فی صدی سے بڑھ کر نوّے فیصدی ہو گیا[3]۔

یوگوسلاویہ بلغاریہ میں زرعی اصلاحات سے پہلے بٹائی کا رواج عام تھا، زرعی

---

[1] اگریرین ریفارم ان ویسٹرن کنٹریز (دورا پبلشرز بمبئی) صفحات ۶۴، ۶۵، ۶۹،

[2] اکنامک ڈیویلپمنٹ ان ساؤتھ ایسٹ یورپ - پی-ای-پی صفحہ ۱۴۵

[3] مارگن: ایگریکلچرل سسٹمز آف مڈل یورپ صفحہ ۳۲۳

Marfat.com

قوانین نے اس کا بڑی حد تک خاتمہ کر دیا، اور عام طور پر اکثریت خود کاشت کھیتوں کی ہو گئی۔[۵۱]

بالٹک ملک ان سے زیادہ شدید اقدام بالٹک کے ملکوں میں کئے گئے۔ زمین کی غیر منصفانہ تقسیم کو دُور کرنے کے لئے ایسٹونیا، لیٹویا، اور لتھونیا نے ایسے قوانین بنائے جن سے خود کاشت رقبہ میں بڑا اضافہ ہو سکے۔ ان قوانین سے پہلے اسٹونیا کی آدھی زمین صرف گیارہ سو اڑتالیس زمینداروں کے قبضہ میں تھی۔ اسی طرح آبادی کا ایک فی صدی لیٹویا کی زمین کے اٹھاون فیصدی رقبے پر قابض تھا، لتھونیا کی چالیس فیصدی زمین گنتی کے زمینداروں کے ہاتھ میں تھی۔ ان سب ملکوں نے کاشتکاروں کی رہائی کے لئے جرأت مندانہ اقدام کئے۔ انھیں غلامی اور جاگیرداری کے دیگر اثرات سے آزاد کیا، اور زمین کی ملکیت اور کاشت کو قریب قریب ایک ہی کر دیا، اور قانون میں ایسی گنجائشیں رکھیں کہ پرانا نظام دوبارہ جڑ نہ پکڑ سکے۔ زرعی اصلاحات نے نہ صرف ان ملکوں کے معاشی ڈھانچے کو مضبوط کیا، بلکہ زرعی خوشحالی کے لئے ایک نمونے کی بنیاد پیش کی۔[۵۲] زرعی اصلاحات کے مطابق نئے کھیتوں کے رقبے یہ تجویز ہوئے، اسٹونیا میں پچیس سے سوا سو ایکڑ، زمین کی زرخیزی کے مطابق، لیٹویا میں اوسطاً پچپن ایکڑ اور لتھونیا میں پچیس سے پچاس ایکڑ۔[۵۳]

معاوضہ مقرر کرنے کے مشرقی یورپ کے طریقے اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی یورپ کے تمام ملکوں نے خاصے بڑے پیمانے پر زرعی اصلاحات نافذ کیں ہیں، اور سب کا مقصد یہی تھا، کہ زمین کی ملکیت کاشتکار کو منتقل کی جائے، اور اس مقصد میں عموماً وہ خاصے وسیع پیمانے پر کامیاب ہوئے۔ ان سب ملکوں نے زرعی زمین کے مالکوں سے ان کی بڑی بڑی زمینیں ایک خاص

---

۵۱ سرکنسکی، لینڈ سسٹمز آف یورپ۔ صفحہ ۱۵
۵۲ ایضاً
۵۳ اگیریرین ریفارمز ان ویسٹرن کنٹریز۔ (رورل اینڈ نیشنل بمبئی) صفحہ ۹۱

Marfat.com

رقبہ ان کے پاس چھوڑنے کے بعد حاصل کریں اور انھیں کاشتکاروں میں منتقل کردیا معاوضہ قریباً ہمیشہ دیا گیا لیکن معاوضہ کی مقدار اور ادائیگی کا طریقہ ہر ملک میں مختلف تھا ۔

ہنگری اور پولینڈ دونوں نے پورا معاوضہ ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور اول الذکر نے تو دو تہائی معاوضہ نقد ادا کیا اور باقی رقم پچیس قسطوں میں ادا کی جن پر ساڑھے تین فیصدی سود دیا گیا پولینڈ نے بیس فیصدی معاوضہ نقد ادا کیا اور اسی فی صدی حکومت کے تمسکوں کی شکل میں ۔

زیکوسلوویکیہ نے معاوضہ مقرر کرنے کا یہ اصول بنایا کہ ڈھائی سو ایکڑ سے بڑے بڑے رقبوں کی جو اوسط قیمت ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۵ء کے درمیان فروختوں میں وصول ہوتی رہی ہے وہ قیمت دی جائے لیکن پہلے ڈھائی سو ایکڑ کے بعد ہر ڈھائی سو ایکڑ کی قیمت میں دس فیصدی کی کمی کردی جائے بشرطیکہ یہ کمی تیس فیصدی سے زیادہ کسی صورت میں نہ ہو پینتیس فیصدی نقد ادا کیا گیا اور باقی کا معاوضہ ان کے نام پر معاوضہ کے بنک کے رجسٹروں میں جمع کردیا گیا اس رقم پر سالانہ سود چار فیصدی ٹھیرایا گیا جس میں سے صرف ½ فیصدی سالانہ کی سالانہ ادائیگی کا حکومت نے یقین دلایا ۔

رومانیہ نے معاوضہ زمیندار کی ۱۹۱۷ء اور ۱۹۲۲ء کے درمیان ٹھیکہ کی اوسط آمدنی کا چالیس گنا مقرر کیا اگر زمین چراگاہ کی قسم کی ہو تو اس کا معاوضہ ٹھیکہ کا بیس گنا مقرر ہوا، قیمت کی ادائیگی حکومت کے تمسکوں کی شکل میں ہوئی جن پر پانچ فی صدی سالانہ سود ادا ہونا تھا ۔

یوگوسلاویہ کے دو صوبوں بوسنیہ اور ہرزی گووینا میں معاوضہ کچھ نقد اور کچھ تمسکوں کی شکل میں ادا ہوا، اور باقی صوبوں میں صرف تمسکوں کی شکل میں ۔

اسٹونیا میں معاوضہ زمین کی سالانہ پیداوار کا چند گنا مقرر کیا گیا (فی ربل پیداوار کے لئے ساڑھے سات کراؤن دئے گئے رقم کی ادائیگی سرکاری تمسکوں کی صورت میں کی گئی جو پچپن سال کے لئے تھے اور جن پر قریباً ڈھائی فیصدی سود ادا ہونا تھا ۔

Marfat.com

لیٹویا میں ایک خاص قانون کے ذریعے زمین کا معاوضہ مشروط قرار دیا گیا، اگر کوئی زمیندار قومی تقاضوں کا دشمن ثابت ہو تو اسے کوئی معاوضہ نہیں ادا کیا گیا۔[ل]

مشرقی یورپ کے قوانینِ وراثت میں ترمیم

اِس بنیادی زرعی اصلاح کو پائیدار بنانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان نئے کھیتوں کو وراثت کا دستور تقسیم در تقسیم کے چکر میں نہ پھنسا دے، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قانونِ وراثت میں ترمیم کی گئی۔

پولینڈ کے ۱۹۳۶ء کے قانون کے مطابق جو نئے خود کاشت کھیت زمینداریوں کی تنسیخ کے بعد قائم ہوئے تھے ان کی تقسیم حکومت کے متعلقہ ادارہ کی اجازت کے بغیر بند کر دی گئی۔ ان زمینوں کے علاوہ باقی زرعی جائیدادیں بھی اگر ایک وارث دوسرے وارثوں کو معاوضہ دے کر زمین پر خود کام کرنا چاہے، تو اسے زرعی فنڈ سے معمولی سود پر قرض مل سکتا تھا۔

زیکوسلوویکیا میں زمین کی تقسیم کا قانون بنایا گیا، جس نے وراثت کے قانون کو زرعی زمینوں کے لئے بدل دیا، اس کے مطابق ایک کنبہ کی زمین ناقابلِ تقسیم قرار دی گئی یہ زمین حکومت کی اجازت کے بغیر نہ بک سکتی تھی، اور نہ رہن رکھی جا سکتی تھی، اسی طرح کی پابندیاں ان زمینوں پر بھی لگائی گئیں جنھیں زرعی اصلاحات نے زمین کا مالک بنایا تھا۔

رومانیہ میں ۱۹۳۷ء کے قانون کے مطابق پانچ ایکڑ سے کم رقبے قطعاً ناقابلِ تقسیم قرار دے دیئے گئے۔

مغربی زرعی تشکیل کا ایک جائزہ

مغرب کا زرعی نظام کئی پہلوؤں سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک مغربی یورپ کا نظام ہے، جس میں یورپ کے متمدن ترین ملکوں کے علاوہ امریکہ بھی شامل کیا جا سکتا ہے، دوسرا

[ل] گذشتہ دو صفحوں کی تفصیلیں ان کتابوں سے لی گئی ہیں:-

[۲] سر کنسکی: دی لینڈ ٹینیور سسٹمز ان یورپ، پاکستان مسلم لیگ ایگریرین کمیٹی رپورٹ

Marfat.com

مشرقی یورپ کا زرعی نظام ہے، جس کے حالات اور تقاضے نسبتاً زیادہ شدید اقدام چاہتے تھے، اور یہ اقدام ان ملکوں نے اختیار کئے۔

مغربی یورپ کے بیشتر ملک صنعتی اعتبار سے بہت ترقی یافتہ ہیں، اور ان کی آبادی کی ایک اقلیت ہی زراعت پر گزر اوقات کرتی ہے، لہٰذا قومی معاشی سرگرمیاں عام طور پر صنعت اور تجارت کی ترقی کے لئے ہی کوشاں رہتی ہیں، اس کے باوجود زراعت کو انھوں نے نظر انداز نہیں کیا، اور قریب قریب ہر ملک کی کوشش یہ رہی ہے کہ آہستہ آہستہ زیادہ سے زیادہ زمین کی ملکیت کاشتکاروں میں منتقل ہوتی جائے، اس کوشش میں انگلستان اور امریکہ جیسے ملک بھی شامل ہیں، حالانکہ اول الذکر میں زرعی پیداوار کل ملک کی دولت کی پیداوار کی ایک حقیر کسر ہے، اور موخر الذکر کے وسیع رقبے ابھی زرعی مسائل پیدا ہونے سے اسے محفوظ رکھے ہوئے ہیں، لیکن یہ ملک بھی پیش بندی کے طور پر زرعی اصلاح کی اولیت زمین کی ملکیت کو کاشتکار میں منتقل کرنے میں ہی دیکھتے ہیں، یہی حال مغربی یورپ کے دوسرے ملکوں کا ہے،

مغربی یورپ کے زرعی نظام کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے، کہ امداد باہمی کو انھوں نے بڑی ترقی دی ہے، اور اچھی زراعت کے جو آلات وہ فرداً فرداً مہیا نہیں کر سکتے، وہ انھیں مل جل کر مہیا کر لیتے ہیں، اور اس وجہ سے وہ بڑی حد تک وہ تمام فوائد حاصل کر لیتے ہیں جو مشترک کاشت مہیا کرتی ہے، لیکن امداد باہمی کی اس قسم کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہر جگہ نہیں پائی جاتی، لیکن کم ترقی یافتہ صورتوں میں بھی زرعی پیداوار کو فروخت کرنا اور سرمایہ مہیا کرنے کا اہتمام عموماً ہو جاتا ہے۔

تیسرا پہلو مغربی یورپ کی زراعت کا یہ ہے، کہ وہاں سب سے زیادہ قیمتی فصلیں پیدا کرنے پر زور دیا جاتا ہے، اور اناج اگانا عام طور پر گھٹیا زراعت کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، خاصے رقبے پر مال مویشی پالے جاتے ہیں، اور شیر خانوں کا قیام اچھی زراعت کی جان تصور ہوتا ہے، یہ چیز ان کے لئے اس وجہ سے ممکن ہے، کہ انھیں اناج بہرحال دوسرے ملکوں سے خریدنا ہوتا ہے، اور وہ زیادہ قیمت کی چیزیں دودھ، گوشت، پنیر وغیرہ

Marfat.com

پیدا کر کے کم قیمت کی چیزیں (مختلف قسم کے اناج) خریدنے کو فائدہ بخش سمجھتے ہیں۔

چوتھی ممتاز چیز مغربی یورپ میں زرعی سائنس کی ایجادات کا وسیع استعمال ہے فصلوں کی ترتیب، اچھے بیج اور وافر کھاد کا انتظام وہاں بہت عام ہیں۔

پانچویں چیز جو ان کے نظام کو ہم سے ممیز کرتی ہے، وہ بٹائی کی بجائے ٹھیکہ کا طریقہ ہے، جس کی وجہ سے اقدام کی اولیت کاشتکار کے ہاتھ میں رہتی ہے،

چھٹی چیز ان کے ہماری نسبت اوسطاً بڑے کھیت ہیں، جو کئی ملکوں میں ہم سے کئی کئی گنا بڑے ہیں۔

اِن سب خوبیوں کے باوجود من وعن اسی نظام کو ہم قبول نہیں کر سکتے، ہمارا نظام بہر حال ہمارے ماحول اور ہمارے حالات سے مناسبت رکھے گا، ہمارے کھیتوں کی اوسط بڑی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہماری آبادی اور رقبہ میں یورپ کے حالات کے مطابق ترمیم ناممکن ہے، نہ ہم فوری طور پر اتنی صنعتی ترقی کر سکتے ہیں اور نہ اپنی زمین کو کھینچ کر لمبا کر سکتے ہیں اور جب تک یہ نہ ہو ہمارے ہاں مغربی زراعت کی بہت سی ترقی یافتہ صورتیں محض رقبے کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ناقابلِ عمل ہو جاتی ہیں۔

البتہ امداد باہمی کی ترقی یافتہ شکل ہم کو ان سے ضرور سیکھنی چاہیے خصوصاً وہ انتہائی صورت جس میں امداد باہمی کے ڈانڈے مشترک کاشت سے مل جاتے ہیں، ایسا کرنے کے بعد زرعی سائنس کو عملاً اختیار کرنا ہمارے لئے ممکن ہو سکتا ہے، بشرطیکہ تنظیم، رہنمائی اور مدد مغربی یورپ کی نسبت بہت بڑے پیمانے پر ہمارے کاشتکاروں کے لئے، کیونکہ ہمارے کاشتکار تعلیم میں ان سے بہت کم ہونے کے علاوہ مالی حیثیت میں ان سے کہیں زیادہ مدد کے مقتضی ہیں۔

مشرقی یورپ کے زرعی نظام کو ممیز دینے والی خصوصیت اس کا کاشتکار کو ملکیت منتقل کرنے پر اصرار ہے، اس سمت میں وہ مغربی یورپ سے بھی کئی قدم آگے ہیں (اور مغربی یورپ بھی ہم سے اس سلسلے میں بہتر ہے)، مشرقی یورپ کے قریب قریب ہر ملک نے خود کاشت زمین کا رقبہ کُل رقبے کا قریباً نوے فیصدی کر لیا ہے، اس کے لئے انھوں نے تمام بڑی بڑی زمینداریوں پر حکومت کا قبضہ کرنے کے قانون بنائے، زمینداروں کو عموماً معاوضہ تمسکوں کی صورت میں

دے دیا، اور زمینوں کی ملکیت کاشتکاروں میں منتقل کر دی، جن سے زمین کی قیمت سالانہ اقساط میں وصول کی اور اسی رقم سے حکومت کے تمسکوں کی ادائیگی بھی ہوتی رہی۔

دُوسرا اہم اقدام مشرقی یورپ کے قانونِ وراثت کی ترمیم ہے جس کے مطابق کھیتوں کو منتشر اور چھوٹا ہونے سے روکا گیا۔

لیکن امدادِ باہمی کے اُصول اور زرعی سائنس کے عملی اقدامات میں مشرقی یورپ مغربی یورپ سے پیچھے رہے، جس کی وجہ سے زرعی پیداوار میں کوئی انقلاب انگیز ترقی نہیں ہوئی، اسکی وجہ عوام کی جہالت اور حکومتوں کا اس پہلو کو فروگذاشت کرنا تھا کہ تنظیم اور مدد اور رہنمائی مہیا کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنا ملکیت کاشتکار کو منتقل کرنا۔

بہرحال ملکیت منتقل کرنیکی وجہ سے کاشتکاروں کی معاشی حالت میں خاصی اصلاح ہوئی ایک اس وجہ سے کہ زرعی آمدنی فی ایکڑ تقریباً پچیس فی صدی بڑھ گئی اور دُوسرے اس وجہ سے بھی کہ زمینداروں کو اب کوئی حصہ ادا نہیں کرنا ہوتا تھا۔

مشرقی یورپ ہمیں یہ سبق دیتا ہے، کہ ملکیت منتقل کرنیکے بعد تنظیم، مدد اور رہنمائی مہیا کرنا ہمیشہ ضروری ہوتا ہے اور ان ملکوں میں ان چیزوں کی ضرورت اور بھی زیادہ ہوتی ہے، جہاں کے کاشتکار تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ ہیں اور مالی اعتبار سے زیادہ سرمایہ مہیا نہ کر سکتے ہوں، ان چیزوں کے بغیر محض ملکیت منتقل کرنے سے فوائد بڑے محدود ہو جاتے ہیں، ملکیت منتقل کرنے کو اولیت ضرور حاصل ہے، اور اس بات کو مشرقی اور مغربی یورپ دونوں کے زرعی نظام مانتے ہیں۔ لیکن یہ اولیت اسی طرح کی ہے جیسے کسی چیز کو حاصل کرنے کیلئے اس کی خواہش پیدا کرنا ضروری ہے، جب تک خواہش نہ ہو، وہ چیز حاصل نہیں ہوگی، لیکن محض خواہش کرتے چلے جانا اور اس چیز کو حاصل کرنے کے عملی اقدامات اختیار نہ کرنے سے وُہ چیز نہیں مل جاتی؛

Marfat.com

باب چہارم

مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو

(انقلاب سے پہلے روسی زراعت کی شکل - اصلاحات کا اختیاری دور - اختیاری اشتراک کی ناکامی کے اسباب - زرعی تنظیم میں جبر کی ابتدا - دو نقطہ ہائے نظر - مشترک کھیتوں کے خلاف کاشتکاروں کی جدوجہد - مشترک کھیتوں کی نگرانی کی تنظیم - سیاسی جھتوں کا طریق عمل - حکومت کی پالیسی میں ترمیم اور مشترک کھیتوں کی کامیابی - مشترک کھیتوں کے انتظام کا طریقہ - جھگڑے چکانے کا طریقہ - ایک مشترک کھیت کی ۱۹۳۲ء کی سالانہ رپورٹ - ایک مشترک کھیت کی ۱۹۴۷ء کی سالانہ رپورٹ - روسی زرعی اصلاح پر ایک تنقیدی نظر -)

انقلاب سے پہلے روسی زراعت کی شکل

انقلاب سے پہلے روسی کاشتکار کی حالت ہمارے اوسط کاشتکار سے چنداں مختلف نہ تھی۔ زرعی حالت کے متعلق عام رائے یہی تھی "کہ فصل کی اوسط کیا بلحاظ فی کاشتکار یا فی ایکڑ یورپ میں سب سے کم تھی" وجہ خواہ صدیوں کی زیردستی ہو یا جہالت، آب وہوا ہو یا نسل پشتوں کی غلامی ہو یا وہ مذہب جو چند رسوم کے مجموعہ تک محدود تھا ایک اوسط روسی کاشتکار ایک اوسط سال میں اتنا بھی پیدا نہیں کر سکتا تھا جو اس کے کنبے کو پوری محنت اور قوت دے سکے۔[۱] پھر اس قلیل پیداوار میں اس کے کئی حصے دار بھی تھے، زمیندار کی ادائیگی کے بعد جو بچتا وہ بھی سارا اس کے پاس نہیں رہتا تھا بلکہ اس کا خاصا حصہ سرکاری کارندوں اور سود خوروں کی تجوریوں میں پہنچتا تھا، اگر ہم لمحہ بھر کے لئے اس کی فصل کے حصہ داروں

---

[۱] سڈنی اور بیٹرس وب : سوویٹ کمیونزم صفحہ ۱۸۱-

Marfat.com

کو نظر انداز بھی کر دیں، تب بھی یہ واضح ہے کہ اس کی کاشت کا اسلوب ترقی اور فلاح کی کوئی راہ ان کے لئے نہیں کھولتا تھا، اس کی دقتیں ہمارے اوسط کاشتکار سے کچھ مختلف نہ تھیں، اس کا اوسط رقبہ خاصا چھوٹا تھا، اور وراثت کی تقسیم اسے اور چھوٹا بنا رہی تھی، پھر وہ چھوٹا کھیت بھی یکجا نہ تھا، بلکہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا مجموعہ تھا، جو اکثر ایک دوسرے سے میلوں دور ہوتے تھے، اور محض یہی وجہ ان کے لئے اصلاح کے تمام راستے بند کرنے کے لئے کافی تھی، پھر ہر کاشتکار کے پاس کاشت کا پورا سامان بھی نہیں ہوتا تھا۔[۱] ایک تہائی کاشتکاروں کا تو ہل بھی لکڑی کا ہوتا تھا، اور ایک چوتھائی کے پاس نہ گھوڑا تھا نہ بیل جسے ہل میں جوتا جا سکے۔ کھاد کا استعمال بڑا محدود تھا اور صنعتی کھاد کا تو نام بھی شاید ہی کسی کو معلوم ہو، فصلوں کی کوئی ترتیب نہ تھی، اور زمین کی تیاری پر کم سے کم محنت صرف کی جاتی تھی، مختصر یہ کہ بیسویں صدی کی ابتدا میں مغربی یورپ کے مقابلے میں روسی زراعت ابھی تیرھویں صدی میں ہی تھی۔

اصلاحات کا اختیاری دور

۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد دس سال تک زراعت کی اصلاح زیادہ تر امداد باہمی کے ذریعے سے ہوئی، زمینداروں کے بڑے بڑے رقبے تو بغیر معاوضے کے ضبط کر لئے گئے لیکن مشترک کاشت کی وہ تنظیم جو آج ہمیں روس میں ملتی ہے، بہت سالوں کے بعد بنی، ابتدائی دور میں زرعی تنظیم کے بہت سے تجربے ہوتے رہے، جن میں وہ جبر جو ہمیں بعد میں ملتا ہے، عام طور پر اختیار نہیں کیا گیا، اس اعتبار سے اس ابتدائی زرعی دور کو اختیاری دور کہہ سکتے ہیں۔

نسبتاً خوش حال کاشتکاروں نے خاصے وسیع پیمانے پر امداد باہمی کا تجربہ کیا، ۱۹۲۷ء میں روس میں تقریباً اسی ہزار زرعی امداد باہمی کی انجمنیں تھیں، بعض انجمنیں سرمایہ مہیا کرتی تھیں، بعض فصل کی فروخت کا اہتمام کرتی تھیں، بعض زرعی مشینیں مہیا کرتی تھیں، اور کوئی چالیس قسم کی انجمنیں تھیں، جو مختلف قسم کی فصلوں اور جانوروں کی ترقی سے متعلق تھیں، ان انجمنوں کے ممبروں کی کل تعداد ایک کروڑ تھی، جن میں سے

---

[۱] سڈنی اور بیٹرس وب: سوویٹ کمیونزم صفحہ ۱۸۱۔

Marfat.com

کئی ایک سے زیادہ انجمنوں کے ممبر تھے۔

اس ابتدائی دس سالہ دور میں ہزاروں مشترک کاشت کے کھیت بھی اختیاری طور پر ظہور میں آ گئے تھے، اس اشتراک عمل کی تین قسمیں تھیں، پہلی قسم میں صرف زرعی عمل مشترک ہوتا تھا، سب کاشتکار مل کے ہل چلاتے تھے، اور فصلیں بوتے تھے، لیکن فصل اپنے اپنے حصے کی زمین سے ہر ایک کو ملتی تھی، کیونکہ زمین کی ملکیت مشترک نہیں تھی، صرف زرعی عمل مشترک تھا، دوسری قسم اشتراک کی وہ تھی، جسے آرٹل کہتے ہیں، جس میں علاوہ مشترک عمل کے زمین، ہل اور بیل وغیرہ کی ملکیت بھی مشترک تھی، اس کے علاوہ جانوروں کے ریوڑ بھی مشترک ملکیت میں پائے جاتے تھے، البتہ گھر اور گھر کے ساتھ چھوٹا سا سبزی وغیرہ کی کاشت کا ٹکڑا، مرغیاں اور ایک آدھ گائے وغیرہ شخصی ملکیت میں ہی رہتے تھے۔ تیسری قسم کمیون یا اشتراک کی انتہائی صورت تھی، جس میں شخصی ملکیت بالکل ختم کر دی گئی یہاں تک کہ رہنے کے گھر بھی مشترک تھے، بلکہ بیشتر صورتوں میں کھانا پینا، کپڑا اور زندگی کی تمام سہولتوں کے انتظام بھی مشترک تھے، جس کا یہ مطلب ہے، کہ پیداوار کی تقسیم مشترک اور برابر بھی تھی، اور اچھے کاشتکار اور برے کاشتکار دونوں ایک ہی قسم کے فوائد حاصل کرتے تھے، پہلی اور دوسری قسم کے کوئی دس دس ہزار بڑے بڑے کھیت تھے، اور تیسری قسم کے قریباً ایک ہزار، لیکن ان کھیتوں کے کاشتکار اور امداد باہمی والے کھیتوں کے کاشتکار مل کر بھی کل زرعی آبادی کا صرف ایک تہائی ہی بنتے تھے، گویا دو تہائی آبادی زرعی عمل اسی شکل میں کرتی تھی، جیسے وہ انقلاب سے پہلے کرنے کی عادی تھی، ان کی زندگیوں میں اگر کوئی فرق انقلاب کی وجہ سے پڑا تو وہ یہ تھا، کہ زمینداروں کو اب انھیں کوئی حصہ نہیں دینا ہوتا تھا، لیکن محض یہ چیز اشتراک رہنمائی اور تنظیم کے بغیر زرعی پیداوار میں کوئی انقلابی ترقی کا باعث نہیں بنتی چنانچہ روس کا پہلے دس سالوں کا تجربہ بھی مشرقی یورپ کے ملکوں کے زرعی تجربوں کی طرح ہمارے لئے رہنمائی، تنظیم اور اشتراک کی اہمیت واضح کرتا ہے۔ روس کے خاص حالات ہیں جنھیں ہم ابھی واضح کریں گے، اس اختیاری دور میں زراعت نے اتنی ترقی بھی نہیں کی جتنی وہ

Marfat.com

کسی اور ملک میں کرتا یا جتنی مشرقی یورپ کے ممالک نے کاشتکاروں کو زمین کی ملکیت منتقل کر کے حاصل کرلی تھی، اور یہ اس چیز کے باوجود کہ کئی مشترک کھیت انتہائی ترقی یافتہ زراعت کی مثال بن گئے تھے، لیکن کلی طور پر ملکی زراعت انقلاب سے قبل کی حالت سے چنداں بہتر نہیں ہو سکی۔

اختیاری اشتراک کی ناکامی کے اسباب

سب سے پہلی وجہ تو وہ زرعی پیداوار کی بدحالی تھی جس کی وجہ سے روس میں کبھی بھی خوراک کی افراط نہیں ہوئی، اور ہر سے سالوں میں کم و بیش قحط کی صورت پیدا ہو جاتی رہی ہے۔ یہ بُرے سال مسلسل روسی زراعت پر مسلط رہے ہیں، چنانچہ انیسویں صدی کے پہلے نصف میں سے پینتیس سال ایسے تھے، جن میں فصلیں خطرناک حد تک کم ہوئیں، ۱۸۹۱ء سے ۱۹۱۰ء تک کے بیس سالوں میں سے چار اچھی فصلیں تھیں، تیرہ بُری فصلیں تھیں اور تین سال قحط پڑا۔ روسی انقلاب کے پہلے دس سالوں میں تین اچھی فصلیں تھیں، پانچ بُری فصلیں تھیں، اور دو سال قحط پڑا، قحط اور بُری فصلیں اس طرح روسی زراعت کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں کہ وہ محض اختیاری تدابیر سے اور حکومت کی منظم رہنمائی کے بغیر دور نہیں ہو سکتی تھیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ ان ابتدائی سالوں میں روسی انقلاب نے ابھی جڑیں نہیں پکڑی تھیں، اس انقلاب کے خلاف ملک کے اندر اور باہر زبردست قوتیں سرگرم عمل تھیں، اور بعض ملکوں نے تو فوجی مداخلتیں بھی کیں، تاکہ پرانی صورت حال پھر قائم ہو سکے، ان مضبوط فوجی مداخلتوں کے خلاف روسی فوج کو مسلسل لڑنا پڑا، اور ان لڑائیوں میں جیسا ہوتا ہے، وسیع رقبے ویران ہوتے رہے۔

تیسری اور غالباً سب سے زیادہ محل نظر وجہ یہ تھی، کہ خود کاشتکاروں نے وسیع پیمانے پر حکومت سے عدم تعاون کرنا شروع کر دیا، یہ قابل غور ہے کہ یہ کاشتکار وہی ہیں جنھیں انقلاب کی وجہ سے زمینوں کی ملکیت ملی تھی، ان کی مدد جنگوں میں حکومت کو میسر رہی اور انقلاب کی تحریک میں بھی ان کی ہمدردیاں ہمیشہ انقلابیوں کے ساتھ رہیں اور انھوں نے بالشویکوں کے ساتھ مل کر عارضی حکومت کا تختہ الٹا، پھر جب فوجی مداخلت شروع ہوئی

Marfat.com

تو وہ سرخ فوج میں بڑی شجاعت سے لڑے، لیکن جب انقلابیوں کا اقتدار قائم ہو گیا تو انھیں حکومت کا اپنے مقرر کردہ نرخوں پر غلہ خریدنا بڑا ناگوار گزرنا شروع ہوا، خصوصاً جب اس قیمت سے جو حکومت سے انھیں ملتی تھی، وہ ایسی چیزیں بھی نہیں خرید سکتے تھے، جو انقلاب سے پہلے انھیں میسّر آسکتی تھیں، مشہور مصنّف مارس ہنڈوس اپنی کتاب میں کسی اور بات کی وضاحت کے لئے ایک روسی کاشتکاروں کی مجلس کا ذکر کرتا ہے جس میں وہ خود موجود تھا، اس محفل میں ایک بوڑھا کاشتکار یک لخت اُٹھ کھڑا ہوا، اور پہلے مقرر کی بات کاٹ کر اس نے بلند آواز سے یہ کہا: "میری پینسٹھ سال کی عمر ہے، بالشویکوں نے مجھے زمین دے دی ہے، لیکن میں زمین کو کیا کروں؟ کیا کوئی شخص زمین کھا سکتا ہے؟ میرے پاس گھوڑا نہیں اور میں زمین کو گھوڑے کے بغیر کیا کروں؟" صدر اور دوسرے لوگوں نے اس بوڑھے کو چپ کرانے کی کوشش کی لیکن اس کی گرج بند نہ ہوئی "پرانے زمانے میں زار بھی تھا، زمیندار بھی تھے، اور ان کی ناجائز سختیاں بھی تھیں، لیکن پھر بھی جب میرا گھوڑا مرتا تھا، میں نیا خرید سکتا تھا، اور جوتے بھی اور کپڑا بھی، اب زار بھی نہیں، زمیندار بھی نہیں ناجائز سختیوں والے بھی نہیں — اور پھر بھی نہ کپڑا ملتا ہے، نہ جوتا ملتا ہے، نہ گھوڑا ملتا ہے"[۱]

ان نئے کاشتکاروں کا جنھیں حکومت کی مدد سے زمین کی ملکیت بغیر کسی معاوضے کے مل گئی تھی، خود اسی حکومت کے ساتھ عدم تعاون بڑی قابلِ غور چیز ہے، اور اس عدم تعاون کی وجہ اس بوڑھے کاشتکار نے خاصی واضح کر دی ہے، روسی حکومت نے یہاں ایک بنیادی غلطی کی زمین کی مشترک تنظیم جس کی افادیت علمی اعتبار سے خاصی واضح ہے، اس کو اولیت دینے کی بجائے اس نے صنعت اور تجارت کو قومی ملکیت میں منتقل کر دیا جس کی تمدنی اور اقتصادی افادیت ابھی تک مشکوک ہے نتیجہ یہ ہوا کہ کاشتکار اپنی زمینوں سے جو فالتو اناج پیدا کرتے تھے وہ تو انھیں حکومت کے پاس بیچنے پڑتے تھے، اور قیمت خود حکومت مقرر کرتی تھی لیکن اس اناج کے بدلے جن چیزوں کے خریدنے کی ضرورت ہوتی تھی، مثلاً کپڑے، جوتے وغیرہ وہ انہیں ملتے نہیں

---

[۱] مارس ہنڈوس: ہیومینٹی اپروٹڈ، صفحہ ۱۴۹۔

Marfat.com

تھے، یا اس قیمت پر ملتے تھے جس پر وُہ ان چیزوں کو خرید نہیں سکتے تھے نتیجہ یہ ہوا، کہ زراعت کو ترقی دینے کا جذبہ جسے ذاتی ملکیت ترقی دیتی ہے، فصلوں کی قلیل قوتِ مبادلہ کی وجہ سے سرد پڑ گیا، اور اس نے کاشتکاروں کو اس حد تک عدم تعاون اختیار کرنے پر مجبور کر دیا کہ وُہ بسا اوقات صرف اتنا اگاتے تھے، جو ان کی ضرورت کو کافی ہو یا جس فاضل پیداوار کو وُہ چھپا سکتے ہوں[۱]۔ ۱۹۲۱ء تک حالت اتنی مخدوش ہو گئی کہ لینن نے مجبور ہو کر مبادلہ اور قیمت کو سرمایہ دارانہ طریقہ پر ایک حد تک چیزوں کی مانگ اور مقدار پر مقرر ہونے کے لئے کھلا چھوڑ دیا، اور کاشتکاروں نے اپنے چھپے ہوئے ذخیرے بیچنے کے لئے پیش کر دیئے، لیکن چونکہ زندگی کی عام ضرورت کی چیزیں بہرحال روس میں کمیاب تھیں، اس طریقے سے بھی کاشتکاروں کو محض محدود فائدہ ہوا، اور روسی زراعت انقلاب کے پہلے دس سالوں میں ابھر نہ سکی۔

زرعی تنظیم میں جبر کی ابتداء

حکومت قدرتی طور پر سالہا سال زراعت کی پژمردگی سے بڑی پریشان رہی، کمیونسٹ پارٹی اور حکومت کے مرکزی انتظامیہ میں سالہا سال اس مسئلے پر بحثیں ہوتی رہیں کہ کیا علاج تجویز کیا جائے بالآخر ۱۹۲۷ء میں کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے ایک نئی زرعی پالیسی کا اعلان کیا جس کا ذمہ دار بڑی حد تک سٹالن خود تھا، جیسا کہ ۱۹۲۸ء میں اس نے خود اعلان کیا، اس پالیسی کا مقصد ایک دُوسرا زرعی انقلاب ہے، جس سے انفرادی کاشت دس سال کے اندر اندر بالکل ختم ہو جائے گی، اس کی تشکیل یہ ٹھہری، کہ ایک طرف حکومت خود اپنے انتظام سے بڑے بڑے رقبے کاشت کروائے، جس میں کاشتکاروں کو مزدوری دی جائے، اور دُوسری طرف چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کو مجبور کیا جائے کہ وُہ آرٹل کی قسم کے مشترک کھیت بنائیں، جن میں زمین اور آلات زراعت کی ملکیت مشترک ہوتی ہے، اور پیداوار کی تقسیم مشترک تو ہوتی ہے، لیکن برابر نہیں ہوتی، بلکہ محنت کی نوعیت اور مقدار کے مطابق ہوتی ہے اس طرح حکومت کی نگرانی اور گرفت بھی کڑی ہو سکتی تھی، کیونکہ کھیتوں کی تعداد بجائے

---

[۱] سڈنی اور بیٹرس وب: سوویٹ کمیونزم صفحہ ۱۸۳۔

Marfat.com

ڈھائی کروڑ کے چند لاکھ رہ گئی' پہلے انقلاب میں جو خود کاشت رقبوں کے مالک زمیندار تھے ان سے زمین نہیں چھینی گئی تھی، وُہ قدرتی طور پر مشترک کھیتوں کے بڑے خلاف تھے، چنانچہ اس کا فیصلہ بھی کر لیا گیا، کہ حکومت ان پر شدید ٹیکس لگائے، اور حکومت کے ٹریکٹروں اور مشینوں کے استعمال کا موقع انھیں نہ دیا جائے، اور دیگر ہر طرح انھیں پریشان کیا جائے حتیٰ کہ وُہ بحیثیت جماعت ختم ہو جائیں، اس پالیسی پر ۱۹۲۸ء سے رُوس کے وسیع رقبے پر عمل درآمد شروع ہے، اور اب وہاں صرف مشترک کھیت ہیں جنھیں کہنے کو تو کاشتکاروں نے اپنی مرضی سے بنایا ہے، لیکن حقیقت میں اُنھوں نے شدید پروپیگنڈے اور خاصے سخت مقامی دباؤ سے مجبور ہو کر اپنے چھوٹے کھیتوں کو بڑے بڑے کھیتوں میں ضم کر دیا ہے"۔[۱]

دو نقطہ ہائے نظر حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے کاشتکار کے نقطۂ نظر کو سمجھنے اور اس کی دقت کو دُور کرنے کی بجائے اپنا نقطۂ نظر جبراً ان پر ٹھونسا، یہ ٹھونسنا کچھ آسان کام نہیں، کروڑوں کھیتوں اور کروڑوں کاشتکاروں کو ایک ایسے نظام میں جکڑنا تھا جسے انکی اکثریت قبول کرنا نہیں چاہتی تھی، اس نظام کو قائم کرنے کے لیئے لاکھوں کاشتکاروں سے انکی زمینیں چھیننا پڑیں، اور جبر و تعدی نے کوئی حد قائم کرنا اپنے لیئے مناسب نہ سمجھا۔

یہ چیز نہیں بھولنی چاہیئے کہ ان کاشتکاروں کی بڑی اکثریت انقلاب کے ساتھ ہمدردی رکھتی تھی، انقلاب کے بعد کی جنگوں میں ان کی ہمدردی سُرخ فوج میں انکی غیر معمولی شجاعت کی شکل میں قائم رہی، پھر اس ہمدردی میں یک لخت اس حد تک کمی واقع ہوئی کہ وسیع رقبوں میں کاشتکاروں کی اکثریت نے حکومت سے عدم تعاون شروع کر دیا۔

یہ عدم تعاون اسی وجہ سے تھا، جو ہم اس بُوڑھے کاشتکار کی زبانی سُن چکے ہیں جس نے کہا کہ اب زار بھی نہیں، زمیندار بھی نہیں، ان کی ناجائز سختیاں بھی نہیں، پھر بھی نہ مجھے جوتا ملتا ہے، نہ کپڑا، نہ گھوڑا، یہ واقعہ ۱۹۲۸ء کے پہلے کے رُوس کا ہے، جب اتنی بات کہی جاسکتی تھی، دوسرے زرعی انقلاب کے بعد اگر کوئی ایسی بات کہتا تو اسے تخریب پسند اور انقلاب کا دشمن قرار دیا جاتا، اور ایسے بڑے جرم کے لیئے جو سزا مناسب ہے وُہ اسے مل

---

[۱] سڈنی اور بیٹرس وب: سوویٹ کمیونزم صفحہ ۱۸۸۔

Marfat.com

جاتی، لہٰذا آہستہ آہستہ کاشتکاروں نے اس قسم کے اعتراض کرنے بند کر دئیے لیکن محض زبان بندی سے تو حالات نہیں بدل جاتے، صورتِ حال کی اصلاح کرنے کی بجائے حکومت نے جبر کا سہارا لیا، جس کی وجہ سے ایک لمبے عرصے تک روسی زراعت میں وہ نکھار اور جوبن پیدا نہ ہوا جو عام حالات میں پیدا ہونا ضروری تھا۔

ہر کاشتکار زمین پر محنت اسی لئے کرتا ہے کہ اسے اس سے اچھی فصل ملے، اور اس فصل سے وہ اپنی ضرورت کی چیزیں اپنے پاس رکھ کر باقی فصل بیچے جس سے وہ دیگر ضروریاتِ زندگی خرید سکے، زمین پر محنت کرنے اور اچھی فصل پیدا کرنے کی آرزو سرد پڑ جاتی ہے، جب زمیندار کو اس محنت کا پھل دینا پڑے، یا وہ فالتو فصل حکومت کے نمائندے من مانی قیمت پر خرید لیں، اور من مانی قیمت پر حکومت کے نمائندوں سے کاشتکاروں کو اپنی ضرورت کا سامان خریدنا پڑے، اس معاملے میں جاگیرداری کا نظام ہو یا اشتراکی نظام جہاں بھی کاشتکار کے ساتھ معاشی ناانصافی ہو گی زمین اپنے جوہر نہیں اُگلے گی۔

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ہر کاشتکار کی فالتو فصل اس کے ذہن میں کپڑے، جوتے، نمک، تیل اور دیگر ضروریاتِ زندگی کا بدل ہوتی ہے، وہ زیادہ محنت اس لئے کرتا ہے کہ علاوہ ان چیزوں کے وہ شاید تھوڑا بہت آرائش کا سامان بھی خرید سکے، یا شاید وہ اچھی گائے یا بھینس رکھ سکے، لیکن اگر ایک نیا نظام اس کی فصلیں دُگنی تگنی کرنے کا وعدہ کرے، لیکن کپڑے اور جوتے کی قیمت دس گُنا وصول کرے، تو اس نظام سے تعاون کرنا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے، آپ لاکھ اس کاشتکار کو انقلاب کا دشمن بتائیں لیکن وہ درحقیقت ناانصافی کا دشمن ہے، وہ زار اور زمیندار کا دشمن تھا کیونکہ وہ اس کی فصل کے بڑے حصے کو اپنی زمین کی ملکیت کی بنا پر اس سے چھین لیتے تھے، وہ سُرخ فوج میں لئے لڑا کہ زمین کی ملکیت پھر کہیں زمینداروں کی نہ ہو جائے اس کے بعد وہ انقلاب سے اس لئے عدم تعاون کرنے پر مجبور ہوا، کہ اس کی ایک من فصل کے مقابلے میں جتنے گز

Marfat.com

کپڑا ملنا چاہیئے اب اسے مثال کے طور پر صرف اتنی گرہ ملتا تھا اس کے نقطۂ نظر سے دیکھیئے، تو زمیندار بھی غاصب تھا، اور انقلاب بھی غاصب' ایک کھلم کھلا اس سے بٹائی لیتا تھا، دوسرا ناجائز منافع بازی کر کے اس سے بھی زیادہ لے جاتا تھا۔

کاشتکار کی سیاست مسلسل اس کے پیٹ میں رہی ہے، جو اسے فائدہ دے وہ اس کے حق میں ہے، جو اسے نقصان دے وہ اس کے خلاف ہے' اگرچہ سیاست کا بہتر مقام انسان کے پیٹ کی بجائے اس کا ضمیر ہے' لیکن مظلوم لوگ جب پیٹ والی سیاست کو اپناتے ہیں، تو وہ انصاف سے زیادہ دور نہیں ہوتے' اور پھر ان کو برا بھلا کیوں کہا جائے، آخر کتنے ہیں، جن کی سیاست ان کے ضمیر سے ابھرتی ہے؟ جب اہل ثروت اور ارکانِ حکومت بھی اپنی سیاست کو پیٹ کے بل چلائیں' وہ ظالم اور جابر بن جاتے ہیں، کاشتکار تو ابھی اس منزل میں نہیں پہنچا، جہاں ہم اسے اس کے ضمیر کی طرف متوجہ کریں' اس کا ضمیر بھی ابھی مردہ نہیں ہوا' کیونکہ وہ مظلوم ہے، ضمیر تو ظالموں کے مردہ ہوتے ہیں۔

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے' کہ روسی حکومت نے کاشتکاروں کو عدم تعاون پر مجبور کرنے کی بجائے اور پھر اس عدم تعاون کو جبریہ تنظیم کی گرفت میں جکڑنے کی بجائے کاشتکاروں کے ساتھ اشتراکِ مقاصد پیدا کیوں نہ کیا، آخر بنیادی اشتراک تو موجود ہی ہے، کاشتکار بھی زمین کی ملکیت چاہتے تھے، حکومت بھی زمین کی ملکیت انھیں دینا چاہتی تھی، کاشتکار بھی فصلیں بڑھانا چاہتے تھے، حکومت بھی اس کام میں انکی مدد کرنا چاہتی تھی، مقاصد میں اختلاف تو صرف اتنا تھا، کہ کاشتکار ان فصلوں کے بدلے اپنی ضرورت کی چیزیں مناسب قیمتوں پر حاصل کرنا چاہتے تھے' کیا یہ حکومت کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ ایسا کر سکتی' تاکہ جبر و تعدی کی پالیسی اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اس چیز کا جواب دینے کے لئے روسی نظام پر ایک چھچھلتی نظر ڈالنی پڑتی ہے' روسی نظام اصل میں تمام آلاتِ پیداوار کو قومی ملکیت میں منتقل کرنے کا نام ہے' تمام پیداوار مبادلہ اور تقسیم حکومت کے انتظام میں ہوتا ہے' اور اگرچہ اس طریقے سے کئی جہتوں میں نئے پڑے

تعمیری کام ہو جاتے ہیں، لیکن کئی سمتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو تشنہ عمل رہ جاتی ہیں، آخر کرۂ ارضی کے چھٹے حصے پر جب کروڑوں آدمیوں کی زندگیوں کی معاشی ضروریات کی ہر پہلو سے منصوبہ بندی کی جائے تو غلطیاں ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے، دُنیا کے چوٹی کے صنعتی اور تجارتی ادارے بھی غلطیاں کرتے ہیں، اور ان کی غلطی کا نقصان زیادہ تر صرف انھیں ہوتا ہے، لیکن جب حکومت خود ایک احد صنعتی اور تجارتی ادارہ بن جائے اور اس کی اجارہ داری کروڑوں مربع میل پر پھیلی ہوئی ہو، تو اس کی غلطیاں اس سارے رقبے میں بسنے والوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

جب یہ نظام شروع ہوا تو روس نے صنعتی ترقی پر بڑا زور دیا، لیکن اس صنعتی ترقی میں زندگی کی عام ضرورت کی چیزیں پیدا کرنے کی بجائے آلاتِ صنعت پیدا کرنے پر زیادہ زور دیا گیا تاکہ مزید صنعتی ترقی کے راستے کھل جائیں اور روس مشینوں کے لئے کسی ملک کا محتاج نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ کپڑے، جوتے وغیرہ کی قلت خاص طور پر ملک میں ہو گئی، اگر سرمایہ دارانہ نظام ہو تو فوراً کپڑے اور جوتے کے کارخانے بننے شروع ہو جائیں، لیکن حکومت کی منصوبہ بندی ابھی اس کی اجازت نہ دیتی تھی، جب کسی چیز کی مانگ زیادہ ہو، اور مقدار کم ہو، تو سرمایہ دارانہ نظام میں بھی اس کی قیمت چڑھ جاتی ہے، اشتراکی طریق عمل یہ ہے کہ ہر چیز کی پیداوار اور مانگ کا جائزہ لیا جاتا ہے، اور جب مانگ زیادہ ہو تو چیز کی فروخت پر ایک طرح کا سیلز ٹیکس لگا دیا جاتا ہے، چنانچہ روس میں سو سو دو دو سو فی صدی تک سیلز ٹیکس لگایا جاتا ہے تاکہ قیمت کی گرانی سے کمیاب چیز کی مانگ کم ہو جائے، اور چیز کی مقدار اور مانگ قریب قریب برابر ہو جائیں، چنانچہ روسی حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی سیلز ٹیکس ہے، شروع میں تو سیلز ٹیکس ایک ضرورت کو پورا کرنے کا ایک راستہ ہوتا ہے پھر جب حکومت کی آمدنی کی ضروریات بڑھیں، تو سیلز ٹیکس کبھی کبھی خود ایک ضرورت بھی بن جاتا ہے، آخر اربوں روپے کی آمدنی کیوں چھوڑی جائے؟ کیوں نہ زندگی کی ضروریات کی مقدار ہمیشہ مانگ سے کم رکھی جائے؟ سرمایہ دارانہ نظام میں اجارہ دار ہمیشہ یہ کرتے آئے ہیں، کہ چیزوں کی پیداوار مانگ سے کم رکھ کر منافع بازی کی جا سکے، اور جب اجارہ داری پورے ملک پر خود حکومت کی ہو، تو منافع بازی کی

Marfat.com

آرزو سرد نہیں ہوتی، اس کے سوا اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ آج تک روس میں مختلف وقتوں میں مختلف قسم کی ضروریات زندگی کمیاب ہی رہتی ہیں، کبھی کپڑے اور بوٹ نہیں ملتے اور کبھی موزے اور بنیان بے حد گراں ہوتے ہیں، کبھی سوئی ناپید ہوتی ہے اور کبھی گارڈر اور سیمنٹ

کاشتکار کی ضرورت کی چیزوں کی کمیابی اور گرانی خواہ منصوبہ بندی کی غلطی کی وجہ سے ہو، یا عمداً اختیار کی گئی ہے، یہ واضح ہے کہ یہی چیز روسی زرعی نظام کی علمی نقطہ نظر سے بہترین تنظیم کے باوجود اس کی عملی کامیابی کے راستے کا روڑا بن گئی، اس رکاوٹ کو دور کرنے کی صورت تو یہ تھی، کہ مبادلہ بڑی حد تک آزاد کر دیا جاتا، کاشتکار جس قیمت پر چاہتا اپنی فصل فروخت کرتا اور جہاں سے چاہتا اپنے کپڑے اور جوتے خریدتا، لیکن جب آپ اس سمت میں ایک قدم اور سوچیں تو نظر آتا ہے، کہ مبادلہ کی مکمل آزادی خود تعمیری عمل کی آزادی چاہتی ہے، اگر کپڑے اور جوتے تو حکومت کے منصوبے کے مطابق ہی بنیں، اور مانگ اس منصوبے پر چنداں اثر انداز نہ ہو، تو محض مبادلہ کی آزادی سے کپڑوں اور جوتوں کی مقدار بڑھ نہیں سکتی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ روسی حکومت صرف اسی صورت میں کاشتکاروں سے اشتراک مقصد پیدا کر سکتی تھی اگر وہ صنعت و تجارت کے کم از کم ایک حصے کو قومی ملکیت سے آزاد کر دے، ظاہر ہے کہ یہ کرنا بالشویک حکومت کے لئے ممکن نہ تھا، جس کا مقصد اور منتہا ہی تمام آلاتِ پیدائش اور تمام مبادلہ اور تقسیم کو قومی ملکیت میں دینا ہے۔

مختصر یہ کہ روسی زرعی تجربہ جن دقتوں سے دوچار ہوا، اُنکی وجہ زرعی نظام کی کوئی خامی نہ تھی بلکہ زرعی نظام سے باہر تجارت اور صنعت کی قومی ملکیت تھی، جو سبق ہمیں روسی زراعت سے ملتے ہیں، ان میں یہ شاید سب سے اہم یہ ہے، کہ زرعی اشتراکِ عمل کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ حکومت تمام آلاتِ پیدائش اور مبادلہ اور تقسیم کو اپنی تحویل میں نہ لے، اور ان چیزوں میں وہ صرف اس حد تک دخل دے جس حد تک ملکی اور قومی مصلحتیں اس کے لئے ایسا کرنا ضروری بنا دیں۔

مشترک کھیتوں کے خلاف کاشت کاروں کی جدوجہد

جب حکومت نے کاشتکاروں کے عدم تعاون کو روکنے کے لئے ان کو مشترک کھیتوں کی تنظیم میں جکڑنا چاہا، جس میں ان پر نگرانی زیادہ کڑی رکھی جا سکے تو کاشتکاروں نے

Marfat.com

حکومت کے پروگرام کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کی، ایک اوسط کاشتکار نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان مشترک کھیتوں میں اس کی رہی سہی آزادی بھی سلب ہو جائے گی، اپنے مویشی ذبح کرنے شروع کر دیئے، بجائے اس کے کہ وہ مشترک کھیتوں کی ملکیت بنیں۔ "صرف وسط ۱۹۲۹ء سے وسط ۱۹۳۰ء تک چھ کروڑ مویشی ذبح کئے گئے، جو کل مویشیوں کی آبادی کا ایک چوتھائی تھے، اس سے اگلے دو سالوں میں آٹھ کروڑ مویشی اور ذبح ہو گئے، ۱۹۳۳ء میں روس میں مویشیوں کی تعداد ۱۹۲۹ء کے مقابلے میں نصف سے بھی کم تھی"۔[1]

اس جبری مشترک کھیت بنانے کی پالیسی کو کامیاب بنانے کے لئے حکومت کے کارندوں نے حکومت کی خواہش سے بھی زیادہ جبر استعمال کیا، پہلے سال میں صرف بیس فیصدی کھیتوں کو مشترک بنانے کا خیال تھا، لیکن عملاً کوئی پچپن فیصدی مشترک بنا لئے گئے، ان سب کھیتوں کی تنظیم اور نگرانی کے لئے حکومت ابھی تیار نہیں تھی، چنانچہ نئے مشترک کھیتوں میں سے آدھوں کو ٹریکٹر بھی نہیں دیئے جا سکے۔

حکومت کے کارندوں کا اشتیاق ضرورت سے زیادہ تھا، ایک طرف تو انھوں نے قطعی جبر استعمال کرنا شروع کیا تاکہ ہر کاشتکار مشترک کھیتوں میں شامل ہو جائے اور دوسری طرف ان مشترک کھیتوں میں سے جو جو کامیاب ہوا اس سے حکومت کے نام پر بار بار شدید محاصل اور مالیئے وصول کرنے شروع کر دیئے۔

ردعمل خاصا شدید تھا، شروع میں تو کئی کاشتکاروں نے کمیونسٹ پارٹی کے ممبروں اور حکومت کے اہلکاروں کو قتل کیا، لیکن جب جوابی سختی کی گئی، تو خاموش عدم تعاون کو سب سے کامیاب ہتھیار سمجھا گیا۔ یوکرین کے کاشتکاروں نے مشترک کھیتوں میں سے فصلیں چرانی شروع کر دیں، اور پھر انھیں چھپی جگہوں میں ذخیرہ کرنا شروع کیا، تاکہ حکومت کے کارکن فصل نہ حاصل کر سکیں، اگرچہ اس جرم کی سزا بھی موت رکھی گئی پھر بھی وسیع پیمانے پر فصلوں کی چوری جاری رہی اور یوکرین میں ۱۹۳۱ء کی وصولی بھی ناکام رہی اور ۱۹۳۲ء میں اس سے بھی زیادہ، کئی بڑے رقبوں پر فصل بونے کے دنوں میں عمداً کام نہیں کیا گیا اور

---

[1] سڈنی بیٹرس ویب: سویٹ کمیونزم صفحہ ۱۸۳ -

Marfat.com

جنوب میں تو بیس، چالیس بلکہ پچاس فیصدی تک فصل یا تو کاٹی ہی نہیں گئی، یا دانہ علیحٰدہ کرنے کے دوران میں اسے تباہ کر دیا گیا۔" [۱]

بات کچھ اتنی بگڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی، کہ حکومت نے محسوس کیا، کہ کاشتکاروں کے ساتھ قدرے نرمی کا سلوک کرنا ضروری ہے، چنانچہ سٹالن نے خود ایک مضمون پراودا میں لکھا جس میں حکومت کے کارندوں اور پارٹی کے کارکنوں کو جبر کی پالیسی اختیار کرنے پر ڈانٹا۔ اس مضمون میں واضح کیا گیا، کہ مشترک کھیتوں میں شمولیت اختیاری ہے، اور شامل ہونے کے بعد علیحدہ ہونے کا حق بھی حاصل ہے، نیز ہر کاشتکار کو اپنے جانوروں کی مقدار کے مطابق مشترک کھیت کے فوائد سے حصّہ ملنا چاہیئے۔" [۲] علاوہ جبر میں کمی کرنے کے جس سے کاشتکاروں کا تعاون حاصل کرنا مقصود تھا، حکومت نے ایک بہت بڑی تنظیم تیار کی جو مشترک کھیتوں کی مکمل نگرانی کر سکے۔

مشترک کھیتوں کی نگرانی کی تنظیم

اس تنظیم کی وسعت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ جاننا چاہیئے، کہ جس وقت اسے زرعی کشمکش کے علاج کے طور پر استعمال کیا جانا شروع ہوا (۱۹۳۳ء) اس وقت روس میں دو لاکھ گیارہ ہزار مشترک کھیت تھے، جن کا مجموعی رقبہ اکیس کروڑ ایکڑ سے ذرا زیادہ بنتا تھا، ان کھیتوں پر قریباً ڈیڑھ کروڑ کاشتکاروں کے کنبے آباد تھے، اور ان کنبوں کی مجموعی آبادی سات کروڑ نفوس بنتی تھی۔

مرکزی کابینہ میں دو نئے وزیروں کا اضافہ کیا گیا، ایک جو مشترک کھیتوں کی نگرانی کا ذمہ دار ہو، اور دوسرا جو سرکاری کھیتوں کی نگرانی کرے، پھر ہر جمہوریت میں ایک زمین کے انتظام کا محکمہ موجود تھا، جس کا کام زارا اور زمینداروں کی زمینوں کی کاشتکاروں میں تقسیم تھا، اس کا کام اب ایک طرح سے ختم ہو چکا تھا، اسے یہ نیا کام سونپا گیا، کہ وہ اپنے اپنے علاقے میں مرکزی وزارت کے احکام کے مطابق ہر قسم کے کھیتوں کی نگرانی کرے، یہ محکمہ

---

[۱] آئی زاک مزیا۔ یو کرینیا انڈر بولشویک رول (سلیوونک ریویو) صفحات ۳۴۲، ۳۴۳۔

[۲] جوزف سٹالن: کامیابی کا غرور (پراودا) مارچ ۲، ۱۹۳۰ء۔

Marfat.com

ہر کھیت کے لئے پیداوار کی ایک مقدار مقرر کر دیتا تھا، اور پھر اس پیداوار کو مہیا کرنا ہر کھیت کا فرض ہو جاتا تھا، ناکامی کی صورت میں ہر کھیت کا انتظام کرنے والوں کے لئے سخت جوابدہی کرنی ہوتی تھی، اور اگر کوئی قابلِ قبول وجہ ناکامی کی نہ بتا سکیں تو سزا کے مستحق بن جاتے تھے۔

علاوہ ازیں ہر گاؤں کی سوویٹ یا مجلس (جس میں کمیونسٹ پارٹی کا عنصر غالب ہوتا تھا) کا یہ فرض ٹھیرایا گیا، کہ وُہ اپنے حلقے کے کھیتوں کے انتظام پر نظر رکھیں تاکہ غذا کی کمی کا پھر کبھی خطرہ نہ پیدا ہو، اگر کوئی کھیت اچھا کام نہ کرے تو اس حلقے کی مجلس کے صدر کا بھی جواب طلب ہوتا تھا، اور سزا ملتی تھی۔

ایک تیسرا نگرانی کرنے والا شعبہ خود زرعی مشینوں کے سٹیشن بن گئے، ان کی تعداد اور انکی مشینوں کی تعداد اب بہت بڑھ چکی تھی، ہر سٹیشن پچاس سے ایک سو کھیتوں تک کی نگرانی کا ذمہ دار ٹھیرایا گیا، ہر سٹیشن میں پچاس سے سو تک ٹریکٹر اور دیگر زرعی مشینوں، ان کو چلانے والے اور ان کی مرمت کرنے والے تھے، ہر سٹیشن کو چونکہ فصل کی پیداوار کے مطابق حصّہ ملتا تھا، اس لئے بھی اچھی فصل حاصل کرنے کی انھیں خود خواہش ہوتی ہے، چنانچہ وُہ ہر کھیت کے انتظامیہ کے ساتھ مل کر ایک سال کا پورا منصوبہ بناتے تھے اور پھر زمینوں کے مختلف ٹکڑوں پر اس منصوبہ کے مطابق ھل چلاتے تھے، فصل کاٹنا اور دانے کو خوشوں سے علیحدہ کرنا بھی ان کا کام تھا، ہر کام کے لئے وُہ اس کھیت سے پہلے سے مقرر کردہ شرح کے مطابق فصل کا حِصّہ لے لیتے تھے۔

چوتھا قدم یہ اُٹھایا گیا، کہ تین ہزار نئے ادارے قائم کئے گئے جن کا نام "سیاسی حصّے" رکھا گیا، ان اداروں کے لئے کمیونسٹ پارٹی کے پچیس ہزار افراد چُنے گئے، جو اپنے اخلاص اور جرأت کے اعتبار سے سب سے زیادہ قابلِ قبول ہوں، ان "سیاسی حصّوں" کو تین ہزار مختلف جگہوں میں بھیج دیا گیا، ان کا کام یہ تھا، کہ وُہ کھیتوں کے انتظامیہ، ٹریکٹر سٹیشنوں، گاؤں کی مجلسوں، اور حکومت کے عملہ کی نگرانی کریں، اور دیکھیں کہ کیا سب اپنے اپنے فرائض کو صحیح رنگ میں سرانجام دے رہے ہیں یا نہیں، عام طور پر یہ "سیاسی حصّے" علاوہ نگرانی کے خود بھی

Marfat.com

کسی نہ کسی شکل میں کھیت کے انتظامیہ میں شامل ہو جاتے تھے، اور ایک پرچہ بھی نکالتے تھے، جس میں اچھے کارکنوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی، اور عدم تعاون کا اظہار کرنے والوں کو تنبیہہ کی جاتی تھی، حکومت کے اس چہار طرفہ حملہ سے روس کی زراعت مکمل طور پر حکومت کی گرفت میں آگئی، اور عدم تعاون کرنا روز بروز مشکل ہوتا گیا۔

"سیاسی حصوں" کا طریقِ عمل

"سیاسی حصوں" کی تقرری کے وقت جو احکام انھیں دیئے گئے، ان کا مرکزی فقرہ بڑا اہم ہے، ان کا کام یہ تھا، کہ "وہ مشترک کھیتوں کو بالشویک کھیت بنائیں، اور کاشتکاروں کو خوشحال بنائیں[1]" اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے اس بڑے مشکل کام کو انتہائی سرگرمی اور اشتیاق سے سرانجام دیا۔

ماسکو کے ایک روزنامے نے ان کے کام کرنے کا طریقہ یوں بیان کیا ہے: "جب ایک مشترک کھیت کی فصل کٹ چکتی ہے، تو "سیاسی حصہ" احکام صادر کرتا ہے، کہ کتنا غلہ حکومت کو ادا کرنا چاہیئے، اور حکم نامہ میں اس کھیت کی گذشتہ اور موجودہ سرگرمیوں کا پورا جائزہ لیا جاتا ہے، اور آئندہ کے ارادے واضح کئے جاتے ہیں، تمام کامیابیاں بیان کی جاتی ہیں، ہر کھیت کے خاص مسائل سے بحث کی جاتی ہے، اور آئندہ کے لئے ہدایات دی جاتی ہیں، ان ہدایات کے متعلق بتا دیا جاتا ہے، کہ کیا ان پر عمل درآمد کرنے کے لئے ضلع کے مشترک کھیتوں کے انتظامیہ کی منظوری لینے کی ضرورت ہے یا نہیں، حکم نامے کی ابتدا اس رپورٹ سے ہوتی ہے، کہ کیا حکومت کو غلہ کی ادائیگیاں پوری ہوتی ہیں یا نہیں، اس سلسلے میں پورے اعداد وشمار دے جاتے ہیں، اور اس سلسلے میں اس کھیت کی کامیابی کا موازنہ اس کی اپنی تاریخ اور اس ضلع کے دوسرے کھیتوں سے کیا جاتا ہے، اس کے بعد مشترک کھیت کو یاد دلایا جاتا ہے، کہ اس نے فصل کے اتنے حصے کی ادائیگی، ٹریکٹر سٹیشن کو زرعی مشینوں کے استعمال کے لئے معاہدہ کے مطابق کرنی ہے، اس کے بعد حکم نامہ کھیت کی مشترک ضروریات کا جائزہ لیتا ہے، اور اس کے بعد کھیت کے اندر ہر قسم کے گروہوں کا

---

[1] ایم کارا وائی - دی پولیٹوڈل - صفحہ ۱۵۰

اور بالآخر بعض کنبوں اور افراد کے لئے خاص احکام دیئے جاتے ہیں، علاوہ ازیں ایک رقم بیج اور بیمہ کے لئے علیحدہ رکھنے کا حکم موجود ہوتا ہے، اپاہجوں اور یتیموں کیلئے ایک امدادی فنڈ رکھا جاتا ہے، احتیاط کی جاتی ہے، کہ ہر قسم کے گروہ کے ساتھ انصاف ہو، جس مشترک کھیت نے خاص طور پر اچھا کام کیا ہو اسے ایک لاری یا ٹریکٹر، ٹریکٹر سٹیشن کی طرف سے انعام مل جاتا ہے۔

ایماندار اور محنتی کاشتکار یا ایک ایسا شعبہ جس نے دقتوں کا مقابلہ کیا ہو، عام اُجرت پر دس یا بیس فی صدی اضافہ کا مستحق ہوتا ہے، بے احتیاطی سے کام کرنیوالوں کی اُجرت سے اسی قسم کی منہائی ہوتی ہے، اگر کوئی پہلے کا نکما کاشتکار محنت کرنا شروع کر دے، تو اس کی پرانی منہائی آدھی یا ساری معاف ہو سکتی ہے، جن کاشتکاروں کی ذاتی گائے نہ ہو انھیں مشترک شیر خانے سے بچھڑیاں دینے کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے، ایک کنبہ جسے پچھلے سال عدم تعاون کی سزا کے طور پر کوئی ادائیگی نہیں ہوئی تھی، سیاسی حصے کے حکم کے اگلے سال عام اجرت سے پندرہ فیصدی زیادہ کی ادائیگی کی گئی، ..... اس حکم نامہ میں بیسیوں اور تفصیلیں درج ہوتی ہیں جن کا تعلق مشترک کھیت کی زندگی کے ہر شعبہ سے ہوتا ہے۔[۵۱]

حکومت کی پالیسی میں ترمیم اور مشترک کھیتوں کی کامیابی

اس منظم نگرانی کے ساتھ حکومت نے اپنی پالیسی نسبتاً بہت نرم کر دی، اس کا اعلان کیا گیا، کہ حکومت کے نمائندے بڑی غلطی کرتے تھے جب وہ کامیاب کھیتوں سے بار بار محصول اور مالیے وصول کرتے تھے، اس وجہ سے کاشتکاروں کو حکومت کے مالی اقدامات پر اعتبار ہی نہیں رہا تھا، اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کی محنت کا صلہ بہر حال حکومت لے جائے گی، اس لئے اب یہ طریقہ بدل دیا گیا، حکومت نے اعلان کیا کہ آئندہ نہ کھیتوں سے کوئی جبری ادائیگی لی جائے گی اور نہ کوئی جبری معاہدہ ان کے ساتھ کیا جائے گا، آئندہ حکومت کا حصہ صرف ایک مالیہ

۵۱ ماسکو ڈیلی نیوز میں ایف، ای، ہرسٹ کا مضمون، ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء۔

Marfat.com

ہوگا (علاوہ زرعی مشینوں کے استعمال کی قیمت کے) جو اناج، گوشت، دودھ اور دیگر چیزوں کی شکل میں وصول ہوگا، اور جن کی مقدار کھیت کی وسعت کے اعتبار سے پہلے سے مقرر کردی جائیگی، اس کے بعد خواہ پیداوار کتنی بھی بڑھ جائے حکومت مزید وصولی کی مستحق نہیں ہوگی، اگر مشترک کھیت کے زیر کاشت رقبہ کو بڑھایا بھی جائے جب بھی مالیہ وہی رہے گا، اور جونہی ایک ضلع کے تمام مشترک کھیت حکومت کو باقی ادائیگی کر چکیں تو پھر اس ضلع کا ہر کھیت اپنی فالتو فصل کو جہاں چاہے بیچ سکتا تھا،

یہ بیچ سکنے والی بات تو محدود فائدہ ہی دے سکتی تھی، کیونکہ کوئی تجارت عام منڈیوں کی طرح روس میں نہیں ہے، ہاں البتہ ہر شخص اپنے خرچ کے لئے اناج ضرور خریدتا ہے، اور اس حد تک یہ رعایت کاشتکاروں کو بہت مطمئن کرنے والی تھی،

یہ نئی پالیسی مخمل کے نیام کی طرح نرم تھی، لیکن ہر شخص جانتا تھا، کہ اب اس نرمی سے فائدہ اٹھاکر اسے حکومت سے تعاون شروع کردینا چاہیئے، کیونکہ اس مخمل کے نیام کے اندر فولاد کی تیز تلوار موجود ہے، اس پالیسی سے عدم تعاون کرنا حکومت کی منظم نگرانی کے وجود میں آچکنے کے بعد ممکن ہی نہیں رہا تھا، ماسوا اس صورت کے کہ خود نگرانی کرنے والے عدم تعاون کرنے والوں کے ساتھ ملیں لیکن اب نگرانی کرنے والے اتنے گروہ تھے، کہ اس کی گنجائش بھی بہت کم تھی۔

حکومت نے اپنے مالیے بھی واضح کردیئے، یہ تین مختلف قسم کے کھیتوں سے تین مختلف شرحوں پر لئے جاتے تھے، عام مالیے کی شرح ان مشترک کھیتوں سے وصول کی جاتی تھی، جو حکومت کی زرعی مشینیں بھی استعمال کرتے تھے، لیکن زرعی مشینوں کے استعمال کی قیمت اس کے علاوہ ادا کرنا ہوتی تھی، اس مالیے کی شرح سے زیادہ شرح ان مشترک کھیتوں کی تھی جن پر کوئی زرعی مشین استعمال نہیں ہوتی تھی، ان کے علاوہ اب بھی کچھ کھیت ایسے بچ گئے تھے، جو جبری اشتراک کے زمانے میں بھی اشتراک سے بچ نکلے تھے، ان کو ختم کرنے کا نیا طریقہ یہ طے پایا کہ ان پر مالیے کی شرح سب سے زیادہ رکھی گئی، تاکہ ان کیلئے اشتراک کے فوائد زیادہ واضح ہوسکیں۔

Marfat.com

جب روس کا زرعی نظام حکومت کی نگرانی کے تحت مروج ہو چکا، تو زرعی ترقی کافی واضح شکل میں ہوئی، ایک کینیڈا کے زرعی ماہر جن کا اپنا بچا نوے ہزار ایکڑ کا فارم امریکہ میں موجود ہے، اس زرعی ترقی کا اندازہ یہ بیان کرتے ہیں: "کھیتوں کا رقبہ اجتماعی کاشت میں بڑھنے کی وجہ سے کھیتوں کی فی ایکڑ پیداوار بڑھ گئی، اور پھر جب ان پر زرعی مشینیں اور آلات اور کاشت کے نئے طریقے استعمال کئے گئے، تو اوسطاً مشترک کھیتوں کے ہر کنبہ کی آمدنی قومی اوسط کے اعتبار سے ڈھائی گنا ہو گئی، اور بہت سی جگہوں میں تین گنا تک پہنچ گئی۔"[1]

مشترک کھیتوں کے انتظام کا طریقہ

مشترک کھیتوں کا انتظام ایک خاصی انتظامی صلاحیت مانگنے والی چیز ہے، جن "سیاسی حصوں" کا ہم حال دیکھ چکے ہیں وہ مستقل طور پر ہر ایک کھیت کے لئے دستیاب نہیں ہو سکتے وہ صرف ان کھیتوں میں بھیجے جاتے ہیں، جہاں انتظام ناتسلی بخش ہو ورنہ عام حالات میں انتظام خود ممبروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے، مقررہ اوقات پر تمام ممبروں کی ایک میٹنگ ہوتی ہے اور ممبر سے مراد مشترک کھیت پر ہر وہ کام کرنے والا ہوتا ہے جس کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ ہو، یہ اجلاس سال میں کم از کم ایک مرتبہ اور بسا اوقات زیادہ مرتبہ ہوتا ہے، اور یہ اجلاس صدر اور انتظامیہ کے دیگر ارکان کا انتخاب کرتا ہے، یہ انتظامیہ تفصیلی انتظام کے تمام فیصلے خود کرتا ہے، اور کھیت کی کامیابی کے لئے ممبروں کے اجلاس کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، یہ انتظامیہ کا کام ہے، کہ وہ مثال کے طور پر یہ فیصلے کرے کہ کھیت کے کس کس حصے پر کون کونسی فصلیں اگائی جائیں گی، ہل چلانے، بیج بونے، نلائی کرنے اور فصل کاٹنے کے اوقات کونسے ہونگے، کس کس ممبر کے ذمہ کیا کیا کام ہوگا، اور اس طرح کے سینکڑوں اور تفصیلی فیصلے انتظامیہ خود کرتا ہے۔

ابتدا میں کاموں اور فصل کی تقسیم کے کام انتظامیہ کے لئے آسان ہوتے تھے، بلکہ کوئی شدید قسم کی تقسیم کار تھی ہی نہیں، ہر ممبر اپنی اپنی سمجھ اور طبیعت کے مطابق کام

---

[1] طامس ڈی کیمپبل، رشیا، مارکیٹ اور مینس - صفحہ ۶۵ -

Marfat.com

کرتا تھا، اور جب ایک قسم کے کام سے دل اکتا جائے تو کوئی دوسرا کام شروع کر دیتا تھا۔ فصل کی تقسیم بھی آسان تھی، عام طور پر وہ تمام ممبروں اور ان کے کنبوں میں برابر تقسیم ہو جاتی تھی اور اس چیز کا لحاظ نہیں کیا جاتا تھا، کہ ایک کنبہ میں کام کرنے والے کتنے تھے اور کھانے والے کتنے ہیں، افراد خواہ وہ کسی عمر کے ہوں اور خواہ کام کیا ہو یا نہ گن لئے جاتے تھے اور فصل برابر بانٹ دی جاتی تھی، تجربے نے سکھایا، کہ یہ سادگی مہنگی پڑتی ہے؛ چنانچہ آہستہ آہستہ یہ نیا طریقہ اختیار کیا گیا، کہ انتظامیہ ہر ممبر کے کام کو معین کر دے اور پھر ممبروں کے اجلاس سے اس کی تصدیق کروائی جائے، اچھے منظم مشترک کھیتوں میں کام کرنے والوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، اور ہر گروہ کی ذمہ داری واضح کر دی جاتی ہے، مختلف فصلوں اور مختلف زمین کے ٹکڑوں پر کام پہلے سے معین کیا ہوا گروہ کرتا ہے، اسی طرح فصل کی تقسیم کا طریقہ بدل دیا گیا، بجائے افراد کو گننے کے ان کے کام کو گنا جانے لگا۔ کام کا ماپنا اور گننا خود ایک بڑا کام ہے، لیکن تجربے نے سکھایا، کہ اس خرچ سے گریز کرنا مہنگا پڑتا ہے، چنانچہ اس چیز نے انتظامیہ اور محاسبوں کی اہمیت اور بڑھا دی اور شروع میں اگرچہ ان کی محنت کو ایک عام کارکن کے مساوی سمجھا جاتا تھا، لیکن بعد میں ان کا حصہ فصل کی تقسیم میں بھی بڑھانا پڑا۔

جب فصل کٹ چکتی ہے، تو سب سے پہلے حکومت کی ادائیگیاں علیحدہ کی جاتی ہیں، اس کے بعد ہر ممبر کے کام کی مقدار اور نوعیت کے مطابق اس کا حصہ الگ کیا جاتا ہے، جو لوگ زیادہ محنتی ہیں وہ سال بھر میں چار پانچ سو دن کی محنت کر لیتے ہیں اور نکمے سو ڈیڑھ سو دن کے قریب کا معاوضہ لیتے ہیں، انتظامیہ کو عام ممبروں کے معاوضے کے علاوہ بونس بھی ملتا ہے، یہ کر چکنے کے بعد جو فصل فالتو بچے اس کے صرف کرنے کے لئے ممبروں کا اجلاس ہوتا ہے، جو یہ طے کرتا ہے، کہ اس کا کتنا حصہ پیدا آور مدات پر خرچ کیا جائے، اور ایسی مدیں کونسی ہوں، کیا جانوروں کا ایک نیا گھر بنایا جائے، یا ایک نیا اناج کا گودام تعمیر ہو، ایک ہال بنے یا ایک کلب گھر، ایک سکول تعمیر ہو، یا ایک نیا زچہ خانہ، اور بالآخر ممبروں کی اکثریت کے فیصلے کے مطابق فالتو فصل خرچ کر لی جاتی ہے۔

Marfat.com

جھگڑے چکانے کا طریقہ

اتنی بڑی تنظیم میں جھگڑے پیدا ہونا قدرتی ہے، اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے جنھیں نوٹ گننے سے طے نہیں کیا جا سکتا، ایسے جھگڑے ایک "مثلث" کے ذریعے طے کئے جاتے ہیں، اس مثلث کے تین ارکان ہوتے ہیں مشترک کھیت کے انتظامیہ کا صدر، گاؤں کی مجلس (سوویٹ) کا صدر اور کمیونسٹ پارٹی کا مقامی سکرٹری، یہ مثلث مشترک کھیت کے ہر حصہ میں کام کرتی ہے، مثلاً مشترک کھیت کا وہ گروہ جس کے ذمہ گندم کی فصل ہے، اپنے جھگڑے اپنی مثلث سے طے کراتا ہے، اس گروہ کی مثلث کے افراد یہ ہوتے ہیں گروہ کا قائد۔ گروہ کی کمیونسٹ پارٹی کا سکرٹری اور گاؤں کی مجلس کا ایک ممبر جسے گروہ مثلث کا ممبر منتخب کرے، گاؤں کی مجلس ایک سرکاری ادارہ ہے، کمیونسٹ پارٹی بھی نیم سرکاری جماعت ہے، گویا ہر جھگڑا مقامی سرکاری اور نیم سرکاری ادارے طے کر دیتے ہیں۔

ایک مشترک کھیت کی ۱۹۲۲ء کی سالانہ رپورٹ

ہمارا روسی زراعت کا جائزہ مکمل ہو جائے گا، اگر ہم ایک دو مشترک کھیتوں کی سالانہ رپورٹ جستہ جستہ دیکھ لیں، پہلی رپورٹ ۱۹۳۲ء کی وسط دولگا کے علاقے کے ایک مشترک کھیت "سٹالن کی کامیابیاں" نامی کی ہے، اس کھیت میں ۲۳۴ کنبے کام کرتے ہیں، اور اس کی ۶۱۹ ٹن اناج کی پیداوار میں سے ۲۲۷ ٹن غلہ حکومت کے پاس بیچا گیا۔

"کھیت کی نقد آمدنی جس میں حکومت کے خرید شدہ غلہ کی قیمت شامل ہے پچاس ہزار روبل[1] تھی، اس رقم میں سے زرعی ٹیکس ۱۷۵۰ روبل ادا کئے گئے اور بیمے کے ۱۷۰۰ روبل ادا کئے گئے، تین ہزار تین سو روبل کا قرضہ سٹیٹ بنک کو لوٹا دیا گیا، اور کل آمدنی کے دس فیصدی کا ایک مشترک فنڈ کھولا گیا، جس سے کھیت کے تعمیری کام سرانجام دیئے جائیں گے، ممبروں کے فیصلے کے مطابق آمدنی کا چار فی صدی اور تمدنی مصارف اور اچھے کارکنوں کو بونس دینے کے لئے علیحدہ رکھ لیا گیا، دو ہزار روبل زرعی مشینوں

---

[1] تقریباً ایک روپیہ (سرکاری نرخ کے اعتبار سے)۔

Marfat.com

کے مرکز کے لئے علیحدہ رکھا گیا، اور چار ہزار روبل زرعی مشینوں کے ایندھن، مرمت اور انتظامیہ مصارف کے لئے محفوظ کیا گیا۔

اِن اخراجات کی ادائیگی کے بعد تقریباً ستائیس ہزار روبل نقد بچے علاوہ ایک سو پچاسی ٹن گندم اور دیگر زرعی پیداوار خاصی مقدار میں موجود تھی، جب یہ رقم اور پیداوار ممبروں میں تقسیم کی گئی، تو حصّہ فی یوم یہ بنا: اٹھتر کوپک[1]، ساڑھے چھ سیر اناج، دو سیر سوکھا گھاس، اور چودہ سیر بھوسہ، یہ یومیہ نقد اور جنس کی آمدنی گذشتہ سال کی نسبت چار سے چھ گنا زیادہ ہے۔

"محنت سے کام کرنے کی تحریک کو مضبوط بنانے کے لئے دو اچھے گروہوں کو دس فیصدی یومیہ زیادہ دیا گیا، اور دو اور گروہ جن کا کام اوسط سے کم تھا انھیں یومیہ اوسط آمدنی سے پندرہ فیصدی کم حصّہ ملا، مشترک کھیت کے ممبروں کے اپنے باغ اور اپنے مال مویشی ہیں انسے انھیں خاصی مزید آمدنی حاصل ہو جاتی ہے"[2]

بیشتر مشترک کھیتوں میں ایک چھوٹا سا زمین کا ٹکڑا ہر ممبر کی ذاتی ملکیت میں رکھا جاتا ہے، تاکہ وہ اپنی سبزیاں اور پھلدار درخت لگا سکے، علاوہ ازیں وہ دو تین گائیں محدود تعداد کی بھیڑیں، بکریاں اور شہد کے چھتے اور غیر محدود تعداد میں مرغیاں ذاتی ملکیت کی پال سکتے ہیں۔

ایک مشترک کھیت کی ۱۹۴۷ء کی سالانہ رپورٹ

ہمارے سامنے ایک دوسرے مشترک کھیت "الکتوبر کے فوائد" کے انتظامیہ کے صدر کی تصنیف ہے، جس میں ۱۹۴۷ء کی رپورٹ کے کچھ اجزا اس نے یوں بیان کئے ہیں[3]:

"ہمارے پاس ساڑھے اٹھارہ سو ایکڑ زمین ہے، اور ایک سو بائیس کنبے ہیں، مضبوط جسم کے کام کرنے والے ایک سو چھہتر ہیں لیکن عملاً دبوڑھے اور کمسن کارکنوں

---

[1] تقریباً ایک پیسہ کا سکہ۔

[2] سڈنی اینڈ بیٹرس وب: سوویٹ کمیونزم صفحہ ۲۱۶ - ۲۱۷

[3] ڈبکو دڑسکی - ایڈوانسنگ ٹو کمیونزم صفحات ۱۳۱ - ۱۳۴

Marfat.com

سمیت) دو سو ایک آدمیوں نے اس کھیت پر کام کیا اور ان کی اوسط مزدوری کی اکائیاں چار سو بیس تھیں ۔

"... مشترک کھیت کی کل آمدنی اس سال بارہ لاکھ انتیس ہزار روبل تھی، اس کا بیشتر حصہ فصلوں سے ملا جن میں اناج، چقندر، سبزیاں اور پھل شامل ہیں، ہمارے مویشیوں سے بھی آمدنی کا ایک کثیر حصہ حاصل ہوا اور بعض دیگر سرگرمیوں سے بھی۔"

"محنت کی ہر اکائی کی یہ اجرت طے پائی، پانچ روبل اور پانچ کوپک نقد، دو سیر اناج، سوا سیر سبزیاں اور پھل، یہ کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوتا، لیکن اگر اسے چار سو بیس سے ضرب دیں (جو کہ ہر کارکن کی اوسط محنت کی سالانہ اکائیاں ہیں) تو یہ ایک خاصی بڑی رقم بن جاتی ہے۔"

"اوسط سے زیادہ محنت کرنے والوں کے بونس اس کے علاوہ ہیں۔ بونس حاصل کرنے والوں میں کھیت کے ایک سو تیس کام کرنے والوں میں سے ایک سو چھبیس[۲۶] کو بونس ملے، دودھ خانے میں کام کرنے والی عورتوں کو، نوزائیدہ خنزیر پالنے والوں کو، مویشیوں کے شعبے کے صدر کو، علم الارض کے ماہر کو، گروہوں کے کام کے نگران کو اور مجھے۔"

"ان بونسوں کی مقدار کچھ اس طرح کی تھی، ساٹھ عورتیں جو چقندر کے کھیتوں پر کام کرتی تھیں، ان میں سے ہر ایک کو آٹھ من چینی ملی، علاوہ نقد انعام کے، اولیا دلاسکو کو دو ہزار روبل ملے، اور ایک اور حصے کے رہنما کو اس سے بھی زیادہ۔"

"بیشک ہم لوگ اب پچیس کوپک روزانہ پر کام نہیں کرتے جیسے کہ میری ماں، میری بہن اور میں خود اسی زمین پر جب یہ ایک جاگیردار کے قبضے میں تھی کام کرتے رہے ہیں۔"

روسی زرعی اصلاح پر ایک تنقیدی نظر

روس کے زرعی تجربے کی تفصیل دو چیزیں نمایاں کرتی ہیں، پہلی یہ کہ جہاں تک آخری نتائج کا تعلق ہے، زرعی اصلاح کے لئے اتنی بڑی تنظیم، سرمایہ اور محنت ساری زرعی تاریخ میں اس سے پہلے صرف نہیں کی گئی اور نتیجہ کے طور پر زرعی پیداوار میں اتنا اضافہ ہوا ہے کہ کوئی ملک اس تجربے کو نظر انداز نہیں کر سکتا، دوسرا نمایاں پہلو اس

Marfat.com

زرعی تجربے کا یہ ہے کہ اس کے قائم کرنے کا طریقہ انتہائی اخلاقی گراوٹ کا حامل ہے اور انسانیت کی بلند ترین قدروں کو نظر انداز کرتا ہے۔ مختصراً یہ کہ ایک اچھے کام کو بُرے طریقے سے کیا گیا ہے۔

پہلی چیز تو زمین کے مالکوں سے انکی زمین بلا معاوضہ ضبط کی گئی جس کی نہ کوئی اخلاقی سند موجود ہے نہ قانونی، منزل ناگزیر سہی لیکن راہِ عمل کو اخلاق سے بے نیاز کر دینا ان لوگوں کیلئے ممکن نہیں جو زندگی کو روحانی اور اخلاقی قدروں کے قیام کا دوسرا نام سمجھتے ہیں، مانا کہ زمیندار ظالم تھے، مانا کہ پشت ہا پشت سے وہ زمین پر محنت کرنیوالوں کا بیشتر حصہ سلب کرتے رہے تھے لیکن وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں اس وقت کا قانون نہ صرف انھیں اس کی اجازت دیتا تھا، بلکہ ایک وہ وقت بھی تھا جب زمیندار معاشی فلاح اور امن کے ضامن بھی تھے، قرونِ وسطیٰ میں جب کبھی بدامنی ہوتی تھی (اور بدامنی مسلسل ہوتی رہی) تو کوئی کاشتکار یہ یقین نہیں رکھتا تھا کہ جو وہ کاشت کر رہا ہے وہ اسے کاٹ بھی سکے گا، یہ یقین اس کو اس علاقے کا وہ طاقتور آدمی دلاتا تھا جس کے پاس گھوڑے اور تلواریں اور لڑنے والے آدمیوں کی ایک نفری ہوتی تھی، وہ اس مدافعت کے بدلے ان کی زمینوں کی پیداوار کا حصہ ضرور لیتا تھا لیکن کیا کوئی کاشت زمیندار کے وجود کے بغیر اس وقت ممکن تھی؟ زمیندار اسی طرح ایک وقت میں ضروری تھے جیسے ایک وقت میں غلام ضروری تھے، مضبوط حکومتیں قائم ہونے کے بعد ان کی اہمیت اور ضرورت کم ہو گئی، اور اس چیز کا تقاضا شروع ہو گیا کہ کاشتکار کی فصل میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہونا چاہیے، یہ تقاضا بدلے ہوئے حالات میں بالکل جائز تھا لیکن اس کیلئے راہ عمل تو یہی تھی کہ زمینداروں کو انکی زمینوں کا معاوضہ دے کر زمینوں سے علیحدہ کیا جاتا، وہ معاوضہ ان کی سالانہ آمدنی کا محض چند گنا بے شک مقرر کیا جاتا، کیونکہ اس کی اخلاقی سند موجود ہے، زمیندار کی زمین کی موجودہ قیمت جو آج سے پچاس سو سال پہلے کی نسبت دس بیس گنا بڑھ چکی ہے زمیندار کی محنت کی منت کش نہیں ہے، قیمت کا غیر معمولی اضافہ آبادی کے پھیلاؤ، وسائل حمل و نقل کی ترقی اور دیگر خارجی اور قومی اقدامات کی وجہ سے ہوا ہے، زمیندار قومی اقدامات،

کا صلہ خود وصول نہیں کر سکتا، بلکہ یہ صلہ اسے معاوضہ مقرر کرتے وقت قوم کو لوٹانا پڑتا ہے۔ بہرحال روس میں زمیندار کے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔

نسبتاً چھوٹا زمیندار جو خود اپنی زمین کاشت کرتا تھا، وہ بھی کمیونسٹ استبداد کا بہت بُری طرح شکار ہوا۔ اسے مجبور کیا گیا کہ مشترک کھیتوں میں شامل ہو۔ جبر کی ایک محدود صورت تو شاید ایک نیک مقصد کے لئے معقول تصور ہو سکتی ہے، مثلاً یہ کہ شخصی کھیتوں سے مالیہ کی شرح مشترک کھیتوں سے زیادہ رکھی جائے، تاکہ جب تک وہ علیحدگی اختیار کریں وہ زرعی اصلاح کو روکنے کی قیمت ادا کر دیا کریں، لیکن روس میں علاوہ اس چیز کے لاکھوں چھوٹے زمیندار قتل ہوئے، لاکھوں کی زمینیں چھین لی گئیں، اور باقی محض خوف وہراس کی وجہ سے مشترک کھیتوں میں شامل ہوئے۔

کاشتکار اور زرعی مزدور جس کی فلاح کے لئے یہ سارا جبر کیا گیا تھا، بالآخر خود بھی اس جبر سے بچ نہ سکا، جب مشترک کھیتوں پر کام شروع ہوا تو انھیں نظر آیا کہ محنت کا حاصل بیشتر اب حکومت لے جاتی ہے کیونکہ وہ کھلی منڈی ہی نہیں رہی، جہاں وہ پہلے کی طرح چیزیں فروخت کرے، حکومت اپنے نرخوں پر چیزیں خریدتی ہے، اور ان کی ضرورت کی چیزیں حکومت کے کارکن نسبتاً بہت مہنگے داموں بیچتے ہیں۔ ہم تفصیل سے اس چیز کا پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ کیسے کئی سال تک حکومت کے اقدام بجائے زرعی اصلاح کے زرعی گراوٹ کی طرف کھینچتے رہے، اور کیسے بالآخر جبر اور تنظیم کی مدد سے کاشتکاروں کا عدم تعاون دور کیا گیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ روس میں زراعت نے بہت ترقی کی ہے، لیکن ترقی کی رفتار اور مقدار اس سے تیز ہو سکتی تھی، اگر طریقِ عمل میں اخلاقی تقاضوں کو نظر انداز نہ کیا جاتا، اور اگر حکومت کی تجارتی اجارہ داری مشترک کھیتوں کے حوصلے پست نہ کرتی ۔

Marfat.com

باب پنجم

ز خاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست

[دُوسرے ملکوں سے ہمارے زرعی مسائل کے فرق کی نوعیت، زرعی نظام کی اصلاح کی حدود، زرعی اصلاح کا پہلا اصول، معاوضے کا مسئلہ، زرعی اصلاح کا دُوسرا اصول، مشرقی یورپ کے تجربے سے ایک سبق، زرعی اصلاح کا تیسرا اصول، امدادِ باہمی کا تصور واضح کرنے کی ضرورت، جبر کا عنصر، تیسرے زرعی اصلاح کے اصول پر ایک تنقیدی نظر، معاوضہ کا مسئلہ زرعی تاریخ کی روشنی میں، زمین اور دیگر آلاتِ پیداوار کا بنیادی فرق، زرعی اصلاح کا چوتھا اصول، خلافتِ دِہ کی عملی تشکیل۔]

دُوسرے مُلکوں سے ہمارے زرعی مسائل کے فرق کی نوعیت

سرمایہ داری اور اشتراکیت کے علمبردار ملکوں کے زرعی نظام کا جائزہ ہم پر ایک چیز بالکل واضح کر دیتا ہے کہ ہمیں اپنا زرعی نظام خود تشکیل دینا پڑیگا، اور اسے ہم کسی دُوسرے مُلک سے من و عن نقل نہیں کر سکتے، ہر نظام اپنی خوبیاں بھی رکھتا ہے اور خامیاں بھی، لیکن کسی دُوسرے مُلک کے حالات بالکل ہمارے حالات پر منطبق نہیں کئے جا سکتے، یعنی جسطرح کوئی دو باہر کے مُلک بالکل ایک طرح کا زرعی ماحول نہیں رکھتے، ہمیں ان کے زرعی تجربوں سے کئی سبق ملیں گے اور کئی مشکلوں کے حل کرنے میں رہنمائی میسّر ہوگی، لیکن کوئی مُلک ہمارا پورے کا پورا نظام ہمارے لئے ترتیب نہیں دے سکے گا، امریکہ کا زرعی نظام وسیع زرعی رقبوں کی ملکیت کی وجہ سے ہمارے حالات سے مختلف ہے، ان کے ہاں عمیق کاشت ضروری نہیں ہے، اور ہم عمیق کاشت کے بغیر اپنی زرعی آبادی کے مسائل

Marfat.com

حل کرنے سے معذور ہیں، ظاہر ہے کہ ۵۴۰ ایکڑ کی اوسط ملکیت کے کھیت ۵ ایکڑ کے اوسط ملکیت کے کھیتوں سے مختلف مسائل رکھتے ہیں، اور انھیں حل کرنے کی صورتیں مختلف ہونگی۔ البتہ یہ چیز قابل غور ہے، کہ باوجود سرمایہ داری کے سب سے بڑے حامی ہونے کے اور باوجود اتنے وسیع کھیتوں کی اوسط کے خود امریکہ بھی ایسے قوانین بنانے پر اپنے آپ کو مجبور محسوس کرتا ہے، جن سے زمین کی ملکیت کاشتکار میں منتقل کی جاسکے۔ ظاہر ہے کہ ان قوانین کا اطلاق ابھی وسیع نہیں ہے، کیونکہ اس کی ضرورت وہاں شدید نہیں ہے، اور اسی وجہ سے اس مسئلہ کی اہمیت کا احساس بھی وہاں پورے طور سے ہُوا ہے۔ تاہم رجحان کی سمت واضح ہے اور ملکیت کاشتکار کو منتقل کرنے کی ضرورت کا اعتراف غیر مبہم ہے۔

مغربی یورپ کے زرعی حالات نسبتاً ہم سے قریب تر ہیں، کیونکہ آبادی کا دباؤ وہاں ہمارے ہاں سے کم نہیں ہے، لیکن اوسط کھیت وہاں بھی ہماری نسبت بہت بڑا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آبادی کا کثیر حصہ صنعت و حرفت میں کھپا ہُوا ہے، اور زراعت محض ایک اقلیت کا پیشہ ہے۔ ہمارے ہاں آبادی تو اتنی ہی گنجان ہے، لیکن کم و بیش اسّی فیصدی زراعت پر منحصر ہے، اور اس بار کو صنعت و حرفت کے ذریعے کم کرنے کے امکان مستقبل قریب میں کوئی نظر نہیں آتے۔ بلکہ جیسا کہ بہ تفصیل ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں، آئندہ دو پشتوں تک پاکستان کی اکثریت زراعت کے ساتھ ہی وابستہ معلوم ہوتی ہے، اس بنیادی فرق کے باوجود مغربی یورپ میں بھی ہم زمین کو کاشتکار کی ملکیت میں منتقل کرنے کے لئے حکومتوں کو بے تاب پاتے ہیں، یا اس کے باوجود کہ اوسط کھیت ہم سے بڑا ہے، اور کاشت کہیں زیادہ عمیق ہے، اور سائنس کی ایجادات زراعت کو اپنے تمام فوائد منتقل کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، زمیندار کا بار ہماری زمینوں سے وہاں کی زراعت برداشت کرنے کی زیادہ ہمت رکھتی ہے، تاہم وہ اس جوئے کو اپنے گلے سے اُتار رہے ہیں اور بیشتر حد تک اُتار چکے ہیں۔ چنانچہ یہ ملک بھی امریکہ کی طرح ہمیں زمین کی قوتوں کو اُبھرنے کا موقعہ دینے کے لئے زمینداری کو دُور کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

مشرقی یورپ کے ملک زرعی بدحالی اور بیشتر آبادی کے زراعت پر منحصر ہونے کی حد تک

Marfat.com

تو ہم سے ملتے ہیں (یا کم از کم کچھ سال پہلے تک ملتے تھے) لیکن آبادی کے دباؤ کے معاملے میں ہم ان سے کہیں بازی لے جاتے ہیں، مشرق ہو کہ مغرب زمینداری کی نازبرداری سے ہر ایک کا دل بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ان ملکوں نے زمینداری کا خاتمہ روسی سیادت قبول کرنے سے بہت پہلے کر دیا تھا، یہ ملک ہمیں ایک اور دلچسپ سبق یہ دیتے ہیں کہ محض زمیندار کو دور کر لینے سے زراعت ترقی کی کوئی منزلیں طے نہیں کر سکتی جب تک نئی ایجاد سے متمتع ہونے کا موقع اسے میسر نہ آ جائے۔

روس کے زرعی نظام سے ہمیں انتظام کی تفصیل کی رہنمائی ملتی ہے لیکن بنیادی اختلافات جو روحانی بھی ہیں، اور سماجی بھی اتنے شدید ہیں کہ ہمارے ماحول پر وہاں کا تراشا ہوا نظام راست نہیں بیٹھتا، اور غیر معاشی مسائل کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو یہ واضح ہے ہم روس کی طرح سب آلاتِ پیداوار کو قومی ملکیت میں محض اس وجہ سے بھی نہیں دے سکتے کہ ایسا کرنا زرعی ترقی کے راستے میں بڑی رکاوٹ پیدا کرتا ہے، یہ ہم بہ تفصیل دیکھ چکے ہیں، کہ یہ رکاوٹ کتنی شدید ہو سکتی ہے، اور اس کو دور کرنا انسانی فلاح آزادی اور زندگی کی کتنی بڑی قربانی چاہتا ہے۔

گویا ہر ملک ہمیں بعض درس دیتا ہے، اور اپنے تجربوں سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع دیتا ہے، لیکن مکمل نظام جو ہمارے تقاضوں کے پورے جواب کا حامل ہو ہمیں کہیں نہیں ملتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مسائل کچھ اس طرح کے روحانی اور مادی پس منظر رکھتے ہیں کہ انھیں کسی دوسرے ملک سے ملانا آسان نہیں، مثال کے طور پر قانونِ وراثت کو لیجیے ہم دیکھتے رہے ہیں کہ کیسے دنیا بھر کے ملک قانون وراثت میں ترمیم کرتے رہے ہیں تاکہ زمین کو چھوٹے ٹکڑوں میں بٹنے سے بچایا جائے، لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن حکیم خود وراثت کی تفصیل ہمارے لئے طے کرتا ہے، جس سے انحراف کرنا ہمارے لئے بہرحال ناممکن ہے۔

زرعی نظام کی اصلاح کی حدود

ہم صرف یہ کر سکتے ہیں کہ اپنی ضرورتوں کے پیش نظر خود ایک نظام تشکیل کریں جس میں دنیا کے دیگر ملکوں کے تجربوں کو پیش نظر

Marfat.com

رکھیں، ہم دیکھ چکے ہیں، کہ دُنیا کے زرعی نظاموں کی افراط و تفریط ہمیں کلی طور پر انھیں قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتی، لہذا نظام کی جزئیات مرتب کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے، کہ ہم افراط اور تفریط کے معنوں کو واضح کریں یا دُوسرے لفظوں میں یوں کہئیے کہ جس زرعی اصلاح کو پاکستان اپنی مخصوص روحانی، سماجی اور مادی ضروریات کے پیش نظر قبول کر سکتا ہے، اس کی "کم سے کم" کہاں سے شروع ہوتی ہے، اور "زیادہ سے زیادہ" کہاں تک پہنچتی ہے۔

زرعی اصلاح کا پہلا اُصول

پاکستان کے موجودہ زرعی نظام کا جائزہ یہ چیز ہم پر واضح کر چکا ہے، کہ زمیندار اور مزارع کی دوہ عملی زراعت کو اُبھرنے کا موقع نہیں دے رہی، عام طور پر زمیندار سرمایہ لگانے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ نصف فائدہ مزارع حاصل کرتا ہے، اور عام طور پر مزارع پوری محنت نہیں کرتے، کیونکہ نصف فائدہ زمیندار کو پہنچتا ہے، اس کا علاج وہی ہے، جو ساری دُنیا خواہ وُہ اشتراکی ہو، یا سرمایہ دار اختیار کر چکی ہے، یا کر رہی ہے، کہ زمین کی ملکیت بتدریج کاشتکار میں منتقل کر دی جائے، ہماری زرعی اصلاح کی یہ پہلی بنیادی اینٹ ہے، کہ کوئی زمین کا ٹکڑا کسی ایسے آدمی کو کوئی فائدہ نہ پہنچائے جس پر وُہ خود محنت نہیں کرتا، گویا زمین کی فصل کلیتًا اس کو ملے جو زمین پر کام کرتا ہے، ہماری زرعی اصلاح کا یہ پہلا "کم سے کم" ہے۔

معاوضے کا مسئلہ

یہ اُصول تو بیشتر لوگ تسلیم کر لیتے ہیں لیکن دقت یہ پیدا ہوتی ہے کہ زمیندار کو معاوضہ دیا جائے یا نہ اور دیا جائے تو کتنا، اور تفصیل میں عمومًا مختلف گروہوں کا شدید اختلاف نظر آتا ہے، معاوضہ دینے اور نہ دینے کا جہاں تک تعلق ہے، ماسوا ان لوگوں کے جنھیں ایک خاص قسم کے معاشی ماحول کا لٹکا پڑ گیا ہے، جو ہماری روحانی قدریں نظر انداز کرتا ہے، باقی سب لوگ یہ چاہتے ہیں، کہ معاوضہ ادا کیا جائے، یہ کہنا کہ زمیندار اتنا فائدہ اُٹھا چکا ہے کہ اب اس کا زمین کے معاوضہ کا کوئی حق نہیں رہا، اخلاقًا اور قانونًا توی معلوم نہیں

Marfat.com

ہوتا، زمیندار اگر فائدہ اُٹھا چکا ہے، تو وُہ بہت عرصہ ایک اہم معاشی ضرورت کو پورا بھی کرتا رہا ہے، جس کی بنا پر وُہ اتنا زمانہ زمین کی پیداوار سے فائدہ اُٹھاتا رہا ہے، اَب اگر بدلے ہوئے معاشی ماحول میں اس کی ضرورت نہیں رہی تو یہ اس کا قصور نہیں، سے اس کی زمین کا معاوضہ بہرحال ملنا چاہیئے، قوم اگر آج یہ محسوس کرتی ہے کہ قومی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک زمیندار کو علیحدہ نہیں کر لیا جاتا، تو قوم کو اس علیحدگی کی قیمت ادا کرنی چاہیئے ۔

ہم نے عمداً علیحدگی کی قیمت کہا ہے، زمین کی قیمت نہیں، جو لوگ زمیندارہ مفاد سے تعلق رکھتے ہیں، وہ عموماً یہ کہتے ہیں، کہ اگر زمین کی پوری قیمت ادا نہ کی جائے تو یہ بھی ایک حد تک زمین سلب کرنے کے برابر ہے، اور بظاہر ان کی دلیل قوی بھی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر تفصیلاً اس مسئلے کو جانچا جائے، تو صورتِ حال مختلف نظر آتی ہے، سوال یہ ہے کہ گذشتہ پچاس سال میں زمین کی قیمت بیس بیس اور تیس تیس گنا تک بڑھ چکی ہے، یہ صحیح ہے کہ اس عرصے میں روپے کی قیمت بھی کافی گری ہے، لیکن اس کے باوجود زمین کی قیمت اتنی چڑھی ہے، کہ معاوضہ طے کرتے وقت قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین کی قیمت میں اضافہ زمیندار کی محنت کی وجہ سے کتنا ہے، اور قومی نوعیت کے وجوہات کو اس میں کتنا دخل ہے، زمینوں کی قیمتوں کے غیر معمولی اضافے کی وجوہات تو بہت سی ہیں، لیکن غالباً اہم ترین یہ ہیں، سڑکوں، ریلوں اور نہروں کی تعمیر، آبادی کا پھیلاؤ، تجارت اور صنعت کی ترقی اَب ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کا زمیندار کی ذاتی کوششوں کے ساتھ کوئی زیادہ تعلق ہو، یہ صحیح ہے کہ زمیندار بھی باقی لوگوں کی طرح آبادی پھیلاتا رہا! سڑکوں، ریلوں، نہروں کی تعمیر اور صنعت و حرفت کی ترقی میں دلچسپی لیتا رہا لیکن اگر صرف وُہ ایسا کرتا اور باقی لوگ ایسا نہ کرتے، تو اس کی زمین قیمت میں کوئی اضافہ نہ ہوتا، اس اضافہ کی وجوہ قطعی طور پر قومی ہیں، انفرادی نہیں، لہٰذا اضافے کا بیشتر حصّہ بھی قوم کو ملنا چاہیئے اور کسی ایک فرد کو اس اضافے کا مالک اپنے آپ کو نہیں سمجھنا چاہیئے، جب تک تو ایک فرد دُوسرے فرد سے زمین خریدتا تھا، وُہ یہ اضافہ بھی مالک کو دے دیا کرتا تھا لیکن

Marfat.com

اب قومی تقاضوں کے پیش نظر خود قوم کو ان زمینوں کی ضرورت ہے، جن کی قیمت کے اضافہ کا کثیر حصہ قومی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے، ظاہر ہے، کہ قوم فرد کو وہ اضافہ نہیں دیگی، جو خود اس کی وجہ سے زمینوں کی قیمت میں ہوا ہے، اور نہ فرد کو قانوناً یا اخلاقاً اس اضافے کو حاصل کرنے کا کوئی حق نظر آتا ہے۔

کیا ہر زمین کے ٹکڑے کی قیمت علیحدہ علیحدہ معین کی جائے، اس اعتبار سے کہ قومی سرگرمیوں کی وجہ سے قیمت میں جو اضافہ ہوا ہے اسے منہا کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ ایسا کرنے میں بے انتہا محنت، وقت اور روپیہ خرچ ہوگا، اور پھر بھی بیشتر حالات میں صحیح قیمت شاید معین نہ ہو سکے، یہ چیز اسی طرح ناقابلِ عمل ہے، جیسے بعض لوگوں کا یہ تقاضا کہ زمینداروں کی زمین کی خرید کے اخلاقی پہلو کو دیکھا جائے، کہ کیا اس خرید میں جبر و تعدی یا کسی قسم کا دھوکا تو نہیں تھا، اور اس صورت میں زمین بلا معاوضہ حاصل کر لی جائے، ایسا کرنا عملاً قطعی طور پر ناقابلِ عمل ہے، اور اس طریقِ کار کی حماقت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے، کہ اگر آج سے سو سال پہلے کی ایک خرید کے متعلق یہ طے بھی ہو جائے، کہ وہ برضا و رغبت اور ایمانداری کے ساتھ خریدی گئی تھی، تو یہ کون طے کرے گا، کہ وہ روپیہ جس سے یہ زمین خریدی گئی، وہ حلال طریقوں سے حاصل کیا ہوا تھا یا نہیں؟

زرعی اصلاح کا دوسرا اصول

اصل میں زمینوں کے معاوضے کا تعین گڑھے مردے اکھاڑنے میں نہیں ہے، بلکہ موجودہ حالات و واقعات کے پیش نظر زمیندار کے لئے اس کی زمینوں سے علیحدگی آسان بنانے میں ہے، تاکہ وہ متبادل ذرائع میں گزر کر سکے، اور اپنے آپ کو کسی دوسرے منفعت بخش کاروبار میں مصروف کر سکے، ہمارا نقطۂ نظر جماعتی نہیں ہے، بلکہ قومی ہے، اور قومی نقطۂ نظر سے یہ ضروری ہے کہ معاوضے کا کوئی ایسا اصول مقرر کیا جائے، جس سے زمین کی قیمت اس کی موجودہ منڈی کی قیمت کی نسبت کافی کم زمیندار کو ملے (تاکہ زمین کی قیمت میں جو اضافہ قومی سرگرمیوں سے ہوا ہے اسے قوم واپس لے سکے) لیکن وہ اتنی کم نہ ہو کہ خود زمیندار اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے، اتفاقاً ایسا اصول موجود ہے اور اس کا اطلاق کئی ملکوں میں ہو چکا ہے جن میں

Marfat.com

پاکستان کا مشرقی حصہ شامل ہے، کہ زمیندار کو اس کی سالانہ پیداوار کا ایک متضاعف (MULTIPLE) ادا کیا جائے، یہ متضاعف زمیندار کی مالی قوت کے مطابق متزائد (PROGRESSIVE) رکھا جاتا ہے، چنانچہ بہت بڑے زمینداروں کو سالانہ آمدنی کا صرف دو تین گنا دیا جاتا ہے، متوسط زمینداروں کو چار یا پانچ گنا اور چھوٹے زمینداروں کو سات آٹھ گنا تک دینا مناسب ہے، زمین کا معاوضہ اصل میں زمیندار کی علیحدگی کا معاوضہ ہے، ورنہ زمین کا معاوضہ صحیح معین کرنا بہت مشکل ہے، صرف اتنا یقینی ہے کہ اگر زمین کی قیمت میں سے ان قومی سرگرمیوں کا حصہ وضع کر لیا جائے جو زمین کی قیمت کو بڑھاتے رہے ہیں، تو زمین کی اصل قیمت مندرجہ بالا اصول کی نسبت بھی کم ٹھیرے گی۔

گویا ہماری زرعی اصلاح کی "زیادہ سے زیادہ" بھی زمیندار کو اس کی زمین سے علیحدگی کا معاوضہ ادا کرنے سے انکار نہیں کرتی۔

اب تک زرعی اصلاح کی دو حدیں معین ہو چکی ہیں، پہلی یہ کہ کوئی زمین کسی ایسے فرد کو کوئی فائدہ نہ دے گی جس پر وہ خود محنت نہ کرتا ہو، اور دوسرا یہ کہ ہر وہ فرد جو اس وقت ان زمینوں سے بغیر محنت کے کوئی فائدہ اٹھا رہا ہے اسے اس کی علیحدگی کی قیمت ادا کی جائیگی جسے اس کی آمدنی کے چند گنا کی شکل میں اسے ادا کیا جائے گا۔

مشرقی یورپ کے تجربے سے ایک سبق

یہ دونوں چیزیں ہم سے پہلے مشرقی یورپ کے بیشتر ملک کر چکے ہیں، یہ کام انھوں نے روس کی سیادت قبول کرنے سے بہت پہلے کیا تھا، فرق صرف یہ تھا، کہ زمیندار کے پاس انھوں نے ایک محدود ٹکڑا رہنے دیا تھا، جس پر وہ مزارع رکھ سکتا تھا، لیکن ہمارا کم سے کم اس سے آگے جاتا ہے، کہ ایک انچ زمین بھی کسی ایسے شخص کے پاس رہنے دینا مناسب نہیں سمجھتا جس پر وہ خود محنت نہ کرتا ہو، اس فرق کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے، کہ عام طور پر مشرقی یورپ کے ملک باوجود ان دونوں اہم چیزوں کے کرنے کے کوئی زرعی انقلاب پیدا نہ کر سکے، اور یہ تجربہ کسی ایک ملک کا نہیں، بلکہ آٹھ دس ملکوں کا ہے، لہٰذا ان کے تجربے کے نتائج کا مطالعہ ہمارے لئے ضروری ہے، یہ دونوں اقدام کرنے کے باوجود

Marfat.com

زرعی پیداوار کی اوسط ترقی ان ملکوں میں پچیس فیصدی سے آگے نہیں بڑھی وجہ یہ تھی کہ زرعی ترقی کے نئے اوزار جنھیں سائنس نے ایجاد کیا ہے ان ملکوں میں کسی بڑے پیمانے پر استعمال نہیں کئے گئے، ان چیزوں کے استعمال نہ ہونے کی دو وجوہات تھیں پہلی یہ کہ وہاں کا کاشتکار پہلی جنگِ عظیم کے بعد جب یہ اصلاحات نافذ ہوئیں، ہمارے کاشتکار کی طرح علم اور سرمایہ دونوں سے تہی تھا، اور دوسری یہ کہ اس کی ان خامیوں کو پورا کرنے کے لئے کسی قسم کی رہنمائی، تنظیم اور سرمایہ جو حکومتیں مہیا کر سکتی تھیں استعمال نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ زرعی پیداوار کی تقسیم پہلے کی نسبت منصفانہ تو ہو گئی، اور کسی حد تک پیداوار میں محض اس وجہ سے اضافہ بھی ہوا لیکن ترقی یافتہ زرعی سامان و آلات استعمال نہ ہوئے اور ان کے بغیر زرعی پیداوار میں انقلاب ممکن نہیں ہے۔

زرعی اصلاح کا تیسرا اصول

ہمارا بھی اصل مقصد تو زرعی پیداوار میں امکانی ترقی ہے لیکن مشرقی یورپ کا تجربہ بتاتا ہے کہ جو دو اصول زرعی اصلاح کے ہم نے وضع کئے ہیں، وہ اپنی ذات میں کافی نہیں ہیں، ہمارے ہاں شاید فائدہ اتنا بھی نہ ہو، جتنا مشرقی یورپ میں ہوا ہے کیونکہ کاشتکاروں کے کھیتوں کی اوسط ہمارے ہاں مشرقی یورپ کی اوسط سے بہت کم ہے، اور ترقی یافتہ زرعی آلات اور سامان بڑے کھیت چھوٹے کھیتوں کی نسبت زیادہ سہولیت سے استعمال کر سکتے ہیں، لہٰذا ہمارے ہاں تنظیم، رہنمائی اور سرمایہ مہیا کرنے کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے، تاکہ نئے کاشتکار جو اب زمینوں کی فصلوں کے مالک ہوں گے، وہ زمین سے اس کی امکانی پیداوار حاصل کر سکیں، یہ رہنمائی تو بیشتر باہر سے ہی آئیگی، کیونکہ ہمارے اوسط کاشتکار زرعی ترقی کے امکانات سے عموماً بے بہرہ ہیں سرمائے، کا بیشتر حصہ بھی ابتدا میں حکومتوں کو مہیا کرنا پڑے گا، اگرچہ ایک معقول حصہ خود کاشتکار بھی مہیا کر سکیں گے، اور رسال برسال اس حصے کو بڑھا سکیں گے، لیکن تنظیم کا بیشتر حصہ خود کاشتکاروں کو مہیا کرنا پڑے گا، اور یہ تنظیم کاشتکار اسی صورت میں مہیا کر سکیں گے جب انھیں اس کی ضرورت کا احساس ہو، لہٰذا رہنمائی کرنے والوں کا یہ فرض ہو گا، کہ وہ کاشتکاروں کو کسی قسم کی تنظیم پر مائل کریں۔ علیحدہ علیحدہ یہ کاشتکار کسی قسم کی زرعی ترقی کی سمت میں کوئی

Marfat.com

بڑا قدم نہیں اُٹھا سکتے، لیکن ایک دُوسرے کی مدد سے ترقی کے رستے بڑی حد تک انکے لئے کھل جاتے ہیں۔ یہ تنظیم امدادِ باہمی کی کوئی صورت اختیار کرے گی، حکومتوں کو اس چیز کا احساس ابھی تک نہیں ہُوا کہ جب تک وُہ ہر گاؤں کو کسی قسم کے ترقی یافتہ امدادِ باہمی کے اصول پر منظم نہیں کر چکتیں زرعی اصلاح کے امکانات بڑے پیمانے پر قطعی طور پر موجود نہیں ہیں۔

امدادِ باہمی کا تصوّر واضح کرنیکی ضرورت

امدادِ باہمی خود بہت سی شکلیں اختیار کر سکتی ہے، اور مغربی یورپ جہاں کی زراعت میں خاصے وسیع پیمانے پر یہ کارفرما ہے، وہاں اس کی نوعیتیں کئی ہیں، امدادِ باہمی ایک طرح کا اشتراک ہے، یہ اشتراک وسیع بھی ہو سکتا ہے، اور محدود بھی، یہ جتنا محدود ہوگا، اتنا ہی اس کے فوائد کم ہوتے جائیں گے، اور جتنا وسیع ہوگا، اتنا ہی انفرادی ملکیت کی اہمیت کم ہوتی جاتی ہے۔ زراعت میں امدادِ باہمی کئی شکلیں اختیار کر سکتی ہے، جن میں سے بعض زیادہ اہم یہ ہیں:-

(۱) امدادِ باہمی کی ایسی انجمنیں جو ممبروں کو قرض مہیّا کریں۔

(۲) امدادِ باہمی کی ایسی انجمنیں جو ممبروں کو قرض کے علاوہ کھاد، بیج، اور زرعی آلات مہیّا کریں۔

(۳) وُہ انجمنیں جو علاوہ یہ سب کچھ کرنے کے زمین کی پیداوار کی فروخت کا انتظام بھی کریں

(۴) ایسی انجمنیں جن میں نہ صرف اوپر لکھی ہوئی سب چیزیں مشترک ہوتی ہیں، بلکہ خود زمین کی کاشت اور اس پر محنت بھی مشترک ہوتی ہے، لیکن فصل کی کٹائی مشترک نہیں ہوتی، ہر ممبر اپنی زمین پر سے فصل خود کاٹتا ہے۔

(۵) ایسی انجمنیں جن میں اشتراک ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے، اور خود زمین کی ملکیت بھی مشترک ہوتی ہے۔

امدادِ باہمی کی ان سب قسموں پر تجربہ کیا جا چکا ہے، اور مختلف قسم کے ماحول کیلئے ہر ایک قسم اپنی اہمیت رکھتی ہے، خود مغربی یورپ کے ممالک میں ان میں ہر ایک قسم کی امدادِ باہمی کے ادارے موجود ہیں اور اپنی نوعیت کے مطابق کم یا زیادہ فائدہ اپنے ممبروں کو پہنچا رہے ہیں، ہمیں اپنی ضروریات کا جائزہ لینا چاہیئے کہ ہماری زرعی دقتیں دُور کرنے کے لئے

Marfat.com

کس قسم کا اشتراک ضروری ہے؟ اس اشتراک کی اہمیت سے انکار تو غالباً اب کسی کو نہیں ہوگا، صرف اشتراک کی مقدار کے متعلق اختلاف رائے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ پہلی تینوں قسموں کی امداد باہمی کی انجمنوں کے متعلق تو کوئی اختلاف رائے موجود نہیں ہے اور چوتھی سے کوئی مفر نظر نہیں آتا، جب تک کاشت مشترک نہ ہو، ہمارے کھیتوں کا انتشار اپنی جگہ قائم رہتا ہے، مانا کہ اب مزارع خود مالک بن گئے، لیکن محض یہ کرنے سے تو انکے بکھرے ہوئے کھیت مجتمع نہیں ہوجائیں گے اور اگر وہ مختلف جگہ پانچ سے آٹھ ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں (جیسی کہ صورت اس وقت ہے) تو دنیا کی کوئی زرعی اصلاح ان کے لئے قابل عمل نہیں رہتی، لہٰذا ہمارے کھیتوں کا انتشار ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم چوتھے قسم کے امداد باہمی کے اصول سے ابتدا کریں، اس اصول کے مطابق کاشتکاروں کی غالب اکثریت کو اکٹھا کیا جاسکتا ہے، یہ اشتراکِ عمل ان کے موجودہ مسائل میں سے بیشتر کو حل کرے گا، اور ہمارے عام کاشتکار کا اپنے اپنے زمین کے ٹکڑے کے ساتھ جو گہرا لگاؤ ہے اسے بھی کالعدم نہیں کرے گا، اس کی زمین کی شخصی ملکیت اس حد تک قائم رہے گی، کہ وہ فصل نہ ہی حاصل کرے گا، جو اس کی زمین پر ہوگی، اور اس طرح ذاتی نگرانی اور اپنے ٹکڑے پر محنت کرنے کی خواہش برقرار رہے گی، لیکن اس چیز کے علاوہ باقی ہر چیز مشترک ہوگی، کس کس ٹکڑے پر کیا بویا جائے گا، گاؤں کے مشترکہ فیصلے سے طے پائے گا، پھر بونے کا عمل، کھاد، بیج، آبپاشی کے اوزار سب مشترک ہونگے، اس کے بعد فصل کی نگرانی بعد فصل کا کاٹنا انفرادی ہوگا، لیکن کاٹ چکنے کے بعد فصل کی فروخت کا انتظام اجتماعی طور پر کیا جائے گا۔

جبر کا عنصر

اس اصول پر بیشتر کاشتکار صرف اپنی صوابدید سے بھی متفق ہوسکتے ہیں، لیکن بعض آدمی ہر قسم کے ماحول میں ایسے ہوتے ہیں، کہ محض اپنی فطرت سے مجبور ہوکر نیکی کے ہر کام میں روڑا بن جاتے ہیں، پاکستان نے اگر اپنی زراعت میں کوئی قابلِ قدر انقلاب پیدا کرنا ہے، تو ان لوگوں کو کھلی چھٹی نہیں دی جاسکتی کہ وہ امداد باہمی کی اس صورت پر بھی عمل کرنے سے انکار کردیں، ظاہر ہے، کہ ہمارے سیاسی

Marfat.com

معتقدات اس قسم کے جبر کو جائز نہیں سمجھتے جو روس میں اختیار کیا گیا اور جس کے مطابق اشتراک سے انکار کرنے والے زمینداروں کو اپنے کھیتوں کے علاوہ اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ لیکن اس حد تک جبر بڑا مناسب ہوگا کہ جو اس قسم کی امداد باہمی کی انجمن سے قومی تقاضوں کی وضاحت کے باوجود باہر رہنا چاہے' وہ اپنی اس خواہش کی قیمت قوم کو ادا کرنا کرے' اور مثال کے طور پر مالیہ امداد باہمی والے کھیتوں سے دگنا یا ڈیوڑھا ادا کرے۔ نیز ہر قسم کے ادارے جو ان امداد باہمی کی انجمنوں کی امداد کے لئے حکومت کی طرف سے قائم ہوں وہ ان کی خدمات کی قیمت امداد باہمی والی انجمنوں کی نسبت زیادہ ادا کرے' لیکن جبر کی یہ آخری حد تصور کرنی چاہیئے' اور عام حالات میں قوم کو اس سے زیادہ سخت قدم اُٹھانے سے گریز کرنا چاہیئے۔

تیسرے زرعی اصلاح کے اُصول پر ایک تنقیدی نظر

اس اُصول پر دائیں اور بائیں دونوں طرف سے حملہ کیا جا سکتا ہے' دائیں بازو والے یہ کہیں گے' کہ یہ اُصول امداد باہمی کی ضرورت سے زیادہ منظم شکل پیش کرتا ہے' آیئے ایک لمحہ کے لئے ہم پھر امداد باہمی کے اطلاق کے ان پانچ درجوں کی طرف لوٹ جائیں' جو ہم اوپر دیکھ چکے ہیں' اور غور کریں کہ کیا اس سے کمتر قسم کی امداد باہمی کی کوئی صورت ہمیں موجودہ مشکلات سے نجات دلا سکتی ہے' یا نہیں؟ مثال کے طور پر بجائے چوتھے درجے کی امداد باہمی کی صورت کے جسے ہم نے اپنایا ہے' اگر ہم تیسرے درجے کی امداد باہمی تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھیں تو کیا ہمارا زرعی مسئلہ حل نہیں ہو جاتا؟ تیسرے درجے کی امداد باہمی یہ تھی' کہ سرمایہ' کھاد' بیج اور زرعی آلات وغیرہ مشترک ہوں' اور فصل کی فروخت بھی مشترک ہو' لیکن کاشت انفرادی ہو' ہر شخص اپنی اپنی زمین کو خود بوئے (جس میں یہ شق شامل ہے' کہ جو چاہے بوئے اور جیسے چاہے بوئے) کہا جا سکتا ہے' کہ جب اچھے بیج بھی ملیں' کھاد بھی' آبپاشی کے وسائل کا اہتمام بھی ہو جائے تو پھر کھیتوں کو مشترک طور پر بونے کی کیا ضرورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر ہر کاشتکار کا اپنا اپنا کھیت کا ایک ہی ٹکڑا مناسب رقبے کا موجود ہوتا تو کوئی ضرورت نہیں تھی' لیکن کھیت نہ تو مناسب

Marfat.com

رقبے کے ہیں اور نہ اکٹھے ہیں، اوسطاً ہر کاشتکار کے پاس پانچ سے آٹھ ٹکڑے ہیں، رُہ اکٹھے بھی ہوتے تو پاکستان کی اوسط کے اعتبار سے پانچ ایکڑ کے ہوتے جن پر زرعی مشینیں کام نہیں کر سکتیں، لیکن نہ اکٹھے نہیں ہیں وُہ پانچ سے آٹھ ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں، لہٰذا اچھے بیجوں، کھاد، آبپاشی وغیرہ سے پورا فائدہ اسی صورت میں مل سکتا ہے جب اچھی نگرانی بھی ہو لیکن پانچ یا سات ٹکڑوں پر کوئی شخص نہ نگرانی کر سکتا ہے اور نہ محنت، بہر حال اگر یہ کھیت اکٹھے کئے جا سکیں تو کاشت کے اشتراک کی ضرورت کی شدّت کم ہو جاتی ہے لیکن اشتمال اراضی کی گذشتہ پچاس سال کی مہم آج تک کوئی قابلِ قدر کارنامہ نہ دکھا نہیں سکی گذشتہ پچاس سال میں پچیس فیصدی کھیتوں کو پنجاب میں اکٹھا کیا جا سکا ہے لیکن اسی عرصے میں قانونِ وراثت کے اطلاق کی وجہ سے کم از کم پچیس فیصدی کھیت بکھر بھی چکے ہیں گویا ہم وہیں ہیں جہاں سے چلے تھے، یا شاید اس سے بھی بدتر حالت میں ہیں، کھیتوں کا اکٹھا کرنا کم از کم اتنا مشکل ضرور ہے جتنا اب تک بنائے ہوئے تمام زرعی اصولوں کو عملی جامہ پہنانا، لیکن یہ فرق پھر بھی بچتا ہے کہ مجتمع کھیت دو پشتوں کے اندر پھر بکھر جائیں گے، لیکن مشترک کاشت میں عملاً کھیتوں کے بکھرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اصل میں دائیں بازو والوں کے تمام اعتراض ہیچ ہو جاتے ہیں، جب ہم وراثت کے مسئلہ پر نظر رکھیں، وراثت کا قانون خود اللہ تعالےٰ نے ہمیں بتایا ہے اور وہی جان سکتا ہے کہ اس میں ہمارے لئے کیا کیا مصلحتیں پوشیدہ ہیں، لیکن ایک مصلحت بالکل واضح ہے کہ انسانوں کا بھلا، چاہنے کا تصور اور عورتوں کی تکریم اس وراثت کے قانون سے قوت حاصل کرتے ہیں، اس زمانے میں جب مادی تہذیبیں بھائی چارے اور ہمدردی کو دلوں سے محو کر رہی ہیں، اس قانون کی اہمیت واضح ہے، لیکن اگر یہ واضح نہ بھی ہوتی جب بھی مسلمان رہتے ہوئے ہم اس قانون کو بدل نہیں سکتے، اس قانون کو بدلنے کے لئے ہمیں مذہب تبدیل کرنا پڑیگا، لہٰذا قانون تو یہی رہے گا، لیکن اس قانون کی موجودگی میں اگر مشترک کاشت کے اصول کو نہ مانا جائے تو ہم قومی اعتبار سے اپنی زراعت کی قبر کھود لیں گے، نہ صرف یہ کہ جہالت، بیماری، غلاظت اور بدعملیوں کے دیو ہمارا پیچھا نہ چھوڑیں گے، بلکہ حالت کھیتوں کی مزید تقلیل اور انتشار کے ساتھ بد سے بدتر

Marfat.com

ہوتی چلی جائے گی بکھرے ہوئے چھوٹے کھیتوں کی زرعی اصلاح کی کوئی صورت موجود نہیں ہے، جب تک ان پر مشترک کاشت نہ کی جائے، اور اگر مشترک کاشت اختیار کر لی جائے تو وراثت کا قانون کوئی دقت پیدا نہیں کرتا، ملکیت کے موجودہ سو کھیتوں کی بجائے ہزار بھی ہو جائیں، ہل، بیج، کھاد، آبپاشی وغیرہ کا اہتمام تو اکٹھا ہی ہو گا، حدیں عملی طور پر کوئی وجود نہ نہیں رکھیں گی، صرف کاغذ پر تحریر ہو گا، کہ فلاں شخص کے اتنے ایکڑ ہیں، اور فلاں شخص کے اتنے۔

ایک پہلو اس مسئلے کا اور بھی ہے، ہم شروع میں دیکھ چکے ہیں کہ ہماری زراعت میں دو چیزوں کا عنصر بڑھانے کی ضرورت شدید ہے، پہلا باغ لگانا اور دوسرا شیر خانے قائم کرنا، ایک تو اس وجہ سے کہ ان میں سے ہر ایک کی آمدنی کم از کم کسی دوسری قسم کی زراعت سے پانچ گنا زیادہ ہے، گویا اگر ہر گاؤں کی زمینوں کے پانچویں حصے کو ان کاموں کے لئے مخصوص کر دیا جائے، تو گاؤں کو اتنا فائدہ اس سے حاصل ہو جائے گا، جتنا اب پورے گاؤں کی زمین سے ملتا ہے، علاوہ ازیں درختوں کی اہمیت ایندھن کی قلت اور ہماری زمین کی مختلف بیماریوں کے پیش نظر بھی واضح ہے، اسی طرح شیر خانوں کی ضرورت زرعی کھاد کی ضرورت کے پیمانے سے ماپی جاسکتی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اس طرح کی امداد باہمی کی انجمنیں وجود میں آئیں جن کا تقاضا اوپر کے زرعی اصلاح کے اصول کرتے ہیں، تو ان کے پہلے فیصلوں میں سے ایک یہ ہو گا، کہ ایک مشترک باغ لگایا جائے، جس کے لئے گاؤں کے رقبے کا دسواں حصہ علیحدہ رکھ دیا جائے، اور ایک مشترک شیر خانہ قائم کیا جائے، جس کے جانوروں کے لئے چارہ اُگانے کے لئے ایک اور دسواں حصہ مخصوص کر دیا جائے ظاہر ہے کہ اس کام کو انتہائی خوش اسلوبی سے صرف مشترک کاشت کے ذریعے ہی کیا جاسکتا ہے، اسی طرح ہر گاؤں میں زمین پر جو جو فصلیں لگانی ہیں، اور جس جس حصہ پر لگانی ہیں اس کا فیصلہ یہی انجمنیں کریں گی اس میں ان کے پیش نظر مجموعی مفاد ہو گا، افراد کی خواہشیں نہیں ہونگی، اس کا نتیجہ یہ ہو گا، کہ ہمارے کاشتکار کے بکھرے ہوئے کھیتوں کے ٹکڑے اپنی موجودہ حیثیت میں برقرار نہیں رہینگے بلکہ یا تو انھیں ایک علیحدہ کھیت اپنے رقبے کے مطابق بنا دیا جائیگا جس میں سے وہ فصل کاٹیں گے، یا کُل گاؤں کی آمدنی میں ان کا حصہ ان کے رقبے کے مطابق علیحدہ کر دیا

Marfat.com

جائیگا، عملی صورت خواہ کوئی بھی ہو کاشتکار کے موجودہ ترچھے ٹیڑھے اور بھینگے کھیت برقرار نہیں رہیں گے، لیکن اس کی ملکیت اس رقبہ پر ضرور قائم رہے گی۔

شروع میں تو فصل کی تقسیم ہر شخص کے لئے رقبے کی مقدار کے مطابق ہو گی، لیکن چند سالوں کا عملی تجربہ ایک نیا مسئلہ پیدا کرنے لگا، کچھ لوگ محنتی، اچھے کام کرنے والے اور ذمہ دار ہونگے اور کچھ نکمے اور کام چور ہونگے، اگر مشترک فصلوں میں سے اپنے رقبے کے مطابق حصہ لینا ہے تو وہ شخص جس کا رقبہ زیادہ ہے، وہ حصہ زیادہ حاصل کریگا، بہ نسبت اس شخص کے جس کا رقبہ کم ہے اس چیز سے قطع نظر کہ خواہ اوّل الذکر بے کار قسم کا کارکن ہو اور آخر الذکر بے انتہا محنت کرے، لہٰذا بہت سے کارکن اس پر زور دینا شروع کریں گے کہ فصل کی تقسیم میں محنت کو بھی ماپا جائے اور صرف رقبہ کا خیال نہ رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ تقاضا بھی کوئی غیر منصفانہ نہیں ہوگا، اس کا حل شاید کچھ اس قسم کا ہوگا کہ گاؤں کی نصف آمدنی رقبے کے اعتبار سے تقسیم کی جائے، اور باقی نصف محنت کے اعتبار سے اس مسئلے کو ہر گاؤں اپنی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق طے کرے گا، کسی قسم کا جبر نہیں کیا جائیگا اور فیصلہ تمام ممبر خود کریں، حکومت صرف بدلتے حالات پر نظر رکھے گی، اور جہاں ضرورت ہو مشورہ رہنمائی اور مدد دیتی رہے گی۔

زرعی اصلاح کا یہ اصول اپنے اندر خاصی لچک رکھتا ہے، اور نئے تقاضوں کے جواب اس میں نکلتے آئیں گے، مثال کے طور پر ایک مسئلہ یہ پیدا ہو سکتا ہے، کہ ایک بڑے قلیل رقبے کا مالک مر جاتا ہے، اور اس کے وارثوں میں سے کوئی زمین پر کام نہیں کرنا چاہتا اس کے حصے پر اب کیا اثر پڑے گا؟ اس کو ظاہر ہے کہ اس کے زمین کے ٹکڑے کا معاوضہ دے دیا جائیگا، بالکل اسی طرح جس طرح موجودہ زمینداروں سے زمین معاوضہ دے کر لی جائے گی، یعنی اس کی زمین کی آمدنی اسے چند سالوں تک دے دی جائے گی، اور اس کے بعد اس کا اس زمین کے رقبے پر کوئی حق نہیں رہے گا، زمین کی ملکیت امداد باہمی کی انجمن کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔

زمین کی آپس کی خرید و فروخت کا حق غالباً برقرار رہیگا، لیکن اگر کسی گاؤں کے

Marfat.com

ارکان یہ مناسب سمجھیں تو اپنی انجمن کو شفعہ کا حق دے سکتے ہیں ۔

اگرچہ ہم ابھی تک دائیں بازو والوں کے اعتراضوں کا جواب دے رہے ہیں لیکن ہمیں ہمیں یہ اعتراف ہے، کہ اس اُصول پر عمل کرنے سے زمین کی ملکیت کی اہمیت کم ہو جائے گی، لیکن ملکیت مفقود نہیں ہوگی، ماسوا اس کے کہ کسی علاقے کے کاشتکار ایسا کرنا چاہیں، اور محنت کش کی اہمیت بڑھ جائے گی، لیکن اگر ایسا ہو، تو آخر اس میں حرج کیا ہے؟ اگر محنت کرنے والوں کو ان کی محنت کا ثمر ملنا شروع ہو جائے، اور صرف زمین کی ملکیت کی بنا پر فصل حاصل کرنے والوں کو معاوضہ دے کر علیحدہ کر دیا جائے، اور پھر محنت کش مشترک کاشت کریں، تو اس میں کونسی روحانی یا اخلاقی یا قانونی سقم نظر آتا ہے؟ ہاں اگر وہ ایسا نہ کریں، تو اتنی خامیاں پیدا ہوتی ہیں، کہ پاکستان کے تمام مقاصد تخلیق فوت ہو جاتے ہیں اور ہر قسم کی مادی اور روحانی ترقی کا راستہ بند ہو جاتا ہے ۔

اب بائیں بازو کی طرف آئیے، انہیں یہ اُصول شاید ایک آنکھ نہ بھائے، لیکن ان ان سے جو دلیل اور صداقت کا اعتراف کرنے کے لئے تیار ہیں، ان سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ زمین کے انتظام کی رُو سے کونسی اصلاح یافتہ صورت موجود ہے، جو اس اُصول میں ممکن نہیں؟ اچھے بیج، اچھی کھاد، آبپاشی کے اہتمام، زمین اور فصلوں کی بیماریوں کے انسداد، فصلوں کی ترتیب ترقی یافتہ زرعی مشینوں کے استعمال، فصلوں کے فروخت کے اہتمام، سرمایہ مہیا کرنے کا راستہ، زرعی معاشیات کے مسائل یہی ہیں یا کچھ اور؟ ان میں سے کونسی چیز ایسی ہے، جس کے لئے مجوزہ نظام میں راستہ مسدود نظر آتا ہو؟ ان معاشی مسائل سے بلند تر اخلاقی مسائل ہیں: محض ملکیت کی بنا پر فصل حاصل نہ کرنا، محنت کش سے اس کی محنت کا معاوضہ نہ چھیننا، ایسا نظام قائم کرنا جس میں اکثریت جہالت بیماری اور غلاظت سے نجات حاصل کر سکے، اور نتیجے کے طور پر چوری، بے ایمانی اور دھوکا اس حد تک دور کرنا جس حد تک وہ مجبوری کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، بھائی چارے اور ہمدردی کا اظہار الفاظ کی بجائے عمل میں کرنا، کیا یہ چیزیں حاصل کرنے کی کوئی اور صورت موجود ہے، جس میں تخریب کم سے کم ہوتی ہو؟

Marfat.com

شاید وُہ یہ کہیں کہ زمین کی مشترک کاشت کی بجائے زمین کی ملکیت ہی مشترک ہونی چاہیئے، کیا یہ بہتر نہیں ہوگا، کہ اس چیز کا فیصلہ کاشتکاروں کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے، جہاں تک مشترک کاشت کا تعلق ہے اس پر بہرحال انھیں آمادہ کیا جائے، اور اگر ضرورت ہو تو کسی حد تک مجبور بھی کیا جائے، کیونکہ قومی فلاح کے لئے یہ ناگزیر ہے، لیکن اگر وُہ اس سے ایک قدم (یا سو قدم) اور آگے جانا چاہیں، تو حکومت کی طرف سے اس پر کوئی قید نہیں ہو گی، یہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں، کہ مشترک کاشت اختیار کرنے کے بعد یہ سوال ضرور پیدا ہو گا، کہ فصل کی تقسیم محض رقبے کے اعتبار سے نہ ہو، بلکہ محنت کو بھی مانا جائے، تو ظاہر ہے کہ اتنا منصفانہ تقاضہ رد نہیں کیا جا سکے گا، اگر ایسا ہو، اور کسی گاؤں کی اکثریت یہ طے کرے، کہ پچاس فی صدی فصل محنت کے اعتبار سے تقسیم کی جایا کرے گی، تو کیا اس حد تک یہ مشترک ملکیت نہیں ہے؟ اور پھر اس حد پر بھی کوئی قید نہیں ہے، اگر کوئی گاؤں چاہے، تو وُہ پچھتر فی صدی فصل محنت کے اعتبار سے تقسیم کر سکتا ہے، اور اگر کسی گاؤں کے کاشتکار یہ چاہیں، کہ وُہ ساری فصل محض محنت کے اعتبار سے تقسیم کیا کریں گے، تو انھیں کون روک سکتا ہے؟ وُہ خود ان زمینوں کے مالک ہیں، اور اب وُہ انفرادی ملکیت کو مشترک ملکیت میں بدلنا چاہتے ہیں، تو صرف ان کاشتکاروں کو معاوضہ دینا پڑے گا، جو اوسط سے زیادہ زمین کے مالک ہیں، اور دینے والے وُہ ہونگے، جو اوسط سے کم کے مالک ہیں، اور پیمانہ وہی ہوگا کہ اوسط سے زیادہ زمین کے مالک کو اوسط سے زیادہ زمین کے حصّے کی فصل کا چند گنا (مثال کے طور پر دس گنا) ادا کر دیا جائے گا۔

معاوضہ کا مسئلہ زرعی تاریخ کی روشنی میں

بائیں بازو والا غالباً یہ جواب دے گا، کہ معاوضہ دیا جانا ہی تو اس تجویز کا بنیادی نقص ہے، اور اسے یقین ہے، کہ زمیندار ایک ظالم ہے، جو بہت خون چوس چکا ہے، اور اسے کسی مزید مراعت کا مستحق سمجھنا بڑی ناانصافی ہے بالخصوص جب وُہ مراعت اسی کاشتکار کو ادا کرنی ہے جو پہلے صدیوں سے زمیندار کو اپنی محنت کا پھل دیتا آیا ہے،

Marfat.com

اس دلیل میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ وہ ہنگامی نقطہ نظر کو تاریخ کی صدیوں پر پھیلا دیتا ہے۔ آج زمیندار زراعت میں نہ صرف کوئی تعمیری کردار ادا نہیں کر رہا، بلکہ اس کا وجود زمین کی ترقی کے راستے میں بڑی روک بن گیا ہے، لیکن ہمیشہ وہ ایسا نہیں تھا، کاشتکار جو صدیوں سے زمیندار کو اپنی محنت کا پھل دیتا آیا ہے، تو اس کی بنا زمیندار کا وہ تعمیری کردار تھا جو وہ زراعت میں صدیوں بلکہ ہزاروں سالوں سے نبھاتا چلا آیا ہے۔ اس کے وجود کی ضرورت کاشتکاروں کو اتنی ہی تھی جتنی حکومتوں کو، اور اس کی خدمات کے بغیر دونوں میں سے کسی کا کام بھی پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ تاریخ کی شہادت اس سلسلے میں قطعی طور پر واضح ہے۔

جب انسان نے گلہ بانی کی زندگی کو ترک کر کے زراعت کرنا شروع کی تو ابتدائی دور میں سب انسان آزاد تھے اور کوئی زمیندار موجود نہیں تھا۔[1] بعض سیاسی سردار موجود تھے جن کی اطاعت کی جاتی تھی اور جنھیں تحائف یا ٹیکس ادا کیے جاتے تھے لیکن زمیندار کہیں نہ تھے جو زمین کا ٹھیکہ وصول کریں اور جو سارے گاؤں سے خدمت طلب کر سکتے ہوں لیکن جلد ہی زراعت کا دوسرا دور شروع ہو گیا جس میں زمیندار نہ صرف موجود تھے بلکہ کوئی گاؤں اور کوئی جھونپڑا ایسا نہ تھا جو کسی زمیندار کے قبضے میں نہ ہو۔[1]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ زمیندار کہاں سے آ گئے، اور اگر وہ اتنی ہی بیکار چیز تھے جتنی کہ ہمارے بائیں بازو والے سمجھتے ہیں تو زراعت کے ابتدا کے ذرا بعد سے لے کر اب تک ان کا قائم رہنا انتہائی حیرت انگیز ہے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں جب فصلیں بوئی گئیں تو کاٹنے کے وقت ان کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام موجود نہیں تھا، بلکہ گاؤں کے گاؤں کو فتح کرنا انتہائی آسان تھا۔ کسانوں نے ابھی اپنا دفاع کرنا نہیں سیکھا تھا۔ اس کے لیے بیّن تاریخی شہادت موجود ہے کہ زرعی معیشت کے ابتدائی دور میں فتوحات بڑی آسان تھیں۔[2]

---

[1] این، ایس، بی، گراس: اے ہسٹری آف ایگریکلچر ان یورپ اینڈ امیریکا، صفحہ ۱۰-۱۱۔

[2] این، ایس، بی، گراس: اے ہسٹری آف ایگریکلچر ان یورپ اینڈ امیریکا، صفحہ ۱۲۔

Marfat.com

ابتدائی فتوحات محض تاخت وتاراج کے لیے ہوتی تھیں، فصلیں کاٹیں، مویشی چھینے، لونڈی، غلام لیے۔ فاتح اپنی بستی کو واپس لوٹ گئے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد کاشتکاروں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنا دفاع کرنا سیکھیں اور دفاع کی تنظیم کے لیے کسی مضبوط آدمی کی قیادت قبول کریں۔ مضبوط آدمی خود فاتحین سے بہتر کون ہو سکتا تھا! دوسری طرف ان چھوٹی چھوٹی بستیوں کے حملہ آوروں نے بھی اپنی قیادت قائم کرنے کو ہر اعتبار سے زیادہ فائدہ مند محسوس کیا، حملہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، جب کاشتکار خود فصل کا حصّہ دے دیا کرے گا جس مویشی کی ضرورت ہو، وہ گھر آ کے باندھ جائیگا، جس کی خدمت کی ضرورت ہو وہ انکار نہیں کریگا! زمیندار کا وجود ایک خاص معاشی ضرورت کے پیش نظر اتنی صدیاں قائم رہا، وہ ضرورت یہ تھی، کہ وہ فصل کا ایک حصّہ لے، لیکن فصل کاٹنے کا کسی حد تک یقین فصل بونے والے کو دلا دے، ظاہر ہے کہ اگر زمیندار کا وجود فصل کاٹنے کا یقین فصل بونے والے کو نہ دلاتا، تو زراعت اتنی ترقی بھی نہ کر سکتی، جو اس نے آج تک کی ہے، زمیندار کی اس دور میں ضرورت اتنی شدید تھی، کہ اگر باہر کے فاتحین کے ہاتھوں کوئی بستی بچتی تھی تو محض اس وجہ سے کہ اس بستی نے اپنے اندر ایک زمیندارہ نظام قائم کر لیا ہوتا تھا، زراعت کا مورخ اس چیز کو یوں بیان کرتا ہے۔

"جب ایک گاؤں فتح ہو چکتا تھا تو فاتح جلد یا بدیر اس گاؤں کے زمیندار بن جاتے تھے اور اس حیثیت سے وہ گاؤں سے فوائد بھی حاصل کرتے تھے اور اس کی حفاظت بھی کرتے تھے، اگر کوئی گاؤں فتح ہونے سے بچا، تو وہ عموماً دفاع کا انتظام قائم کرنے سے ہوا، لیکن یہ دفاع کا نظام خود زمینداری کا ایک نظام بن گیا، جو مفتوح گاؤں کے زمیندارہ نظام کے مماثل ہی تھا"[1]

گویا زمیندارہ نظام کاشتکاروں کے لیے اتنا ضروری تھا کہ اگر باہر سے کوئی مضبوط قائد نہیں ملتا تھا، تو وہ اپنے آپ میں سے سب سے باہمت اور مضبوط آدمی کی سیادت قبول کر لیتے تھے، اس کا حکم مانتے تھے، اور اس کو اپنی فصل کا کچھ حصّہ دیتے تھے تاکہ وہ دفاع کا مناسب انتظام کر سکے، اس وقت کا زمیندار آج کے زمیندار کی طرح معطل

[1] این۔ ایس۔ بی۔ گراس، اے ہسٹری آف ایگریکلچر ان یورپ اینڈ امیریکا۔ صفحہ ۱۴

Marfat.com

نہیں تھا، بلکہ تنظیم، حکومت اور دفاع سب اس کی ذات میں جمع تھیں۔

پھر جب نسبتاً بڑی حکومتیں قائم ہوئیں تو زمیندار کی ایک نئی اہمیت پیدا ہو گئی، یہ نئی حکومتیں اتنی طاقتور تو شاذ ہی ہوئی ہیں کہ زمیندار کی کوئی ضرورت نہ رہے لیکن اتنی مضبوط ضرور ہوتی تھیں کہ چھوٹے چھوٹے زمینداروں کو اپنا باجگذار بنا لیتی تھیں، اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ زمیندار کی آمدنی کا ایک حصّہ یا ایک مقررہ رقم یہ حکومتیں وصول کر لیتی تھیں اور اس طرح انھیں ہر کاشتکار سے مالیہ وصول کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تھی، علاوہ ازیں زمیندار مقامی طور پر امن کے لئے ذمہ دار ہوتا تھا اور رعایا اور حکومت کے درمیان ہر پہلو سے وہی واسطہ تھا، خود زمیندار کو اس نئی سیادت قبول کرنے میں وہی فائدہ تھا جو کاشتکار کو زمیندار کی اطاعت قبول کرنے میں ملتا تھا، کاشتکار نے بجائے ہر روز تاخت و تاراج ہونے کے زمیندار کو فصل کا حصّہ دینا اور اپنی حفاظت کروانا مناسب سمجھا، زمیندار خود اپنی ذات میں بھی کوئی مستقل چیز نہ تھے، خود ان پہ حملے ہو سکتے تھے اور زمینداری چھن سکتی تھی، لہٰذا ایک مضبوط تر حاکم جو سب نزدیک کی زمینداریوں کا فرمانروا ہو ان میں سے ہر زمینداری کو حملوں سے بچانے کی زیادہ قوّت رکھتا تھا، اور جب کہیں ایسا حاکم ظہور میں آتا تھا زمیندار اسے اپنی آمدنی کا ایک حصّہ دے کر اس کی اطاعت قبول کر لیتے تھے،

زمیندار کی یہ اہمیت اب بھی دنیا کے کئی حصّوں میں موجود ہے جن میں افریقہ کے بیشتر علاقے شامل ہیں لیکن جہاں جہاں حکومتیں اتنی مضبوط قائم ہو گئی ہیں کہ ان کا بازو ہر گاؤں اور ہر جھونپڑے تک پہنچتا ہے، وہاں زمیندار کی ضرورت باقی نہیں رہتی، نہ حکومت کو اور نہ کاشتکار کو۔ حکومتوں کی یہ نئی قوت اسی صدی کی پیداوار ہے اور اس کی اساس حکومت کے نئے تصورات اور سائنس کی ایجادات ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ مثال کے طور پر آج پاکستان میں کاشتکار جو بوتا ہے اس پر یقین رکھ سکتا ہے، کہ اگر کوئی آسمانی حادثہ نہ ہو تو وہ اس فصل کو کاٹے گا، لہٰذا زمیندار کی وہ تاریخی اہمیت باقی نہیں رہی، یہی حال حکومت کا ہے وہ اتنی منظم ہے کہ ہر کاشتکار سے خود مالیہ وصول کر سکتی ہے اسے کسی زمیندار کا ممنونِ احسان ہونے کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

لہذا بائیں بازو والے جب یہ کہتے ہیں کہ زمیندار ہمیشہ سے کاشتکاروں کا خون چوستے آئے ہیں اور اب ان کی زمینیں بغیر معاوضہ کے ان سے چھین لینی چاہئیں تو وہ آج کے ہنگامی حالات کا اطلاق تاریخ پر کر رہے ہوتے ہیں، اور یہ تاریخی شہادت کے خلاف ہے، زمیندار ہمیشہ فصلوں کا حصہ وصول کرتا رہا ہے، لیکن اس کے بدلے بڑا اہم کام بھی کرتا رہا ہے، آج وہ عضو معطل ہو گیا ہے، لہذا اسے حصہ دینا بند کر دیجئے لیکن اسے کوئی ایسا معاوضہ ضرور دیجئے کہ وہ اپنی روزی کا کوئی اور میدان تلاش کر سکے۔

زمین اور دیگر آلات پیداوار کا بنیادی فرق

ایک اعتراض اور ہے جو بظاہر قوی ہے اور دائیں بازو والے عموماً کرتے ہیں، جب زمینداریوں کے بچنے کی موجودہ حالت میں کوئی صورت انھیں نظر نہیں آتی، تو وہ کہتے ہیں کہ صرف زمینیں حکومت کیوں جبراً حاصل کرتی ہے، کارخانے بھی کیجے، دوکانیں بھی کیجے وغیرہ وغیرہ اس اعتراض میں وہ بنیادی فرق نظر انداز کیا جاتا ہے جو مثال کے طور پر کارخانوں اور زمین میں ہے، کارخانے نئے بن سکتے ہیں، زمینیں نئی نہیں بنائی جا سکتیں (سوائے ایک محدود حد کے، مثلاً تھل کی زمینیں نئی آباد ہو رہی ہیں) اس لئے کارخانوں کے مالک اگر قومی فلاح کے خلاف مسلسل اقدام کریں، مثلاً ناجائز منافع بازی کریں، تو ان کی اصلاح محض حکومت یا صارفین کی نگرانی میں چند نئے کارخانے بنانے سے ہو سکتی ہے، کارخانوں پر قبضہ کرنا ضروری نہیں، زمین پر اس کے برعکس جیسا کہ ہم تفصیلاً دیکھ چکے ہیں قبضہ کرنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ ناگزیر ہے، ہاں اگر زمین کسی صورت میں پیدا کی جا سکتی تو یہ ضروری نہ رہتا، ہم کاشتکاروں کی دقتوں کا یہ علاج کر لیتے، کہ نئی زمین پیدا کر کے اس میں انھیں بسا دیتے لیکن یہ صورت ممکن نہیں زمین ایک خدا کا عطیہ ہے جس کا رقبہ پھیلانے کے امکان انتہائی محدود ہیں۔

علاوہ اس بنیادی فرق کے کل آلات پیداوار پر قبضہ کرنا ایک خاص نظام حیات و فکر پیدا کرتا ہے، جو اسلام کے نظام حیات و فکر سے خاصا مختلف ہے، جہاں حکومت تمام آلات معیشت کی مالک ہوتی ہے، وہاں انسان اپنی آزادی سلب کر دیتے ہیں،

Marfat.com

اور ایسا ہونا قطعاً ناگزیر ہے، جب تک معاشی قوت کا کچھ حصہ افراد کے ہاتھوں میں نہ ہو، سب آلات پیداوار کی مالک حکومت کے سامنے فرد ہیچ اور بے سہارا ہو کے رہ جاتا ہے،

اس سلسلہ میں مشہور مصنف لوئی فشر کی رائے بڑی معقول معلوم ہوتی ہے:

"غیر محدود سرمایہ داری کی وحدانیت سے چھلانگ لگا کے صنعت، سرمایہ اور جائداد کلی طور پر حکومت کی گرفت میں دے دینا کسی دقت کو بھی دور نہیں کرتا، بلکہ یہ اقدام انتہائی خطرناک ہے، ان ملکوں میں بھی جہاں جمہوریت کی جڑیں روس اور جرمنی کی نسبت زیادہ مضبوط ہیں قوت تامہ کی مالک حکومت — کیونکہ وہ ہر چیز کی مالک ہے — آزادی کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔ میں زیادہ مضبوط حکومت سے ڈرتا ہوں، کیونکہ افراد اس کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں، جہاں سب حکومت کے ملازم ہوں وہاں کوئی ہڑتال نہیں کر سکتا، جہاں حکومت ہر چیز کی مالک ہو وہاں افراد چھاپہ خانہ کیسے رکھ سکتے ہیں؟ اور اگر چھاپے خانے حکومت کے ہیں تو حکومت پر تنقید کیسے کی جا سکتی ہے[1]؟"

اگر ہم اس وسیع تر نقطۂ نظر کو چھوڑ کر محض زرعی ضروریات تک اپنے آپ کو محدود رکھیں تو بھی یہ تقاضا کہ سب آلات پیداوار قومی ملکیت میں منتقل کر دیئے جائیں خود زرعی ترقی کے لئے مہلک ہو گا، ہمارا زرعی اصلاح کا محرک تو زمین سے امکانی فصلیں حاصل کرنا ہے، تاکہ یہ فصلیں بڑھتی ہوئی قومی ضروریات کی کفیل بن سکیں، لیکن اگر ہر چیز قومی ملکیت میں منتقل ہو جائے تو کیا وہی دقت پیدا نہ ہو گی۔ جو روس میں پیدا ہوئی تھی اور جیسے ہم تفصیلاً روس کے زرعی نظام میں دیکھ چکے ہیں یعنی کاشتکاروں سے غلہ حکومت اپنے مقرر کردہ نرخ پر خریدے گی اور ان کے پاس اپنے مقرر کردہ نرخ پر ان کی ضروریات بیچے گی، جس کے نتیجے کے طور پر زرعی اصلاح کا بیشتر فائدہ حکومت اپنے نفع کی شکل میں حاصل کرے گی، اس دقت کا علاج روس میں انتہائی متشددانہ طریق سے کیا گیا، کیا ہم وہ تشدد یہاں بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں؟

زرعی اصلاح کا چوتھا اصول | زرعی اصلاح کے یہ تین اصول ایک ایسا انقلاب

---

[1] لوئی فشر، مین اینڈ پولٹیکس، صفحہ ۲۲۴۔

Marfat.com

پیدا کر سکتے ہیں، جس میں روس کی طرح کی خون آشامی تو نہیں ہوگی، لیکن مشترک زراعت کے تمام فائدے حاصل ہو جائیں گے اور جو شاید زرعی اصلاح کے لئے تمام ممالک اسلامیہ بلکہ تمام زرعی ممالک کے لئے ایک نمونہ بن سکے، لیکن یہ تین اصول اپنی کامیابی کے لئے بڑے پیمانے پر حکومت کی رہنمائی اور مدد کے ضرورت مند ہونگے۔

فرض کیجئے کہ کاشتکار زمین پر قابض ہو جاتے ہیں اور زمینداروں کو ان کا معاوضہ دے کر علیحدہ کر دیا جاتا ہے، اور اس کے بعد مشترک کاشت شروع ہو جاتی ہے، لیکن اگر رہنمائی میسر نہ ہوگی، تو ایک اوسط گاؤں زراعت کی امکانی ترقی تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اسے فصلوں کے چننے میں ان کی ترتیب میں، آبپاشی کے انتظاموں میں، درختوں کے چننے میں، مویشیوں اور شیر خانوں کے اہتمام میں، قدم قدم پر رہنمائی کی ضرورت بھی ہوگی اور اکثر صورتوں میں سرمائے کی بھی، زرعی ترقی کا جو ادارہ پاکستان میں قائم ہو چکا ہے، اسے یا اس کے مثل کسی اور ادارے کو سرمایہ اور رہنمائی مہیا کرنے کے لئے قائم کرنا پڑیگا، یہ ادارہ مثال کے طور پر ہر دس گاؤں میں اپنی ایجنسی قائم کریگا، اور ہر گاؤں کی امداد باہمی کی انجمن کو اچھے قسم کے بیج مہیا کرے گا، حیوانی کھاد جمع کرنے کا طریقہ بتائے گا، مصنوعی کھاد مہیا کریگا، زرعی آلات اور ٹریکٹر اس ادارے سے خریدے بھی جا سکیں گے اور کرائے پر بھی حاصل کئے جا سکیں گے، یہ ادارہ بتائیگا، کہ کون سے پھلوں کی کاشت کس علاقے میں مفید رہیگی، اور ضرورت ہو تو وہ درخت مہیا کرے گا، اسی طرح گائے بھینس کی اصلاح یافتہ نسلوں مکھی کے چھتوں، مرغی خانوں، بھیڑ بکری کی پرورش، ہر چیز کی ضرورت اس ادارے سے پوری ہو سکنی چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ یہ ادارہ تمام ضروریات اسی صورت میں پوری کر سکتا ہے، جب اس کے پاس خاصا سرمایہ ہو، یہ سرمایہ تمام صوبائی حکومتوں اور مرکزی حکومت کو مل کر مہیا کرنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ زمینداروں، صنعت کاروں، تاجروں ہر ایک کو اس ادارہ کے حصے خریدنے چاہئیں، کیونکہ ہر ایک کی فارغ البالی بالآخر کاشتکار کی فارغ البالی پر منحصر ہے۔

اس سرمائے سے اس ادارے کو کیمیائی کھاد کا ایک کارخانہ قائم کرنا چاہیئے، جو

Marfat.com

ملک کی ضروریات کے لئے مکتفی ہو، اچھے بیجوں کے فارم قائم کرنے چاہئیں، پھلوں کی وسیع نرسریاں، مویشیوں کے فارم اور زرعی آلات کے کارخانے قائم کرنا بھی اس کے لئے ضروری ہے، اس ادارے کی ایجنسی جو کم وبیش ہر پانچ یا دس گاؤں میں ایک ہو گی۔ ہر گاؤں کی ضرورت کے مطابق یہ سب چیزیں گاؤں کی امداد باہمی انجمن کو دیدے گی، اگر انجمن ان چیزوں کی کل قیمت یا اس کا کچھ حصہ نقد ادا نہ کر سکے، تو ادارہ یہ چیزیں ہر گاؤں کی قرض ادا کر سکنے کی ہمت کی حد تک انھیں دے دے، اور پھر جب فصل تیار ہو، تو تمام فصل اس ادارے کے ذریعے منڈیوں میں بیچی جائے، یہ ادارہ بیج، کھاد، زرعی آلات اور دیگر ضروریات کو گاؤں کے پاس بیچے اور ان پر مثال کے طور پر صرف چھ فیصدی منافع حاصل کرے، اور اسی طرح فصلوں کی فروخت پر بھی اس کے منافع کی اوپر کی حد یہی ہو، فصل خریدتے ہوئے جو چیزیں قرض پر ہر گاؤں کی انتظامیہ پنچایت، یا امداد باہمی کی انجمن نے حاصل کی ہوں ان کی قیمت وضع کر لی جائے، اس طرح ہر گاؤں کو سرمایہ بھی مہیا ہو سکے گا اور خود ادارہ بھی منافع حاصل کرے گا، یہ ادارہ زراعت کے مختلف شعبوں کے ماہر بھی رکھے گا تاکہ مشکل مسائل میں ہر گاؤں کو فنی رہنمائی مل سکے۔

اگر ہم یہ سب کچھ کر سکیں اور سوائے دوں ہمتی کے ان چیزوں کے نہ کر سکنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے، تو نتیجہ کیا ہو گا؟ نتیجے کی ایک دھندلی سی تصویر بھی ہمیں اس چیز کا یقین دلا سکتی ہے کہ اس سے کم ہم کسی چیز پر قناعت نہیں کر سکتے!

خلافتِ دِہ کی عملی تشکیل

سب سے پہلا فرق تو ہماری فصلوں کی پیداوار میں ہو گا، صرف مناسب اور پوری کھاد کا استعمال ہماری چاول کی فصل کو دگنا کر دے گا، اور گندم کو ڈیوڑھا، پٹ سن میں پچیس فی صدی کا اضافہ اور کپاس میں دو سو فیصدی فصل میں اضافہ ہو جائے گا، یہ اندازے جیسے کہ ہم تفصیلاً پہلے دیکھ چکے ہیں تقسیم سے قبل کی حکومت ہند کے زرعی مشیر ڈاکٹر برنز کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم اس سے بہت بلند تر نتائج حاصل کر سکیں گے کیونکہ ہم فصلوں کو صرف کھاد نہیں دیں گے بلکہ اچھے بیج بھی، آبپاشی کے وسائل بھی، زرعی آلات بھی لہٰذا کل زرعی پیداوار

Marfat.com

میں اضافہ تین سے پانچ گنا تک ہوگا، اور اگر ہم پھلوں اور شیر خانوں، مرغی خانوں، شہد کے چھتوں اور بھیڑ بکری وغیرہ کا اہتمام بھی کریں تو اضافہ یقیناً پانچ گنا کے قریب تر ہوگا، کیا یہ تصور کہ ہماری آبادی کے تین چوتھائی کی آمدنی پانچ گنا بڑھ جائے، ہمارے ذہن کے سامنے ایک رنگین تر صبح کے طلوع کا تصور نہیں پیش کرتا؟ کیا اس کے بعد پاکستان کے بلند ترین عزائم کا حاصل کرنا ہماری گرفت میں نظر نہیں آتا؟

اگر اس آمدنی کا دسواں حصہ بھی ہر گاؤں کی انتظامیہ کمیٹی مشترک مصارف کے لیے علیحدہ رکھے تو کیا آپ کو ہر گاؤں میں اچھے سکول، ہر دو چار گاؤں میں ایک اچھا ہسپتال اور سڑکیں بنانے کے لاینحل مسائل حل ہوتے نظر نہیں آتے؟

اگر تین چوتھائی آبادی کی آمدنی میں پانچ گنا اضافہ ہو تو کیا ان کے گھر زیادہ دیر تک ڈھور ڈنگر کے ٹھکانے رہ سکیں گے؟ کیا وہاں روشنی اور صفائی اور مسرت مسکرانا نہیں شروع کریگی؟ کیا ان کے بچے اور بچیاں علم سے محروم رہ سکیں گے؟ اور اگر یہ سب کچھ بدل جائے تو کیا یہ انقلاب نتائج کے اعتبار سے دنیا کے کسی انقلاب سے کمتر ہوگا؟

اور پھر یہ انقلاب محض مادی اور معاشی نہیں ہوگا، ہم نہ صرف روحانی اور اخلاقی اقدار میں قربان نہیں کریں گے بلکہ ان کی جڑوں کو گہرا لے جائینگے اس کے بعد کوئی دشمن ہمیں مٹا نہیں سکیگا، ہمیں ایسی چیزیں نظر آئینگی جن کے قیام کے لئے قربان ہو جانا ممکن ہوگا۔

اور اگر تفصیل میں ذرا دیکھیں تو ہماری قومی زندگی کے کتنے بیمار عضو خود بخود کٹ کے دور ہو جاتے ہیں، حکومت کا مالیہ کس سہولت سے صرف ایک جگہ سے وصول ہو سکے گا۔ ہر گاؤں کی انجمن اس چیز کو ادا کردیگی زمین کے جھگڑے مٹنے سے بیکار مقدمہ بازی ختم ہو جائے گی کوئی حد کا جھگڑا نہیں ہوگا، کیونکہ حدیں مٹ چکی ہونگی، باقی جھگڑے صرف زن اور زر کے رہ جائیں گے، وہ انتظامیہ جو ہر گاؤں میں ہر شخص کی محنت کا صلہ معین کرے گا، وہ ان کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے، اور یوں انصاف آسان بھی ہوگا سستا بھی، اور نسبتاً صحیح بھی۔

کوئی شخص محض بڑی زمین کا مالک ہونے کی وجہ سے کچھ حاصل نہیں کریگا، لوگوں

Marfat.com

کی آمدنی ان کی ملکیت کے مطابق نہیں ہوگی بلکہ محنت کے مطابق ہوگی ظاہر ہے کہ ذہنی ساخت اور اندازِ فکر پر بھی یہ چیز اثر کرے گی، بڑائی اور عزت ملکیت کے ساتھ وابستہ نہیں رہے گی، محنت اور تخلیق کے ساتھ وابستہ ہو جائے گی۔

ہمارے کاشتکار انسانوں کی طرح کھڑے ہو سکیں گے، زمیندار تو خیر ختم ہی ہو جائینگے، لیکن پولیس ہو کہ مالیہ کے افسر یا کوئی اور افسر وہ کسی کے سامنے بھی جھکنے کی ضرورت محسوس نہیں کرینگے، ہر گاؤں ایک چھوٹی سی مملکت ہوگی اور ہر کاشتکار اس مملکت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہوگا۔

کیا جمہوریت کی یہ اساس اس خلافت کی صحیح صورت نہیں ہوگی جس کا قیام پاکستان کے پیش نظر ہے؟ بجائے اس کے کہ کاشتکار زمیندار کی لاٹھی کے ساتھ ہانکے ہوئے ووٹ دینے آجایا کریں، انھیں خلافت وہ قائم کرتے ہوئے جمہوری ادارے کا عملی تجربہ ہوگا، ان کا انتظامیہ نہ صرف مشترک کاشت سے تعلق رکھنے والی تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوگا، بلکہ اسے چھوٹے چھوٹے مقدمے فیصلہ کرنے کے اختیار بھی ہونگے، کاشتکار اپنے انتظامیہ کو ہر سال خود چنا کریں گے اور اگر وہ نااہل ثابت ہو، تو اسے برطرف بھی کر سکیں گے۔

اس تجربے کے بعد وہ زیادہ ذمہ داری سے ووٹ دیا کریں گے خواہ وہ ضلع کی انتظامیہ کے ہوں، یا صوبے کی اسمبلی کے۔

ہر انتظامیہ دفاع کے لئے دس فیصدی نوجوانوں کو ہر سال تربیت دیگا، اگر ہر گاؤں بیس رائفلیں بھی رکھے، تو پاکستان کے ہر دشمن کو ان نئی تیس لاکھ رائفلوں کے متعلق غور کرنا پڑے گا، جو اپنے اس نئے نظام کو قائم رکھنے کے لئے جان کی بازی لگانے والوں کے ہاتھ میں ہونگی، جنھیں اس نظام نے عزت، بھائی چارہ، علم، دولت اور افتخار ہر چیز دی ہوگی۔

اسلام کا اندازِ حیات صرف اس صورت میں عملاً ظاہر ہو سکتا ہے، جب ہر کاشتکار کو اپنا کام کرنے کے بعد اتنی فرصت ملے گی کہ وہ ان بلند تر روحانی اور اخلاقی اقدار کے متعلق غور کر سکے جس نے اس کی آزادی سلب کرنے کے بغیر اسے وہ سب کچھ دیا ہے۔

Marfat.com

جو کسی اور ملک کے کاشتکار کو میسّر ہے!

ہمیں اس کے لئے کیا قیمت دینا پڑتی ہے؟

صرف یہ کہ زمینداروں کو ان کی زمین کا معاوضہ دے کر علیحدہ کر دیا جائے اور کاشتکاروں کو مشترک کاشت پر مائل کیا جائے، اور پھر ان کی رہنمائی کی جائے اور سرمایہ مہیا کیا جائے، کیا یہ سودا مہنگا ہے؟ . . . . .

ایک آواز آتی ہے کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، حیرت ہے کیونکہ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ اسلام اس کے بغیر نپپ ہی نہیں سکتا، اور اسلام کی روحانی قدریں محض اس وجہ سے محلِ نظر نہ بن سکیں گی، کیونکہ ہم نے جو معاشی ماحول اپنے گرد بنا رکھا ہے اس کا تانا اور بانا جہالت اور بیماری ہیں۔

لیکن معترض کی آواز شدید ہو جاتی ہے، اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ ہم جبراً کسی سے زمین حاصل کریں اگر واقعی یہ صورت ہے، تو ہم کسی قسم کی معاشی ترقی کے لئے اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتے معاشی پیمانے بہر حال عارضی حیثیت رکھتے ہیں اور اصل زندگی جو قبر کے بعد شروع ہوتی ہے، صرف ایک فصل اور اس کی پیداوار کو دیکھے گی، اور وہ نیک عملوں کی فصل ہے۔

لیکن دیکھ تو لیں! آخر قرآن کریم کوئی ایسی بند کتاب تو ہے نہیں کہ جسے صرف مذہب کے اجارہ دار ہی چھو سکیں، ہر مسلمان اپنے مذہب کو خود ٹٹول سکتا ہے، آئیے! دیکھیں کہ کہیں قرآن حکیم یا احادیث یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ہمارا راستہ روکتی ہے کہ نہیں، اور اگر وہ نہیں روکتے، تو خواہ کتنا بڑا مولانا روکے ہم نہیں رکیں گے، ہم اللہ کی خلافت کو ہر گاؤں اور ہر جھونپڑے میں قائم کر کے رہیں گے!

Marfat.com

باب ششم

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

[علما کا نقطۂ نظر، مرزا صاحب کا قرآن کریم سے استدلال، مرزا صاحب کی پہلی قرآنی سند، مرزا صاحب کی دوسری قرآنی سند، غلط بحث سے بچنے کی ضرورت، مرزا صاحب کی تیسری قرآنی سند، کیا زرعی تاریخ میں اجتماعی کاشت مفقود ہے؟ مرزا صاحب کی چوتھی قرآنی سند، مولانا مودودی کا قرآن سے استدلال، مولانا مودودی کی پہلی قرآنی سند، مولانا مودودی کی دوسری قرآنی سند، مولانا مودودی کی قرآن سے تیسری سند، علمائے کرام سے ایک اپیل، اجتماعی ملکیت بھی قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ زرعی تنظیم کے بنیادی اُصول، زمین کا مقصدِ پیدا، اسلامی معاشرت میں اخوّت کا تصور، قرآن میں زرعی مساوات کا تصور، لارض للہ کا مفہوم]

علما کا نقطۂ نظر ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ ہر وہ اقدام جو جہالت اور غلاظت کے خلاف اُٹھایا جائے، جس سے ظالم کا جبر اور مظلوم کی زیردستی ختم ہو سکیں، جس سے افلاس دُور ہو اور معاشی انصاف عام ہو، اسے اسلام کی مدد ضرور میسّر ہوگی، لیکن بعض مذہب کے عالم ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ آپ جو چاہیں زمین کے ساتھ کریں لیکن آپ زمیندار سے زمین اس کی مرضی کے خلاف نہیں لے سکتے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ زمیندار کہتا چلا جائے کہ میں زمین کی ملکیت سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تو اسلامی حکومت مجبور رہے کہ باوجود شدید قومی تقاضوں کے زرعی نظام کو جُوں کا توں قائم رہنے دے، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ زرعی نظام میں تبدیلی کے بغیر زرعی اصلاح کی گنجائش بڑی محدود ہے۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تمام علمائے اسلام اس خیال کے نہیں ہیں، گذشتہ چند

Marfat.com

سائل میں علما کی طرف سے جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں ان میں سے بیشتر کا خیال یہ ہے کہ اسلام ماسوائے معاوضے کی ادائیگی کے اور کوئی قید اس سلسلے میں عائد نہیں کرتا۔[1] چونکہ خود ہمارا نقطۂ نظر یہی ہے، اس لئے ہم بجائے ان کے تصوّر کی وضاحت کے ان علماء کی دلیلوں پر پوری توجہ سے غور کریں گے، جو یہ کہتے ہیں کہ زمینداروں سے زمینیں لی ہی نہیں جاسکتیں، کیونکہ اگر صورت یہ ہے تو ہمارے عزائم کا محل نہیں بہرحال گرانا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام انسانوں کی محدود نظر کی نسبت زیادہ پائدار بنیادوں پر استوار ہیں۔

دو علمائے کرام بالخصوص یہ رائے رکھتے ہیں، ان کے اسمائے گرامی مرزا بشیر الدین محمود احمد، اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ہیں، یہ دونوں حضرات مذہب کا اتنا علم رکھتے ہیں جتنا کوئی اور رکھتا ہے، اور بڑی جماعتیں انہیں اپنا رہنما تسلیم کرتی ہیں، لہٰذا ان کی دلیل کو پوری طرح جانچنے کے بغیر رد کرنا کسی پہلو سے بھی قابلِ ستائش نہیں ہو سکتا۔

مرزا صاحب کا قرآن کریم سے استدلال

یہ حضرات قرآن حکیم، سنّتِ رسول اللہ، فقہ اور عقلی دلائل ہر ایک سے یہ چیز ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کسی قسم کی انقلابی تبدیلی زرعی نظام میں ممکن نہیں، اس باب میں ہم ان کی صرف ان دلیلوں کا جائزہ لیں گے جو وہ قرآن کریم کی آیات سے دیتے ہیں، مرزا بشیر الدین صاحب کی رائے اُن کے الفاظ میں یہ ہے کہ: "حکومت یہ نہیں کہہ سکتی کہ چونکہ اس شخص کی ملکیت دوسرے لوگوں کے لئے مضر ہے اس لئے اس کو ملکیت سے محروم کر دیا جائے، کیونکہ ملکیت اپنی ذات میں ضرر نہیں پہنچاتی جس طرح کہ غلط کاشت اپنی ذات میں دُوسروں کو نقصان پہنچاتی ہے۔"[2] یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ "غلط کاشت" کسی حد تک ملکیت کے موجودہ نظام سے تعلق

---

[1] مثلاً علامہ مناظر احسن گیلانی (اسلامی معاشیات) مولانا حفظ الرحمٰن (اسلام کا اقتصادی نظام) اور ڈاکٹر محمد یوسف الدین (اسلام کے معاشی نظریے)، آخری کتاب پر مصنف نے اسلامیات میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی سند عثمانیہ یونیورسٹی سے لی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس نقطۂ نظر سے یہ کتاب لکھی گئی ہے، اس پہلو سے اس مضمون پر اصلاح کرنا کچھ وقت کے لئے مشکل ہے۔

[2] مرزا بشیر الدین محمود احمد - اسلام اور ملکیت زمین، صفحہ ۴۴

Marfat.com

رکھتی ہے۔ لہٰذا اگر مرزا صاحب کی یہ رائے ہو کہ "حکومت کو یقیناً اختیار حاصل ہے کہ وہ حکم دے دے کہ اس علاقے میں فلاں چیز کا بونا چونکہ لوگوں کے لئے مضر ہے اس لئے اس کو نہ بویا جائے"[1] تو پھر خود ان کی دلیل کے مطابق ملکیت زمین کو اس حد تک حکومت دُور کرنے کا اختیار رکھتی ہے، جس حد تک اس کا نتیجہ "غلط کاشت" ہو، اور موجودہ ملکیت زمین کی وجہ سے جتنی "غلط کاشت" ہو رہی ہے، اس کے شواہد اتنے قوی ہیں (اور جنہیں ہم پہلے دو ابواب میں دیکھ چکے ہیں) کہ انھیں جھٹلانا قریب قریب ناممکن ہے۔[2]

ہمیں ان کی "غلط کاشت" اور "ملکیت" کی تفریق عجیب سی معلوم ہونے لگتی ہے، لیکن پھر کسی بہتر دلیل کی امید ہو جاتی ہے جب وہ کہتے ہیں "اب میں یہ بتاتا ہوں کہ زمین کے مالک کے حقوق کسی حد تک قرآن کریم . . . . سے ثابت ہیں"[3]۔ ہم قدرتی طور پر توقع کرتے ہیں کہ وہی حق قرآن حکیم سے ثابت کیا جائے گا جس کا دعویٰ مرزا صاحب کرتے ہیں یعنی یہ کہ "حکومت یہ نہیں کہہ سکتی کہ چونکہ اس شخص کی ملکیت دوسرے لوگوں کے لئے مضر ہے اس لئے اس کو ملکیت سے محروم کر دیا جائے"[4]۔ لہٰذا آئیے پورے غور سے ان آیات قرآن کو پڑھیں جو مرزا صاحب بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

---

[1] مرزا بشیر الدین محمود احمد۔ اسلام اور ملکیت زمین صفحہ ۴۳۔ [2] ملکیت کا جو اثر کاشت پر پڑتا ہے، بعض پہلوؤں سے مرزا صاحب خود بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں دیکھئے اسلام اور ملکیت زمین صفحات ۲۴۴-۲۴۰۔ اس سلسلے میں اگر مزید شواہد اور ثبوت کی ضرورت باقی ہو تو اقوام متحدہ کی ایک تازہ رپورٹ (Land Reform) زرعی اصلاح کے نام سے ملاحظہ فرمائیے، جنرل اسمبلی نے پانچویں سیشن میں سکریٹری جنرل کے پاس سفارش کی تھی کہ "وہ غذا اور زرعی تنظیم اور دیگر ماہر اداروں کی مدد سے اقتصادی اور سماجی کونسل کے تیرھویں اجلاس میں ایک رپورٹ پیش کریں جس سے یہ پتہ چل جائے کہ کس حد تک غیر تسلی بخش زرعی نظام بخصوص زمین کی ملکیت کے طریقے . . . . اقتصادی ترقی کو روکتے ہیں"۔ (ریزولیشن نمبر ۴۰۱ (۵)) یہ رپورٹ اس ریزولیشن کے مطابق اقوام متحدہ کے تمام ماہر اداروں کی مدد سے تیار ہوئی ہے۔ متعلقہ سوال کے ایک فقرے میں وہ یہ جواب دیتی ہے، اس رپورٹ کے پہلے باب میں جو مختصر جائزہ لیا گیا ہے وہ بتاتا ہے کہ غیر تسلی بخش زرعی نظام اور خاص طور پر زمین کی ملکیت کے طریقے بہت سی شکلوں میں غیر ترقی یافتہ ملکوں میں اقتصادی ترقی کو روکتے ہیں" (دیکھئے رپورٹ محولہ بالا کا صفحہ ۶۵)، گویا ملکیت زمین اور غلط کاشت میں اتنا بعد نہیں ہے، جتنا مرزا صاحب تصور کرتے ہیں۔ [3][4] ایضاً۔ اسلام اور ملکیت زمین۔ صفحہ ۴۳۔

Marfat.com

مرزا صاحب کی پہلی قرآنی سند

"قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو کہا : اسکن انت وزوجک الجنۃ (بقرہ ع) اے آدم تو اور تیری بیوی دونوں اس باغ میں رہو' اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انسان زمین کا مالک ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور ان کی بیوی کو ایک باغ کا مالک بنایا اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کو کسی جگہ پر رہنے کا اختیار دیا جائے، دوسروں کو اس جگہ پر جانے کا اختیار باقی نہیں رہتا[1]"

مرزا صاحب قرآن کے مفسر بھی ہیں اور وہ بیشتر لوگوں سے زیادہ فرصت رکھتے ہیں، لیکن یہ آیت تو بالکل اس چیز کو ثابت نہیں کرتی کہ زمین کے مالک کی زمین حکومت اس سے حاصل نہیں کر سکتی' آدم اور اس کی بیوی کو اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ "تم دونوں جنت میں رہو" اس سے وہ انفرادی ملکیت زمین کی قطعیت کہاں ثابت ہوئی کہ اس کی نفی خلیفہ وقت بھی نہ کر سکے ؟ اس طرح سے اگر تفسیر کی جائے تو ہر آیت سے ہر قسم کا مطلب نکالا جا سکتا ہے اس قسم کا استدلال اکثر قرآن حکیم سے کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ایک دفعہ اقبال رحؒ نے فرمایا تھا کہ "قرآن دنیا کی سب سے مظلوم کتاب ہے" مرزا صاحب سے یقیناً ہم اس سے بہتر دلیل کی توقع رکھتے ہیں ۔

مرزا صاحب کی دوسری قرآنی سند

"اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک کافر اور مومن کی گفتگو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے : لولا اذ دخلت جنتک قلت ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ ان ترن انا اقل منک مالاً وولداً فعسی ربی ان یؤتین خیراً من جنتک ویرسل علیھا حسباناً من السماء فتصبح صعیداً زلقا . (کہف ع) ۔

"یعنی مومن کافر سے کہتا ہے، جب تو اپنے باغ میں داخل ہوتا ہے تو تو یہ کیوں نہیں کہتا کہ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی کو کوئی طاقت حاصل نہیں ہے اور تو مجھ پر فخر جتاتا ہے کہ تیرے پاس مجھ سے زیادہ مال ہے اور تیری اولاد مجھ سے

---

[1] ایضاً صفحات ۴۳-۴۴-ہم نے احتیاطاً مرزا صاحب کو لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے' اس آیت پر اس سے زیادہ تھوڑا اور کچھ نہیں کہا ۔۔

Marfat.com

زیادہ ہے پس تو یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ مجھے تیرے باغ سے بڑا باغ دے اور تیرے باغ پر آسمان سے ایک کنکروں والی آندھی چلائے اور تیرا باغ اجڑی ہوئی زمین ہو کر رہ جائے۔ گو یہ ایک مثال ہے لیکن اس سے یہ اصول ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان بڑے بڑے باغوں کا بھی مالک ہو سکتا ہے اور باغ اور زمین میں کوئی فرق نہیں کیونکہ باغ زمین کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے"۔[۱]

غلط مبحث سے بچنے کی ضرورت

ظاہر ہے کہ یہ آیت بھی کہیں زمیندار کی زمین کے حکومت سے خرید سے جانے کے خلاف کچھ نہیں کہتی، اور ہم تو صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کہیں قرآن حکیم حکومت کے اختیارات سے اس سلسلے میں انکار تو نہیں کرتا۔ سوائے یہ ثابت کرنے کے اور کوئی ضرورت ان آیات سے استدلال کی سمجھ نہیں آتی اور اگر یہ آیات زمیندار کو حکومت کی خواہش اور عوام کے مفاد کے باوجود زمین رکھنے کا اختیار دیتی ہیں تو یہ معنی کسی اوسط سمجھ کے آدمی کو اس آیت میں نظر نہیں آئیں گے خود مرزا صاحب جو اس سلسلے میں اوسط سے یقیناً بلند تر مقام رکھتے ہیں صرف یہ "اصول" اس آیت میں سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انسان بڑے بڑے باغوں کا بھی مالک ہو سکتا ہے۔ لیکن اس "اصول" سے انکار کس نے کیا ہے؟ انسان نہ صرف بڑے بڑے باغوں کا مالک ہو سکتا ہے بلکہ ہے اور دنیا کے ہر خطے میں اس کی مثالیں موجود ہیں، لیکن ہمیں تو یہ پوچھنا ہے، کہ کیا بڑے بڑے باغوں کا مالک ہونا اسلامی نظام کے ساتھ لازم ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے یا حکومت کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو عوام کے مفاد کے پیش نظر مالکوں سے ان کے باغ لے لے؟ اس قسم کا غلط مبحث یقیناً مرزا صاحب کے بلند رتبہ کے شایان شان نہیں ہے بات سیدھی اور صاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ زرعی ترقی کے لئے زرعی نظام تبدیل ہونا چاہیئے اور زمینداروں سے زمینیں لے لینی چاہئیں آپ کہتے ہیں کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا لیکن خدارا آخر وہ مقام بھی تو پتہ چلے جہاں اسلام زمینداروں سے زمینیں کسی صورت

---

[۱] ایضاً صفحات ۴۴-۴۵۔ اب کے بھی مرزا صاحب کا پورا استدلال نقل کیا ہے!

Marfat.com

میں بھی نہ لئے جا سکنے کا حق تسلیم کرتا ہو، مرزا صاحب کہتے ہیں "اب میں بتاتا ہوں کہ زمین کے مالک کے حقوق کس حد تک قرآن کریم . . . . . سے ثابت ہیں"[1] اور اس کے بعد یہ آیات لکھتے ہیں لیکن ان آیات میں تو یہ زمیندار کا حق ملکیت حکومت کے مقابلے میں قطعی اور ابدی ہونا ثابت نہیں ہوتا، مرزا صاحب ان کے بعد قرآن کی اور آیات بھی لکھتے ہیں، آیئے انھیں بھی دیکھ لیں، شاید وہ یہ مسئلہ حل کر دیں۔

مرزا صاحب کی تیسری قرآنی سند

تاکہ تحریف کا کوئی شبہ نہ ہو، ہم اگلی آیت کے متعلق بھی مرزا صاحب کی پوری تحریر نقل کریں گے، وہ لکھتے ہیں: "اسی طرح سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گذشتہ انبیاء کی قوموں نے جب ان کو دکھ دیا اور ان کو دھمکی دی کہ وہ انھیں ملک سے نکال دینگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو الہام کیا کہ: لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ (ابراہیم ع ۲) ہم اپنی ذات ہی کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم کو اس زمین میں بسا دیں گے، اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے زمین میں بسانے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور جب ہم پہلی تاریخوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے، کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی امتوں میں فردِ واحد کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا تھا، پس "ہم بسا دینگے" کے الفاظ نے اس ملکیت کو نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ اس بات کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ وہ ملکیت خدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق تھی اور خدا تعالیٰ کی عطا کی ہوئی تھی"[2]۔

قرآن کریم کی آیت "ہم ان کے بعد یقیناً تمہیں زمین میں بسا دینگے" سے تاریخی استدلال سے قطع نظر اگر زمین کی انفرادی ملکیت اور پھر اس کی قطعیت ثابت ہوتی ہے تو ہمیں اعتراف ہے کہ ہمیں وہ بصیرت نہیں ملی جس سے ہم یہ معنی دیکھ سکیں۔

کیا زرعی تاریخ میں اجتماعی کاشت مفقود ہے

البتہ تاریخ سے جو حوالہ دیا گیا ہے وہ بظاہر صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ "رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی امتوں

---

[1] ایضاً اسلام اور ملکیتِ زمین صفحہ ۴۳ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۵۴ ۔

Marfat.com

میں فردِ واحد کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا تھا" مرزا صاحب اسے ایک مسلمہ قرار دیتے ہیں اور مولانا مودودی کے ہاں بھی یہ ایک اصول کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے جس میں تنقید کی چنداں گنجائش نہیں مثال کے طور پر ایک صاحب کو جواب دیتے ہوئے جو قرآن مجید سے اجتماعی کاشت ثابت کرنا چاہتے تھے، مولانا مودودی لکھتے ہیں: "نظامِ تمدن میں ایسی انقلاب انگیز بنیادی تبدیلی کہ زمین کو اشخاص و افراد کی ملک سے نکال کر اجتماعی ملک بنا دیا جائے اگر فی الواقع قرآن حکیم کے پیشِ نظر ہوتی اور یہی اس کا منشا ہوتا تو وہ اسے محض اس طرح کے اشاروں میں بیان نہ کرتا جن سے آپ یہ مضمون نکال رہے ہیں بلکہ وہ صاف صاف الفاظ میں پرانے دستور کو بند کرنے کا حکم دیتا اور آئندہ کے لیے واضح طور پر بتاتا کہ زمین سے انتفاع کی کیا صورت وہ رائج کرنا چاہتا ہے"[1]۔ مولانا مودودی کے نزدیک بھی پرانا دستور یہی تھا کہ زمین "اشخاص و افراد" کی ملک ہوتی تھی اور اجتماعی ملک نہیں ہوتی تھی اور مرزا صاحب کا تاریخ کا مطالعہ بھی یہی بتاتا ہے کہ رسول کریمؐ سے "پہلی امتوں میں فردِ واحد کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا تھا" کیا بہتر نہیں ہوگا کہ ہم چند ورق زرعی تاریخ کے الٹ کر دیکھ لیں کہ کیا یہ واقعی صحیح ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا (اشاعت ۱۹۵۰ء) کا دیہی گروہوں (Village COMMUNITIES) کا مقالہ نگار اس موضوع پر مکمل بحث کرتا ہے، پوری بحث تو ہم یہاں اختصار کے ساتھ بھی نہیں لکھ سکتے، البتہ جو نتائج مقالہ نگار خود آخر میں مرتب کرتا ہے ان میں سے بعض مختصراً یہ ہیں: (۱) تہذیب کے ابتدائی ادوار میں انسانی معاشرہ ایک دوسرے کی مدد کی طرف زیادہ مائل تھا معاشی معاملوں میں بھی اور دفاع کی خاطر بھی[2]۔

(۳) گلہ بانی اور ابتدائی زراعت کے زمانے میں زمین عموماً قبیلوں، خویش و اقارب یا بڑے بڑے گھرانوں کی مشترک ملکیت ہوتی تھی، اور افراد کو صرف اس کے استعمال کا حق حاصل تھا

(۷) ہر گاؤں میں اب بھی بعض مشترک رقبے ملتے ہیں جو پرانے مشترک نظام کی آخری نشانی ہیں اور ان کے وجود کو اور کسی طرح نہیں سمجھا جا سکتا جب تک ہم پرانے قانون اور دستور کو نہ جانیں۔

---

[1] سید ابو الاعلیٰ مودودی: مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۱۰-۱۱

[2] گنتی ہم مقالہ نگار کی ہی استعمال کر رہے ہیں۔

Marfat.com

یہ نتائج مقالہ نگار یورپ کی زرعی تاریخ سے نکالتا ہے، دیگر علاقوں کی زرعی تاریخ میں اشتراکی عمل جس حد تک موجود تھا اس کا پتہ اسی کتاب کے ایک دوسرے مقالے "ابتدائی حقیقت زمین"[1] میں ملتا ہے، بعض علاقوں کے متعلق اس کی تصریحات مختصراً یہ ہیں۔

انڈیمان کے کسی مقامی گروہ کی شکارگاہ سارے گروہ کی ملکیت ہوتی ہے اور سب افراد کو اس میں شکار کرنے کا برابر کا حق حاصل ہوتا ہے اور کل رقبے کی حدیں تسلیم کی جاتی ہیں۔

آسٹریلیا میں قبل تاریخ کے زمانے سے ہی مختلف قبیلوں کے رقبے کے حدود وہی ہیں جو آج بھی موجود ہیں، ان رقبوں میں ان کے اجداد اسی طرح شکار کھیلتے اور اپنی رسمیں مناتے تھے جیسے آج منائی جاتی ہیں۔

امریکہ کے اصل باشندوں مثلاً کریکوں کے ہاں ہر فرد کو قبیلہ کی زمین پر شکار کرنے کا حق حاصل ہے۔
ہر قبیلہ عام طور پر زمین کا مشترک مالک ہے اور کبھی کبھی مثلاً اریکونوں کے ہاں کاشت بھی مشترک ہے،

مرکزی افریقہ میں زمین کی ملکیت تو سردار کی ذات سے متعلق ہوتی ہے لیکن یہ ملکیت اس کی ذاتی نہیں ہوتی بلکہ بحیثیت قبیلہ کے نمائندہ کے ہوتے ہیں مثلاً وہ اس زمین کا کوئی ٹکڑا لوگوں کی اجازت کے بغیر کسی کو نہیں دے سکتا۔

ناگوں کا وہ حصہ جنھیں چھوٹے ناگے کہتے ہیں اب بھی مشترک زمینوں کا مالک ہے یعنی ہر گاؤں کی زمین اس قبیلے کے افراد کی اجتماعی ملک ہوتی ہے اگر کوئی آدمی گاؤں چھوڑ کر چلا جائے تو پھر اس کا اس گاؤں کی زمین پر کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ LAND REFORM میں ایک باب اس قسم کی مشترک ملکیت پر موجود ہے، اس باب کے صرف پہلے دو فقرے پڑھیے "جن زرعی نظاموں کا ہم جائزہ لے چکے ہیں ان سے بڑی مختلف صورت ایک مشترک ملکیت کے نظام کی بھی موجود ہے جس میں زمین کا قبضہ ایک سماجی گروہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے یہ نظام اب بھی دنیا کے بعض علاقوں میں موجود ہے جن میں جنوب مشرقی ایشیا، ہندوستان مشرق وسطی، کیریبین ملک اور جنوبی امریکہ کی شمالی اور مغربی جمہوریتیں شامل ہیں[2]۔

---

[1] لینڈ ٹینور پریمیٹو کا مقالہ دیکھئے انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا جلد ۱۳ صفحات ۶۸۴-۶۸۵ (اشاعت ۱۹۵۰ء)

[2] لینڈ ریفارم (اقوام متحدہ ۱۹۵۱ء) صفحہ ۲۷ -

Marfat.com

مشرقِ وسطیٰ میں اگر اس نظام کی موجودگی ٹٹولنا چاہیں تو بین الاقوامی معاملات کے شاہی ادارے کی ایک تصنیف "مشرقِ وسطیٰ کی زمین اور غربت" ملاحظہ فرمائیں صرف چند فقرے پڑھ لیجئے

"عرب بحیثیت خانہ بدوش لوگوں کے زمین کو خرید و فروخت کے قابل چیز نہیں سمجھتے، شخصی ملکیت کی چیزیں مویشی، خیمے اور ذاتی استعمال کی چیزیں ہوتی ہیں اور زمین .... قبیلہ کی ملک تصور ہوتی ہے جیسے کہ فلسطین اور شرق اردن کی چراگاہیں اب بھی تصور ہوتی ہیں ...."

"عراق میں کچھ ہی زمانہ پہلے تک زرعی نظام کی بنیاد یہی تصور تھا، قبیلہ ایک وسیع رقبے پر رواجی قسم کی ملکیت رکھتا تھا جسے قبیلہ کا دیرہ کہتے تھے ...."

"اس قسم کی مشترک ملکیت اب بھی شام کے دور دراز حصوں میں ملتی ہے، آریوں کے غریب گاؤں میں اور حوران اور پالمیرا کے بدوؤں کے علاقے ہیں۔

"فلسطین، شرق اردن اور شام میں ایک اور نیم مشترک ملکیت کی قسم بھی ہے جسے عربی میں مشاع کہتے ہیں[1]۔

ہند و پاکستان میں آپ اس ابتدائی مشترک ملکیت کے تصور کی جھلکیاں اس نظام زمین میں مل جاتی ہیں جسے محل واری کہتے ہیں اور ان زمینوں پر بھی جن کے لئے بھائی چارے کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

کیا یہ شواہد یہ نہیں بتاتے کہ زمین کی اولین نظام کی صورت مشترک ملکیت ہی تھی، اور جہاں جہاں زمانے کے بدلتے حالات کا اثر سب سے کم ہوا ہے وہاں یہ صورت اب تک موجود ہے!

گویا مرزا صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ "جب ہم پہلی تاریخوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی امتوں میں فرد واحد کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا تھا" جبکہ ہم جانتے ہیں کہ زرعی نظام کی ابتدائی شکل ہر جگہ مشترک ملکیت ہی تھی، اور لہٰذا مرزا صاحب کی ساری دلیل جسے لا سکنٰکم فی الارض (کہ ہم تمہیں زمین میں بسا دیں گے) سے وہ زمین کی شخصی ملکیت ثابت کرنا چاہتے ہیں خلاف واقعہ ہو جاتی ہے۔

اگر قرآن حکیم کی اس قسم کی تفسیر کرنے کی ہم جرأت کر سکتے تو کہتے، کہ لا سکنٰکم

---

[1] ٹیننٹ وار نیر، لینڈ اینڈ پاورٹی ان دی مڈل ایسٹ صفحات ۱۸، ۱۹ -

Marfat.com

فی الارض سے اجتماعی ملکیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ کم کی ضمیر جمع کی ہے اور یہ تفسیر شاید قرین قیاس بھی ہو سکتی، لیکن ہم گنہگار آدمی ہیں اور بعض علمائے دین کی طرح قرآن کریم کی آیات کے ساتھ دست درازی کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

مرزا صاحب کی چوتھی قرآنی سند

مرزا صاحب اپنی کتاب میں صرف ایک اور سند قرآن سے دیتے ہیں اور ان کے بلند علمی مقام کے پیشِ نظر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے نظر انداز کریں، وُہ سند بھی ہم پوری نقل کریں گے "اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل کے بارھویں رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ ارض مقدس میں بس جاؤ، اس بسنے کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور جب ہم بائیبل سے اس بسنے کی کیفیت معلوم کرتے ہیں تو اس میں زمین کی انفرادی ملکیت کا ثبوت ملتا ہے[1]"۔

یہ دلیل بالکل اسی نوعیت کی ہے، جیسی اس سے پہلی تھی، وہاں استدلال کی بنیاد تاریخ تھی اور یہاں بائیبل ہے، تاریخ کو ہم نے ٹٹولا تو دعویٰ خلاف واقعہ تھا، بائیبل کو کھنگالا جائے تو نتیجہ اس سے مختلف نہیں ہو گا، صرف موضوع میں غیر ضروری طوالت پیدا ہو جائیگی۔

مرزا صاحب نے اس دفعہ قرآن کریم کی اصل آیت بھی نہیں لکھی صرف ترجمہ لکھا ہے اصل یہ ہے: وقلنا من بعدہ لبنیٓ اسرائیلَ اسکنوا الارضَ اور ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل کو کہا کہ اس زمین میں سکونت اختیار کرو، یہ ہے آیت اور یہ ہے ترجمہ اب ناظرین خود فیصلہ کریں کہ اس میں اجتماعی یا انفرادی یا کسی اور قسم کی ملکیتِ زمین کا کوئی حکم موجود ہے کہ نہیں!

مرزا صاحب ان چار آیات کے علاوہ احادیث و فقہ سے بھی سندیں مہیا کرتے ہیں انھیں ہم آئندہ جانچیں گے، اب ہم مولانا مودودی کی قرآنی اسناد کو دیکھتے ہیں، کیا عالم دین ہونے کی حیثیت سے اور کیا امام جماعت ہونیکی وجہ سے وُہ مرزا صاحب سے کسی طرح کم نہیں ہیں لہذا انکی بھی ہر سند کو پورے غور سے دیکھنا ہمارا فرض ہے۔

---

[1] مرزا بشیر الدین محمود احمد، اسلام اور ملکیتِ زمین۔ صفحات ۴۵ - ۴۶

Marfat.com

مولانا مودودی کا قرآن سے استدلال

مولانا مودودی کا بنیادی استدلال وہی ہے جسے ہم مرزا صاحب کے سلسلے میں دیکھ چکے ہیں۔ "اسی طرح زمین کی ملکیت کا مسئلہ بھی ہے، اسلام سے پہلے ہزاروں سال سے دُنیا میں یہ دستور جاری تھا، قرآن کریم نے اس کی ممانعت نہ کی، کوئی صریح حکم اس کے موقوف کرنے کے لئے نہ دیا، کوئی دوسرا قانون اس کی جگہ لینے کے لئے نہ بنایا، کہیں اشارۃً اس رواج کی مذمت تک نہ کی، اس کے معنی یہی تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اس پرانے دستور کو جائز رکھا اور یہی معنی ہے کہ مسلمان نزولِ قرآن کے بعد سے اب تک زمین کو اسی طرح شخصی ملکیت بناتے رہے جس طرح اس سے پہلے وہ شخصی ملکیت بنائی جاتی رہی تھی، اب اگر کوئی اس کے عدم جواز کا قائل ہے تو اسے عدم جواز کا ثبوت دینا چاہیئے نہ یہ کہ وہ ہم سے جواز کا ثبوت مانگے"۔[1]

جہاں تک آخری بات کا تعلق ہے کہ "اگر کوئی اس کے عدم جواز کا قائل ہے . . ." اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم شخصی ملکیت کو ناجائز نہیں سمجھتے شخصی ملکیت نہ صرف جائز تھی اور ہے بلکہ ایک وقت میں زرعی ترقی کی کئی منزلیں شخصی ملکیت کی وجہ سے ہی طے پائی ہیں، صرف یہ کہ آج کے حالات میں ہمارے ملک میں اس شخصی ملکیت کے حق کو مشترک کاشت کی ضروریات کے تابع کرنا ضروری ہے، اور مشترک کاشت کے تقاضے اگر شخصی ملکیت کو کسی حد تک محدود کر دیں (جیسا کہ یقینی ہے) یا کالعدم کر دیں (جیسا کہ ممکن ہے) تو ہماری رائے میں اسلام اس کے خلاف نہیں ہوگا، ہم اسلام کے نقطۂ نظر سے نہ تو زمین کی شخصی ملک کو ناجائز سمجھتے ہیں نہ اجتماعی ملک کو، ہم دونوں طریقوں کو جائز اور دونوں طریقوں کو مختلف ماحول اور ادوار میں مستحسن بھی سمجھتے ہیں، ہاں البتہ موجودہ دور اور ماحول میں شخصی ملکیت کے حقوق کی تحدید ضروری سمجھتے ہیں لہٰذا یہ فقرہ کہ "اگر کوئی اس (شخصی ملکیت) کے عدم جواز کا قائل ہے تو اسے عدم جواز کا ثبوت دینا چاہیئے" کا اطلاق ہمارے نقطۂ نظر پر ممکن نہیں ہے۔

---

[1] مولانا ابو الاعلیٰ مودودی۔ مسئلہ ملکیت زمین۔ صفحہ ۱۷۔

Marfat.com

دُوسری قابلِ غور بات مولانا کا زرعی تاریخ کا تصور ہے، جیسا کہ تفصیلاً ہم پہلے لکھ چکے ہیں یہ خیال کہ اسلام سے پہلے دُنیا میں صرف زمین کی شخصی ملکیت ہی تھی صحیح نہیں ہے، اس کے لئے ہم نے شواہد اور اسناد بھی بہم پہنچائی ہیں کہ زمین کی ابتدائی تنظیم مشترک ملکیت کی شکل میں ہی تھی، پھر یہ ملکیت وقت کے تقاضوں کے مطابق جلد یا بدیر انفرادی ملکیت میں تبدیل ہو گئی، لیکن اس تبدیلی میں ہزاروں سال کا عرصہ صرف ہوا اور دُنیا کے بعض مقامات ایسے ہیں مثلاً وسطی افریقہ کا بیشتر حصہ، مشرقِ وسطیٰ کے وسیع لقبے، ہندوستان کے بعض قبائل کے علاقے جہاں اب بھی مشترک ملکیت موجود ہے اور جہاں غالباً وقت کی ابتدا سے لے کر آج تک شخصی ملکیت کسی نے دیکھی ہی نہیں۔

اگر یہ بات صرف شخصی ملکیت کے غلط تاریخی جائزے تک محدود رہتی تو ہم اس سے زیادہ نہ اُلجھتے، لیکن اس جائزے کی بنا پر وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کیونکہ قرآن مجید نے شخصی ملکیت کے نظام سے کہیں منع نہیں کیا، اور کیونکہ ان کے خیال میں نزولِ قرآن تک صرف یہی نظام تھا، لہٰذا اس کے معنی یہی تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اس پُرانے دستور کو جائز رکھا اور یہی معنی ہے کہ مسلمان نزولِ قرآن کے بعد سے اب تک زمین کو اسی طرح شخصی ملکیت بناتے رہے جس طرح وہ اس سے پہلے بنائی جاتی رہی تھی[1]۔

"پُرانے دستور" کے متعلق تو ہم ان شواہد کو نہیں دہرائیں گے جو ہم پہلے دے چکے ہیں اور جس میں اجتماعی ملکیت کا ثبوت دنیا کے ہر دَور میں ملتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا مودودی نے اس سلسلے میں تحقیق نہیں فرمائی ورنہ وہ یہ بات نہ لکھتے البتہ یہ کہنا کہ مسلمان نزولِ قرآن کے بعد سے اب تک زمین کو۔۔۔ شخصی ملکیت بناتے رہے ہیں" امرواقعہ کا صرف ایک پہلو ہے اس میں تحقیق کی بھی ضرورت نہیں۔ آج بھی پاکستان کے کسی اوسط گاؤں میں چلے جائیں تو آپ کو ایک رقبہ ایسا بھی ملے گا جس پر گاؤں کا مشترک قبضہ ہوگا اور جس میں ان کے مویشی چرتے ہونگے، لہٰذا نزولِ قرآن کے بعد سے اب تک زمین" نہ صرف شخصی ملکیت رہی ہے، اور نہ صرف مشترک ملکیت، دونوں صورتیں رہی ہیں اور

---

[1] مولانا مودودی۔ مسئلہ ملکیت زمین۔ صفحہ ۱۷۔

Marfat.com

ہیں، بعینہٖ اس طرح جیسے پرانے دستور میں دونوں شکلوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔

مولانا مودودی کی پہلی قرآنی سند

اس منفی دلیل کے بعد مولانا مثبت دلیلیں بھی قرآن سے دیتے ہیں، فرماتے ہیں: "اگر آپ قرآن کریم کا غائر مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس نے ایجاباً اسے (پرانے دستور کو) جائز تسلیم کیا ہے اور اسی کی بنا پر معیشت اور معاشرت کے احکام دیئے ہیں۔[۵۱]" مولانا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن صرف شخصی ملکیت کو جائز سمجھتا ہے ہمیں چونکہ الفاظ سے کوئی جھگڑا نہیں اس لئے اس پر بھی راضی ہو جائینگے کہ اگر قرآن سے صرف شخصی ملکیت کے جواز کا ثبوت ملے تو مشترک ملکیت سے ہاتھ دھولیں، لیکن شرط ذرا کڑی لگائی گئی ہے کہ قرآن کا "غائر مطالعہ" کریں۔ ہمیں تو کافی تجسس کے باوجود قرآن حکیم سے ایسی کوئی چیز نہ مل سکی؛ ظاہر ہے کہ ہمارا مطالعہ "غائر" نہیں ہو گا! لیکن مولانا مودودی تو یقیناً "غائر" مطالعہ کر چکے ہونگے، ان سے مزید رہنمائی حاصل کرتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں "دیکھئے زمین سے انسان کی دو ہی اغراض وابستہ ہیں، یا زراعت یا سکونت۔ قرآن ان دونوں اغراض کے لئے زمین کی شخصی ملکیت تسلیم کرتا، سورۃ انعام میں ہے: كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (رکوع ۱۷) اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب کہ وہ پھل لائے اور اس کی فصل کٹنے کے دن اس کا (یعنی خدا کا) حق ادا کرو، یہاں خدا کا حق ادا کرنے سے مراد زکوٰۃ و صدقہ ہے، ظاہر ہے کہ اگر زمین اجتماعی ملکیت ہو تو نہ زکوٰۃ دینے کا سوال پیدا ہوتا ہے نہ لینے کا، یہ حکم صرف اس بنیا دپر دیا جا سکتا تھا جبکہ کچھ لوگ زمین کے مالک ہوں، اور وہ اس کی پیداوار میں سے خدا کا حق نکالیں اور کچھ دوسرے لوگ زمین کے مالک نہ ہوں اور ان کو پیداوار کا وہ حصہ دیا جائے جو خدا کے لئے نکالا گیا ہو۔[۵۲]"

دلیل بڑی قطعی ہے بشرطیکہ اجتماعی ملکیت میں زکوٰۃ دینے اور لینے کا سوال نہ پیدا ہو

---

[۵۱] مولانا مودودی ۔ مسئلہ ملکیت زمین ۔ صفحہ ۱۷ ۔
[۵۲] 〃 〃 〃 صفحہ ۱۷، ۱۸ ۔

Marfat.com

لیکن اس شرط میں پھر وہی دقت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، اصل میں مولانا زمین کے مشترک ملکیت کے تصوّر کے ساتھ جذباتی طور پر صلح نہیں کر سکے، ورنہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ انھیں یہ پتہ نہ ہو کہ مشترک ملکیت کے باوجود عورتیں بیوہ بھی ہونگی اور بچے یتیم بھی، زلزلے بھی آئینگے، اولے بھی پڑیں گے، جنگیں بھی ہونگی طوفان بھی آئینگے، اور ان میں ہر چیز ایسے مستحق لوگ پیدا کر دے گی جن کی امداد کرنا ہر مشترک کھیت اور اس کے مالکوں کا اسی طرح فرض ہو جائیگا، جیسا اب ہر انفرادی کھیت اور اس کے مالک کا فرض ہے۔ ہم تو خیر انفرادی ملکیت کو بھی صرف اس حد تک محدود کرنا چاہتے ہیں جہاں تک وہ مشترک کاشت کے راستے میں عملی دقتیں پیدا کرتی ہے، لیکن روس جہاں یہ تصوّر (قریب قریب) معدوم ہے، وہاں بھی مشترک کھیت کی آمدنیوں میں سے عموماً کچھ حصہ ان کے لئے علیحدہ کیا جاتا ہے، جو کسی معذوری کی وجہ سے کھیت میں کام نہ کر سکے ہوں اور کام کی بنا پر فصل میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو، لہٰذا مولانا کا یہ خیال کہ زمین کی مشترک ملکیت اور زکوٰۃ ایک دوسرے کی ضد ہیں، صحیح نہیں ہے، حالانکہ اسی مفروضہ ضد کی بنا پر انھوں نے اپنے استدلال کا ڈھانچہ کھڑا کیا ہے، اور اگر یہ بنیاد ہی ڈھک گئی ہے تو باقی استدلال کا کوئی وجود قائم نہیں رہتا۔

اوّل تو یہ بات اتنی واضح ہے کہ سند کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن شاید بعض لوگوں کی تسلّی اس سے ہو جائے، روسی نظام کے باب میں ہم نے "سیاسی حصّوں" اور روسی زراعت کی نگرانی کا ذکر کیا ہے، وہیں ہم نے لکھا تھا کہ "یہ سیاسی حصے" اس مشترک کھیت کا جس سے وہ متعلق ہوں سالانہ جائزہ لیتے ہیں اور آئندہ کے لئے ہدایات دیتے ہیں۔ ہدایات کی تفصیل کا ذکر کرتے ہوئے سڈنی اور بیٹرس دب لکھتے ہیں: "حکم نامہ اس کے بعد مشترک کھیت کی اجتماعی ضرورتوں کا جائزہ لیتا ہے، اور کھیت کے خاص گروہوں کا بھی اور بالآخر بعض کنبوں اور افراد کے متعلق خاص ہدایات دی جاتی ہیں، ایک رقم بیج اور بیمہ کے لئے علیحدہ کر دی جاتی ہے، اور اپاہجوں اور یتیموں کے لئے انتظامات کئے جاتے ہیں اور کھیت کی سماجی ضروریات کے لئے رقم مخصوص کر لی جاتی ہے"[۵]۔

---

[۵] دیکھئے سڈنی اور بیٹرس دب روسو دیٹ کیونزم، اے نیو سولائیزیشن، صفحہ ۱۹۸۔

Marfat.com

اب یہ اپاہجوں اور یتیموں کے لئے جو انتظامات ایک مشترک کھیت کرتا ہے کیا اس کی نوعیت صدقہ اور زکوٰۃ کی نہیں ہے؟ ماناروسی اللہ کے احکامات کی وجہ سے یہ انتظام نہیں کرتے بلکہ محض انسانی ہمدردی کے خیال سے کرتے ہیں لیکن زکوٰۃ اور صدقات کے مشترک کھیتوں میں ناممکن ہونے والی دلیل تو باطل ہو جاتی ہے، ان چیزوں کے انتظام روس میں زکوٰۃ اور صدقہ کی نیت سے نہیں کئے جاتے ورنہ اگر نیت یہ ہو تو اپاہجوں اور یتیموں کے لئے انتظامات قطعی طور پر زکوٰۃ اور صدقات کی مد میں آتے ہیں۔

مولانا مودودی کی دوسری قرآنی سند

دوسری قرآنی سند در اصل مولانا کی پہلی دلیل کو قوی کرنے کے لئے پیش کی گئی ہے چنانچہ مولانا فرماتے ہیں: "اسی کی (یعنی صدقات اور زکوٰۃ کا زمین کی مشترک ملکیت کی ضد ہونا) تائید ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (بقرہ ع ۳۷)	اے ایمان لانے والو! خرچ کرو اپنی نیک کمائیوں میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے نکالی ہیں

یہاں زمین کی پیداوار میں سے جو خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ و خیرات ہے اِس حکم کی بجا آوری وہی شخص کرے گا جو پیداوار کا مالک ہوگا اور انھیں پر یہ انفاق کیا جائیگا جو صاحب مال و جائداد نہیں ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ خیرات کے مستحق کون ہیں۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ (بقرہ ۳۷) اور اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ الخ (التوبہ ۸)

مولانا نے آخری آیت پوری نہیں لکھی اور آخری دونوں آیات کا ترجمہ نہیں لکھا تاکہ ناظرین خود اس دلیل کی قیمت متعین کر سکیں ہم وہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے خرچ کی مدیں بتائی ہیں لکھ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لہ سید ابو الاعلیٰ مودودی، مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۱۸۔

Marfat.com

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ط فَرِيضَةً مِّنَ اللهِ ط وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۔ (سورہ توبہ آیت ۶۰)

صدقات فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور صدقات کے جمع و خرچ کے کارکنوں کے لئے اور جن کے دلوں میں (نئی نئی) سچائی کی اُلفت ڈالی گئی ہے اور جو غلام ہیں اور راہِ خدا میں اور مسافروں کے لئے یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت رکھنے والا ہے۔

اَب مولانا کا ارشاد یہ ہے کہ زکوٰۃ جس کا مندرجہ بالا مدّوں پر خرچ کرنے کا حکم آیا ہے زمین کی مشترک ملکیت کے بعد ناقابل عمل ہو جائیگی، کیسے؟ اس زکوٰۃ کے حکم کی بجاآوری وہی شخص کرے گا جو پیداوار کا مالک ہو گا اور انھیں پر یہ انفاق کیا جائے گا جو صاحب مال و جائداد نہیں ہیں گے۔

یہ "صاحب مال و جائداد" کی ترکیب کے دونوں اجزا کو علیحدہ کرنا پڑے گا، کیونکہ سمجھ نہیں آتی کہ مولانا نے فقراء اور مساکین کے الفاظ کی بجائے جو قرآنی عبارت میں ہیں اور جو اُردو میں فوراً سمجھ لئے جاتے ہیں "جو صاحب مال و جائیداد نہیں ہیں" کی لمبی اور پیچیدہ ترکیب کیوں استعمال فرمائی ہے، پھر قرآن کریم کے الفاظ زیادہ وسعت رکھتے ہیں اور مولانا نے ان کے معانی کو محدود کر دیا ہے۔ مفسرین نے فقیر کا مطلب یہ کیا ہے کہ جو کسی جسمانی خامی کی وجہ سے اپنی روزی نہ کما سکے اور مسکین اسے کہا ہے جس کی بے کاری کا سبب اس کی غربت ہو۔ لیکن مولانا کے نزدیک زکوٰۃ کا مصرف اسی صورت میں جائز ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ لینے والا نہ "مال" رکھتا ہو اور نہ "جائداد" مال کا نہ رکھنا تو مسکین کے معانی میں شامل ہو سکتا ہے، لیکن یہ جائداد کہاں سے آ گئی؟ کیا مولانا کے خیال میں وہ لاکھوں لوگ جن کی جائیدادیں ہندوستان میں رہ گئی ہیں (لیکن جو قانوناً اب بھی صاحبِ جائداد ہیں) زکوٰۃ کے مستحق ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا مولانا کی رائے میں وہ بیوہ جس کا ایک مکان بھی ہو جس میں وہ رہتی ہو اور لہٰذا "صاحب جائداد" بیوہ زکوٰۃ کی مستحق ہو گی یا نہیں؟ مولانا کا نہ معلوم کیا خیال ہو۔ لیکن قرآن کریم کا مفہوم تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مدّ کا مستحق زکوٰۃ

Marfat.com

کا حقدار ہے، اور صاحب جائداد ہونے کے باوجود کئی لوگ مدے کے مستحق ہو سکتے ہیں اور ہیں، قرآن انھیں زکوٰۃ دلانے سے کہیں انکار نہیں کرتا۔

اس چیز کے ثبوت میں کہ انفاق انہیں پر کیا جا سکتا ہے "جو صاحب مال وجائداد نہیں ہیں" مولانا نے دو آیات پیش فرمائی ہیں، ایک آیت تو ہم تفصیلاً دیکھ چکے ہیں اور وہاں اس قید کی سند نظر نہیں آئی، دوسری آیت یہ ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ (البقرہ: آیت ۲۷۳) — (صدقات) ان فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کے راستے میں گھر گئے ہیں اور زمین میں سفر کی استطاعت نہیں رکھتے۔

قرآن نے پہلی آیت میں مسافروں کو زکوٰۃ کا مستحق بتایا ہے۔ سفر کرنے سے معذور لوگوں کو صدقات کا مستحق بتایا گیا ہے، ایسے غریب لوگ جو اللہ راستے میں گھر جائیں کسی جگہ پابند کر دئے جائیں یا قید ہو جائیں یا کوئی اور صورت ایسی ہو کہ جس سے وہ اپنا زمین پر سفر کرنے کا حق استعمال نہ کر سکیں، صدقات کے مستحق ہو جاتے ہیں، یہ مال اور جائداد دونوں کی نفی کی قید تو یہاں بھی موجود نہیں، لہٰذا مولانا کا سارا استدلال پھر بے بنیاد ہو جاتا ہے، مشترک کھیتوں کے مالک نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ دے سکیں گے، بلکہ یہ کہ وہ "عفو" کے زیادہ مالک ہونگے اور اللہ تعالیٰ کے کاموں اور مستحق لوگوں پر صرف کرنے کی استطاعت رکھیں گے، صرف کرنے کی وہ ساری مدیں ان کے سامنے موجود ہونگی جو قرآن کریم نے زکوٰۃ کے لئے مقرر فرمائی ہیں، یہ خیال کہ ان میں سے کوئی مد بند ہو جائیگی محض مشترک کھیت کی ماہیت نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔

مولانا مودودی کی قرآن سے تیسری سند

مولانا مودودی نے قرآن سے مندرجہ بالا اسناد پیش کرنے سے پہلے لکھا ہے "زمین سے انسان کی دو ہی اغراض وابستہ ہیں یا زراعت یا سکونت، قرآن کریم ان دونوں اغراض کے لئے شخصی ملکیت تسلیم کرتا ہے"[1] اس کے بعد ثبوت میں وہ آیات پیش کرتے ہیں جنھیں ہم دیکھ چکے ہیں

---

[1] سید ابو الاعلیٰ مودودی: مسئلہ ملکیت زمین: صفحات ۱۷ - ۱۸

Marfat.com

اور زمین کا کوئی تعلق شخصی ملکیت سے نہیں، بہرحال ان کے نزدیک یہ آیات ندعی زمین میں شخصی ملکیت کا ثبوت ہیں! آپ ہی کہیئے کہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کیا گناہ تھا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے : سے

زمن بر صوفی و ملا سلامے ۔۔۔ کہ پیغام خدا گفتند ما را

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت ۔۔۔ خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را!

مولانا کی تیسری قرآنی سند انسان کی زمین سے دوسری غرض یعنی "سکونت" سے متعلق ہے اگرچہ اس دلیل کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی کہ مولانا یہ کیوں ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سکونت کے لیئے اللہ تعالیٰ شخصی ملکیت پسند فرماتا ہے، آخر مسئلہ زیر بحث یہ تو ہے نہیں کہ مشترک کھیتوں پر کام کرنے والے مشترک سکونت اختیار کریں یا نہ آج تک ہمارے علم میں اس ملک میں اس موضوع پر کسی لکھنے والے نے یہ نہیں کہا کہ "سکونت" مشترک ہونی چاہیئے"، بلکہ یہ چیز تو آج کے روس میں بھی کہیں نہیں، ابتدا میں کچھ مشترک مسکن بنے تھے (کوئی دو فیصدی کھیتوں پر) لیکن تجربہ خالص اقتصادی نقطہ نظر سے ناکام تھا کہ سب کمیون بالآخر کارٹل بنانے پڑے یعنی مشترک سکونت بند کر دی گئی ۔

مولانا کی دلیل ہمیں لاکھ بے محل نظر آئے لیکن وہ اتنے بڑے عالم دین ہیں اور اتنی بڑی جماعت کے امام ہیں، کہ ہمیں اس پر اتنا ہی غور کرنا چاہیئے جتنا کسی اور کی بامحل دلیل پر۔ اور پھر یہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے، جب ہمیں یہ معلوم ہو کہ یہ مولانا کی قرآن سے آخری سند ہے، اس کے بعد وہ حدیث اور فقہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں جسے ہم اپنے موقع پر جانچیں گے ۔

مولانا فرماتے ہیں تو رہی دوسری غرض (یعنی سکونت کی)، تو اس کے متعلق سورۃ نور میں ہے : ۔

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوْا	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا
بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی	دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ پوچھ نہ لو
تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓی	اور جب داخل ہو تو اس گھر والوں کو سلام کرو ۔۔۔

Marfat.com

أَهْلِهَا ... وَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ۔ (النور - ۴)

...اور اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو اندر نہ جاؤ تاوقتیکہ تمھیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دی گئی ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم سکونت کے لئے بھی زمین کے شخصی قبضہ و ملکیت کی توثیق کرتا اور ایک کے مالک اس حق کا استقرار کرتا ہے کوئی دوسرا شخص اس کی اجازت کے بغیر اس کے حدود میں قدم نہ رکھے۔[۱]

دیکھا آپ نے اس کو کہتے ہیں فراست اور بصیرت! ہم اور آپ نے بھی یہ آیت کئی بار پڑھی ہوگی لیکن ہم اس کا یہی مطلب سمجھتے رہے کہ یہ ایک اخلاق کا ابتدائی اور بنیادی سبق ہے کہ کسی کے ہاں بغیر اجازت کے نہ جاؤ، اور اگر کوئی وہاں موجود نہ ہو تو بالکل نہ جاؤ۔ ہمیں یہ کبھی نہیں سوجھا تھا کہ یہ حکم صرف شخصی ملکیت کے مکانوں کے لئے ہے! کئی مکان جماعتوں کے ہوتے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے مکان (اور زمینیں) تو ہمیں معلوم ہیں قادیان میں بھی تھے اور ربوہ میں بھی ہیں اور عین ممکن ہے، جماعت اسلامی کی ملک بھی کئی مکان اور زمینیں ہوں، کیا ان مکانوں پر جو جماعتوں کی مشترک ملکیت ہوں اس آیت کا اطلاق نہیں ہوتا؟ اگر ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا یہ اخلاقی درس انفرادی اور اجتماعی ملکیت میں کوئی تخصیص نہیں کرتا، مکان خواہ کسی فرد واحد کا ہو۔ دو بھائیوں کا مشترک ہو، کسی انجمن یا میونسپلٹی یا بنک کی اجتماعی ملک ہو، ہمیں بہرحال اجازت لے کر جانا چاہیئے، اور اگر مالک یا ان کے نمائندے موجود نہ ہوں تو بالکل نہیں جانا چاہیئے۔ اگر اس آیت کا مفہوم یہی ہے تو "شخصی قبضہ و ملکیت کی توثیق" کہاں سے آگئی؟ اور اگر واقعی شخصی اور انفرادی قبضہ کے علاوہ دیگر مکانوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، تو اس کا اعلان جماعت احمدیہ اور جماعت اسلامی کردیں کہ انکی اجتماعی ملکیت کی جائداد پر جو چاہے قبضہ کر سکتا ہے!

یہ ہیں وہ استدلال قرآن حکیم سے جو مولانا مودودی ارشاد فرماتے ہیں۔ مرزا صاحب اور مولانا کے قرآنی دلائل میں سے ہم نے ایک لفظ بھی حذف نہیں کیا، کیونکہ ان کے مرتبہ کا

---

[۱] سید ابوالاعلیٰ مودودی: مسئلہ ملکیت زمین۔ صفحات - ۱۸، ۱۹

Marfat.com

تقاضا یہی تھا، اور کوئی عالم دین میرے علم میں ایسے نہیں ہیں جنہوں نے اجتماعی ملکیت زمین کی اس شدت سے مخالفت کی ہو اور اس کے لئے پوری پوری کتاب لکھی ہو، لہٰذا ہم یہ باور کرنے پر مجبور ہیں کہ قرآن حکیم کہیں بھی زمین کی اجتماعی ملکیت سے نہیں روکتا ورنہ ان دو علمائے دین میں سے کسی ایک کو تو اجتماعی ملکیتِ زمین پر پابندی لگانے والی کوئی آیت ضرور مل جاتی۔

علمائے کرام سے ایک اپیل

سوال یہ ہے کہ اتنے بڑے دین کے عالم اس زمانے کے اہم ترین مسئلہ پر اتنے بے بنیاد استدلال کیسے پیش کر سکتے ہیں؟ جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ اجتماعی ملکیت کی ہیئت اور ساخت کو سمجھ نہیں سکے، ان دونوں حضرات کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ کُل مُلک کی زمین اس مُلک کے کل باشندوں کی ملکیت ہو گی اور فصلیں لہٰذا کل ملک کے باشندوں میں برابر برابر بٹ جائیں گی، اس کا ثبوت مرزا صاحب کی کتاب میں بھی ملتا ہے[1] اور مولانا کی کتاب میں بھی مولانا کی آخری قرآنی سند میں ہی اس کا ثبوت موجود ہے۔ مولانا اجتماعی ملکیت کی نفی قرآن کی اس آیت سے کرنا چاہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے ہاں بغیر اجازت کے نہ جاؤ۔ مولانا نے بوضاحت اپنی دلیل کو بیان نہیں فرمایا ورنہ ان کی دلیل غالباً یہ ہے کہ اگر اجتماعی ملکیت ایک ملک کے تمام باشندوں کی ہو گی تو کسی کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہو گی، کیونکہ ہر ایک ہر زمین اور ہر مکان کا مالک ہو گا۔ اور ایک مالک کو کیا ضرورت ہے

---

[1] "اسلام اور ملکیت زمین" کے ان فقرے "مغربی پنجاب میں بڑے زمینداروں کے پاس صرف ۱/۲ فیصدی زمین ہے، اگر زمین تمام زمینداروں میں برابر تقسیم کر دی جائے تو کسی صورت میں بھی ایک ایکڑ فی زمیندار سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ ایک ایکڑ فی فرد پر ہرگز گزارہ نہیں چل سکتا" (صفحہ ۲۱۱)

جب ہم یہ یاد رکھیں کہ پنجاب کی آبادی ایک کروڑ اسی لاکھ کے قریب ہے اور مزروعہ رقبہ ایک کروڑ بیاسی لاکھ ایکڑ ہے تو ہمیں مرزا صاحب کی دلیل سمجھ میں آجاتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کی نظر میں بھی مشترک ملکیت ملک کی زمین کو آبادی میں برابر برابر بانٹ دینا ہے، اس قسم کی مشترک ملکیت کا کبھی کسی نے تقاضا نہیں کیا!

Marfat.com

کہ وہ اپنے برابر کے ایک دوسرے مالک سے پوچھ کے اپنے (اور اس کے اور نہ بگرہبت سے لوگوں کی ملکیت کے) مکان میں داخل ہو!

مولانا نے اجتماعی ملکیت کے نظری تصور اور اس کی عملی تشکیل میں فرق نہیں کیا اس قسم کی اجتماعی ملکیت کی ہیئت نہ کوئی چاہتا ہے نہ کہیں موجود ہے نہ کہیں کبھی موجود تھی یہاں تک کہ روس کے ابتدائی زمانے میں جب مزارون کھیت اجتماعی ملکیت کی انتہائی شکل (کمیون) اختیار کر چکے تھے اس وقت بھی کھیت اور اس کے رہائشی مکان صرف ان کاشتکاروں کی اجتماعی ملکیت تصور ہوتے تھے جو ان پر کام کرتے تھے، حالانکہ نظری طور پر تو زمین ساری قوم کی ملکیت تھی اور لہٰذا ہر روسی کو حق حاصل ہونا چاہیئے تھا کہ اس کھیت میں اور اس کے رہنے والے مکانوں میں بغیر اجازت کے گھس جاتا لیکن ایسا اس زمانے میں بھی نہیں ہوا اور اب تو کمیون روس میں بھی خال خال ہی ہیں۔

یہ نظری تصور اور عملی تشکیل کا بظاہر فرق ہمارے ہاں بھی موجود ہے، اسلام میں نظری طور پر زمین اللہ کی ملک ہے یعنی اللہ کے نائب انسان کی ملکیت ہے، چونکہ سب زمین اللہ کی ملکیت ہے، اور سب انسان اللہ کے نائب ہیں لہٰذا سب زمین سب انسانوں کی ملکیت ہے، لیکن عملی طور پر انسانوں کی ملکیت کے قاعدے بنانے پڑتے ہیں جن سے ایک شخص یا شخصوں کا حق انتفاع دوسرے شخص یا شخصوں کے حق انتفاع سے بالا رکھا جاتا ہے ورنہ اس تقسیم کار کے بغیر نہ نیا بھر کے انسان دُنیا بھر کی زمینوں کا انتظام کر ہی نہ سکیں۔

بعینہٖ کچھ ایسے قاعدے ہر اس ملک میں بھی بنائے جاتے ہیں جہاں زمین کو قومی ملکیت بنایا جاتا ہے، عملاً ہر کھیت کا حق انتفاع صرف ان لوگوں تک محدود ہوتا ہے جو اس کھیت پر کام کرتے ہیں۔

اس بحث سے ہمارا مقصد علمائے کرام کی خدمت میں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ان کے مرتبہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اسلام کی کسی چیز کے متعلق طے بیان کرنے سے پہلے اس چیز کی ماہیئت کو پوری طرح سمجھ لیں، وہ اعلائے کلمۃ الحق کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، یہ

Marfat.com

منصب بہت بڑا منصب ہے، کلمۃ الحق کو کبھی بھی کسی کی خواہشات کے پلڑے میں بٹنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے، یہ سبق ہم نے خود علمائے کرام سے ہی سیکھے ہیں، ان کے سامنے انہیں دہرانے سے صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ ان اُصولوں کو پہلے کی نسبت زیادہ پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت نظر آتی ہے ان سے بہت کم سمجھ رکھنے والے ایک مسلمان بھائی کی یہ درخواست اُمید ہے درخود اعتنا ہو سکے گی ۔

اجتماعی ملکیت بھی قرآن سے ثابت نہیں ہے

ہمارے مقصد کے لئے اوپر کی بحث بھی کافی ہے کہ قرآن حکیم کہیں زمین کی اجتماعی ملکیت سے بھی نہیں روکتا چہ جائیکہ وُہ مشترک کاشت سے روکے اور نہ زمین کا قبضہ زمیندار سے حاصل کرنے کے متعلق اس نے کوئی پابندی عائد کی ہے، لہٰذا زمین کے معاملے میں ہم آزاد ہیں کہ ملکیت اور تنظیم کا جو طریقہ ہم اپنے مقاصد کے لئے ضروری سمجھیں اختیار کر لیں، چونکہ ہماری موجودہ ضروریات کا کم سے کم تقاضا اجتماعی کاشت ہے جس میں اجتماعی ملکیت کے بہت سے عنصر شامل ہو جاتے ہیں اور جس کا اس طرف بڑھنے کا رجحان واضح ہے لہٰذا بعض اہلِ فکر اس قدرتی خواہش پر غالب نہیں آسکے کہ وُہ اجتماعی ملکیت زمین خود قرآن حکیم سے ثابت کر دیں ۔

ہم بڑے ادب کے ساتھ ان بزرگوں سے بھی اپنے اختلاف رائے کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، بنیادی وجہ اختلاف کی یہ ہے کہ زرعی تنظیم بڑی ہنگامی چیز ہوتی ہے، آج کی ضروریات کے پیشِ نظر ہمیں قرآن حکیم کی آیات میں اپنی خواہشیں پڑھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے، ہاں اگر خود ایک واضح نص موجود ہو جو ہر قسم کی وقتی خواہشوں کے جال کو تار تار کر سکتی ہو (مثلاً جیسی سُود کے معاملے میں موجود ہے) تو وُہ دُوسری چیز ہے لیکن ایسی کوئی آیت قرآن حکیم میں موجود نہیں جس سے کسی ایک قسم کا زرعی نظام تمام موقعوں اور تمام زمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے معین فرما دیا ہو ۔

پھر ایک اور دقت اجتماعی ملکیت کا قانون ثابت کرنے میں یہ ہے کہ خود رسولِ کریم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اس کے خلاف اقدام کیا۔ اگر قرآن کا قانون ہی اجتماعی ملکیت ہوتا تو کسی اور قسم کی ملکیت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیتے چہ جائیکہ خود اس کے خلاف عمل کرتے۔

اگر قرآن حکیم نے نہ شخصی ملکیت کی تاکید کی ہے نہ اجتماعی ملکیت کا حکم دیا ہے تو کیا یہ (نعوذ باللہ) اس کی خامی نہیں کہ اتنے اہم مسئلے پر وہ خاموش ہے؟ نہیں، نہ صرف یہ اس کی خامی نہیں بلکہ یہ ان مقامات میں سے ہے جہاں قرآن کے من جانب اللہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اگر یہ کسی انسان کی تحریر ہوتی تو زمان و مکان کی قیود ضرور اسے کسی خاص زرعی نظام کی تاکید کا مرتکب کر دیتیں اور جونہی ماحول بدلتا وہ تاکید بے محل نظر آنے لگتی چونکہ حاکم مطلق نے یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو زمان و مکان کی گرفت سے بالا ہے لہٰذا اس میں زرعی نظام معین نہیں کیا گیا، بالکل اس طرح جیسے حکومت کی تشکیل کے خد و خال سے قرآن حکیم گریز کرتا ہے، یہ تو کہہ دیا ہے کہ: اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ لیکن یہ نہیں بتایا کہ مشورہ سب سے ہو کہ محض نمائندوں سے، اور اگر نمائندوں سے ہو تو ان کا طریقہ انتخاب کیا ہو، بالواسطہ اور بلا واسطہ نمائندگی کے معاملے میں بھی ہمیں آزاد چھوڑ دیا گیا، اگر یہ انسان کا کام ہوتا تو وقت کے ساتھ بدلنے والے تقاضوں پر یوں نظر نہ رکھ سکتا، اغلب ہے کہ سیاست اور معاشرت کے ان دو اہم ترین مسائل کی تفصیلیں معین کی جاتیں نتیجہ یہ ہوتا کہ قرآن ابدی رہنمائی کی کتاب نہ رہتی، بلکہ دستور یا زرعی بندوبست کی کوئی کتاب بن جاتی، اور ماحول بدلنے کے بعد اس کی ہدایات بیکار ہو جاتیں۔

زرعی تنظیم کے بنیادی اصول

ہاں بنیادی اصول جن پر وقت کا مرور کوئی اثر نہ ڈالتا ہو قرآن ضرور معین کر دیتا ہے، مثلاً امرھم شوریٰ بینھم میں یہ کہہ دیا کہ اپنے مسائل میں آپس میں مشورہ کر لیا کرو، لہٰذا مشورہ نہ کرنے والی حکومت اسلام کو پسند نہیں، مشورہ کرنا ماحول اور زمانے کے بدلنے کے باوجود ہمیشہ مستحسن رہتا ہے لیکن اگر مشورہ کرنے کی شکل بھی معین کی جائے تو وہ ایک وقت میں اچھی ہوگی اور دوسرے وقت میں بری لہٰذا قرآن یہ نہیں کرتا۔

Marfat.com

بالکل اسی طرح قرآن شخصی اور غیر شخصی ملکیت کی تشکیل کا ذکر تو نہیں کرتا لیکن بعض اصول زرعی تنظیم کے اس میں سے نکالے جا سکتے ہیں، اتفاق ہے کہ جو آیات پیش نظر ہیں وہ ایسی ہیں جن سے بعض حضرات نے زمین کی اجتماعی ملکیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ہم اس پہلو کو ان آیات میں نہیں دیکھ سکے اور اس کی وجہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

زمین کا مقصدِ وجود: زمین کے وجود کا مقصد کیا ہے؟ سورۃ رحمٰن کی چند ابتدائی آیات پڑھیئے:۔

وَالأَرْضَ وَضَعَهَا لِلأَنَامِ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الأَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ فَبِأَيِّ آلاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (آیات ۱۰ - ۱۳)

گویا زمین ایک اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جس کا ہمیں اقرار کرنا چاہیئے اور جو تخلیق ہی اس لئے کی گئی ہے کہ پھل پھول اور اناج انسانوں کے لئے پیدا کرے، اگر کوئی زرعی نظام زمین سے اس کے پھل پھول اور اناج پیدا کرنے کی صلاحیتیں سلب کرے یا کم کر دے تو وہ اس غرض کے خلاف ہو گا جو اللہ تعالےٰ کے پیش نظر زمین کی تخلیق کے وقت تھی، لہٰذا صرف وہ نظام اسلام کے نزدیک مقبول ہو گا جو زمین کے پھل پھول اور اناج زیادہ سے زیادہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

یہ آیت زرعی نظام کے مسئلے کو اس کے صحیح مقام پر لاکر چھوڑ دیتی ہے، وہ نہ شخصی نظام کی تاکید کرتی ہے نہ اجتماعی ملکیت کی، وہ صرف زمین کے مقصد تخلیق کو بیان کر دیتی ہے کہ انسانوں کے لئے پھل پھول اور اناج پیدا کرنے کے لئے ہم نے اسے بنایا ہے لہٰذا وہ لوگ جو اللہ کی نعمتوں کو نہیں جھٹلانا چاہتے، زمین کی غرض پیدائش سے بے تعلق نہیں ہو سکتے، یہ ان کا فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ کس انداز سے لوگوں کے لئے پھل، پھول اور اناج زیادہ سے زیادہ پیدا ہو سکتے ہیں تاکہ وہ اللہ کی نعمتوں کے زیادہ سے زیادہ شکر گزار ہو سکیں، اگر کبھی قبیلہ کی ملکیت پھل پھول اور اناج زیادہ اگائے تو وہ اسلام کو پسند ہو گی اگر شخصی ملکیت یہ کام کر سکے تو وہی قرآن کا مقصود بن جائیگی

Marfat.com

اور اگر کوئی دوسرا نظام زمین کے مقصد تخلیق کو احسن طریقے سے پورا کر سکے تو وہی زرعی نظام اسلامی ہو گا۔ لیکن یہ نظام ابد تک اسلامی نہیں رہے گا، جب حالات بدلیں اور ایک مختلف نظام پہلے سے زیادہ پھل پھول اور اناج اُگانے کی صلاحیت والا نمودار ہو پھر وہ پہلے نظام کی نسبت زیادہ اسلامی ہو جائے گا۔ اس لحاظ بلحاظ بدلنے والے معاملے میں کوئی ایک نظام ہمیشہ کے لئے احسن نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لہٰذا قرآن حکیم نے کسی ایک نظام کی پابندی ہم پر عائد نہیں کی، صرف زمین کا مقصد بتا دیا۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کا فرض ادا کریں، اور آج کے پاکستان کے لئے جو نظام اسلامی ہو سکتا ہے اسے ڈھونڈ نکالیں۔

اگر ہم اس آیت کا مفہوم صحیح سمجھ سکے ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ ہمارا موجودہ زرعی نظام اسلامی نہیں ہے، اس میں کھیتوں کی تقسیم اور انتشار، مزارعوں کی بے حوصلگی، مالکان زمین کی بے توجہی اور گران کے ظلم کو نظر انداز بھی کر دیا جائے، پھل پھول اور اناج اس حد تک پیدا نہیں کرنے دیتے جس حد تک زمین پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لہٰذا موجودہ نظام زمین کی تخلیق کی غرض کو بطریق احسن پورا نہیں کر رہا۔ لہٰذا اسے بدل دینا چاہئے اور وہ نظام اس کی جگہ قائم کرنا چاہئیے جو زیادہ سے زیادہ پھل پھول اور اناج پیدا کر سکتا ہے۔ وہ نظام کونسا ہے؟ قرآن کریم نے کسی نظام پر آپ کو پابند نہیں کیا، لہٰذا ہم کیوں پابند کریں، آپ خود سوچئیے اور فیصلہ کیجئے۔ گذشتہ صفحات کسی حد تک شاید آپ کی اس معاملے میں رہنمائی کر سکیں، اگر وہ ایسا کریں تو انھیں قبول کیجئے، ورنہ رد کر دیجئے، اور اس نظام کی طرف سب کو لے چلئے جو زیادہ سے زیادہ پھل پھول اور اناج پیدا کرے۔

اسلامی معاشرت میں اخوت کا تصور

جس طرح ہم نے مندرجہ بالا آیت سے اسلامی نظام کا ایک بنیادی اصول یہ سمجھا ہے کہ وہ پیدائش آور ہو، اسی طرح بعض دوسرے اصول قرآن حکیم سے حاصل کئے جا سکتے ہیں جو کسوٹی کا کام دے سکتے ہیں کہ موجودہ نظام اسلامی ہے یا نہیں اور اسلامی

Marfat.com

نظام کے خواص کیا ہوں گے۔

ان میں سے ایک اصول اخوت ہے :۔

واذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ (البقرہ ع)	اور اللہ نے جو انعام تم پر کئے ہیں انھیں یاد کرو تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے اور اللہ نے) تمہارے دلوں میں الفت ڈالدی اور تم اسکی نعمت کے طفیل بھائی بھائی ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک انعام مومنوں پر یہ بھی ہے کہ وہ جو پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ پر ایمان لاکر بھائی بھائی ہو گئے ہیں۔

لہٰذا اسلامی نظام کے کسی شعبے میں طبقاتی جنگ کا تصور موجود نہیں ہے کوئی زرعی نظام جو طبقاتی جنگ کی آگ بھڑکاتا ہے وہ غیر اسلامی ہوگا، اور ہر وہ زرعی نظام جو انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنائے، اور ان میں دشمنی اور بغض کی بجائے محبت اور ہمدردی کے جذبات کو بیدار کرے اسلامی ہوگا۔

اس کا فیصلہ آپ خود کیجئے کہ کیا موجودہ زرعی نظام بھائی چارے کے جذبات کی پرورش کر رہا ہے یا طبقاتی جنگ کا غیر اسلامی لاوا بہانا چاہتا ہے۔

قران میں زرعی مساوات کا تصور

ایک اور آیت ملاحظہ فرمایئے :۔

سواءً للسائلین الخ

کوئی ایسا زرعی نظام جو کسی طالب زمین کو زمین سے نفع حاصل کرنے کا اتنا موقع نہ مہیا کرتا ہو جتنا وہ کسی اور کو مہیا کرتا ہے تو وہ اسلامی زرعی نظام نہیں کہلا سکیگا اس آیت کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ زمین سب کو برابر دے دی جائے (جیسا بعض لوگوں نے سمجھا ہے) لیکن یہ ضرور ہے کہ حق انتفاع برابر سب کو حاصل ہو اب کوئی اگر اپنے حق کو استعمال نہیں کرتا اور زمین پر محنت نہیں کرتا تو وہ تو زمین کا سائل ہی نہیں ہے اسی طرح کوئی دوسرا جو زمین پر شدید محنت کرتا ہے اپنے سائل ہونے کی بنا پر اپنی محنت کا پھل حاصل کرنے کا حقدار ہے، کوئی زرعی نظام جو سب انسانوں کو زمین سے متمتع ہونے کا موقع نہیں دیتا، وہ اسلامی نظام

Marfat.com

نہیں کہلا سکتا، اسلامی نظام کو یہ موقع برابر برابر مہیا کرنا چاہیئے۔

اس آیت میں سائل کے لفظ کی وضاحت بڑی مفید ہو سکتی ہے، یہ کام علمائے کرام کا ہے، اور ہمیں امید ہے کہ کوئی اہل نظر اس کام کو کرے گا اور سائل کی تفسیر زرعی تاریخ کے مختلف ادوار میں واضح کرے گا۔

اس مضمون میں ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جا سکتے لیکن ہمارا گمان ہے کہ یہ آیت ہر زرعی دور میں ایسے زرعی نظام کی طرف اشارہ کرے گی جسے ہم آج کل کی اصطلاح میں "معاشی انصاف" والا زرعی نظام کہیں گے، اس نظام کی ہمیشہ کوئی ایک معین صورت نہیں ہوگی کبھی ایک قسم کا معاشی اور زرعی نظام زیادہ انصاف اور برابری کے مواقع مہیا کریگا، اور کبھی بدلے ہوئے ماحول میں دوسرا، اسلام ہمیشہ اس زرعی نظام کو اپنائے گا جو کسی ماحول میں زیادہ سے زیادہ "سائلین" کے ساتھ زیادہ سے زیادہ انصاف اور برابری کا برتاؤ کر سکے۔

بین الاقوامی اسلامی اقتصادی کانفرنس کے پہلے اجلاس میں فضیلت مآب مسٹر غلام محمد نے اپنے صدارتی خطبہ میں اس موضوع پر ایک دو فقرے خوب کہے تھے،[1] کوئی زرعی نظام اپنی ذات میں اسلامی یا غیر اسلامی نہیں ہے، جو زرعی نظام معاشی انصاف میں ممد ہو وہ اسلامی ہے اور جو خارج ہو وہ غیر اسلامی ہے۔

ان دو فقروں میں انھوں نے وہ سب ادا کر دیا ہے جو ہم گذشتہ کئی صفحوں میں لکھ چکے ہیں، لہٰذا ہم اپنی بحث کا ماحصل بھی ان کے انداز بیان میں دہرائیں گے، کوئی زرعی نظام اپنی ذات میں نہ اسلامی ہے، اور نہ غیر اسلامی، وہ زرعی نظام جو بھائی چارے اور مساوات کا حامل ہو اور پیداآوری کا محرک ہو، اسلامی ہے، اور جو زمین کی پیداآوری کو مسدود یا محدود کرتا ہو اور انسانوں کے بھائی چارے اور مساوات کے خلاف ہو غیر اسلامی ہے۔

الارض للہ کا مفہوم الارض للہ کے ٹکڑے سے بھی کئی لوگوں نے قرآن سے اجتماعی ملک کی دلیل مہیا کی ہے، وہ دلائل بے بنیاد ہو جاتے ہیں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ للہ ما فی السمٰوات وما فی الارض (آسمانوں اور زمینوں

---

[1] یہ خطبہ اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہے، اور فقرے حافظے سے لکھ رہے ہیں۔

Marfat.com

میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے) کی آیت بھی موجود ہے لہٰذا اگر زمین کی ملکیت الٰہی کا مقصد حکومت کی ملکیت ہو تو پھر ہر چیز حکومت کی ملک ہی ٹھیرے گی، زمین چھوڑ ہم خود بھی تو اس کے ہیں:
اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن (ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے)۔

الارض لِلّٰهِ کے وہ معنی تو نہیں لیکن یہ مفہوم ضرور اس میں شامل ہے کہ ہمیں زمین کا انتظام کرتے وقت اصل مالک کو نہیں بھولنا چاہیئے (جیسے کسی اور کام کے وقت مومن کا فرض ہے کہ اللہ اور اس کے احکام کو یاد رکھے) اور ان احکام کا جہاں تک اطلاق زرعی نظام پر ہوتا ہے اس کی طرف اشارے ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں، لہٰذا کوئی زرعی نظام جس میں زمیندار ظالم اور فاجر بن جائیں، اور کاشتکار مجبور و مقہور رہو۔ الارض لِلّٰهِ کی روح کے منافی ہوگا۔

الارض لِلّٰهِ کے دو لفظوں میں اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو وہ ساری بحث سما جاتی ہے جو ہم گذشتہ صفحات میں کرتے رہے ہیں، زمین اللہ کی ہے، اسی نے ہم کو کہا، کہ لکم فی الارض مستقرٌ و متاعٌ الی حین۔ کہ زمین تمہارے لئے کچھ وقت کیلئے ٹھیرنے کی جگہ اور نفع حاصل کرنے کا مقام ہے، اس سے جو منافع میسر ہوں وہ ہمارے لئے حلال ہیں: سَخَّرَ لَکُمْ مَا فی الارض والسَّمَاء (زمینوں اور آسمانوں میں جو کچھ ہے وہ تمہارے لئے مسخر کر لیا گیا ہے) لیکن یہ زمین جو اسی کی ہے اور جس سے فوائد ہم اسی کی اجازت کی وجہ سے حاصل کرتے ہیں، اس چیز کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم اس کے احکام کو نظر انداز نہ کریں اور ایسا زرعی نظام قائم کریں، جو پیدا آور ہو اور معاشی انصاف کرتا ہو کیونکہ زمین کا مقصد تخلیق "پیدا آوری" ہے، اور مومنوں کا خاصہ ان کا "بھائی بھائی ہونا"!

Marfat.com

باب ہفتم

اِس راز کو کرنا فاش تو اَے رُوحِ محمد

(جواز اور وجوب میں فرق ، مزارعت کے جواز کی روایات ، یہ احادیث مزارعت کو واجب نہیں بناتیں ، جائز چیز خلیفہ وقت بند کر سکتا ہے ۔ مزارعت کو ناجائز بیان کرنے والی احادیث ، اس ظاہری تضاد کا حل ، توضیح کی پہلی صورت اور اس پر تنقید ، توضیح کی دُوسری صورت اور اس پر تنقید ، توضیح کی تیسری صورت اور اس پر تنقید ، آئمہ دین اور فقہا پر اس تضاد کا اثر ، مذہب حنفی ، مذہب حنبلی ، مذہب مالکی ، مذہب شافعی ، حدیث و فقہ کی بحث کے نتائج ، موجودہ زرعی نظام کے وجوب کے مدعی علما کی بنیادی دلیل ، حکومت زمین حاصل کر سکتی ہے حضرت عمرؓ کے اقدام سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ، اسلام میں قومی ملکیت کا تصور ناپید نہیں) ۔

جواز اور وجوب میں فرق

قرآن حکیم میں تو ہمیں کوئی قید اس قسم کی نظر نہیں آئی جس سے حکومت وقت ضروریات عامہ کے تحت زمینداروں سے انکی زمینیں نہ لے سکے ، اس کے برعکس ایسے اُصول ضرور نظر آتے ہیں جن کی رہنمائی میں اگر زرعی نظام کی اصلاح کی جائے تو زمینداروں کے پاس موجودہ حالات میں زمین کا رہنے دینا ناممکن معلوم ہوتا ہے ۔

دائیں بازو والے اسی لیئے زیادہ توجہ حدیث اور سنّت کی طرف مبذول فرماتے ہیں جس میں انھیں یہ سہارا ملتا ہے کہ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بٹائی کا معاملہ فرماتے رہے ، خلفائے کرام ایسا کرتے رہے ، صحابہ کرامؓ کا اکثر یہ طریقہ رہا عملی تواتر سے یہ چیز ثابت

Marfat.com

ہو جاتی ہے (اور ہم نے اس سے کبھی انکار نہیں کیا) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں یہی طریق کار اختیار کرنا چاہیئے، یہاں ایک بڑا اہم سوال سامنے آتا ہے جسے دائیں بازو والے ہمیشہ نظرانداز کر دیتے ہیں، وُہ یہ ہے کہ کیا ایک چیز کا جائز ہونا اور اس کا فرض ہونا ایک ہی قدر و قیمت رکھتے ہیں، یا ایک چیز کا جائز ہونا ہمارے لئے اس پر عمل کرنے کی کوئی پابندی نہیں رکھتا؟

مثال کے طور پر رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اونٹ پر سواری فرمائی، خلفائے کرام نے بھی ایسا کیا، صحابہ کرام کا بھی اکثر یہ طریقہ رہا، لہٰذا عملی تواتر سے یہ چیز ثابت ہو جاتی ہے کہ اونٹ پر سواری کرنا جائز ہے، لیکن کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اونٹ پر سواری کرنا ہم پر لازم اور واجب ہے؟ اب بدلے ہوئے حالات میں ایسا کرنا ناممکن ہے، مجھے گمان ہے کہ خود مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی آج تک اونٹ کی سواری نہیں فرمائی، اور موٹر اور تانگہ اور گاڑی پر اکثر چڑھے ہیں حالانکہ نہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایسا کبھی کیا نہ خلفائے راشدین نے نہ صحابہ کرامؓ نے، اس پر نہ انھیں کبھی گمان نہیں گزرا کہ وُہ کسی فرض کی ادائگی سے محروم رہے ہیں اور نہ ہمارا یہ خیال ہے، بعینہٖ اس قسم کی پچاس چیزیں اکل وشرب کی، لباس کی، زبان کی، تحریر و تقریر کے آلات و وسائل کی، مکانوں کی ساخت اور ان کے سامان کی ایسی ہیں جس میں لامحالہ ہمارا رہنے سہنے کا انداز آنحضورؐ اور ان کے خلفاء اور صحابہؓ کے انداز سے مختلف ہے لیکن ہم نے کبھی اصرار نہیں کیا کہ سب لوگ عربی بولیں، یا تہہ بند باندھیں، یا مٹی یا لکڑی کے پیالوں میں پانی پئیں، ہم سب ان چیزوں کا استعمال جائز مانتے ہوئے بھی اُن کے عدم استعمال کو بھی برابر کا جائز سمجھتے ہیں، کیونکہ یہ چیزیں ایک خاص ماحول اور زمانہ کی پیداوار تھیں، اور چونکہ وہ ماحول اور وُہ زمانہ اب موجود نہیں ہے، ہم اُردو بولنا، سلوار یا پتلون پہننا، اور شیشے کے گلاس میں پانی پینا بالکل جائز سمجھتے ہیں حالانکہ اس کی کوئی نظیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں موجود نہیں ہے!

زمین کا معاملہ بالکل اسی نوعیت کی چیز ہے، اگر آنحضورؐ اور صحابہ کرامؓ نے بٹائی یا ٹھیکہ پر زمین دی تھی تو یہ اس چیز کے لئے کوئی سند نہیں ہے کہ ہم بٹائی اور ٹھیکہ کو چھوڑ کر کوئی

Marfat.com

دُوسرا زرعی ماحول پیدا نہیں کر سکتے ہاں اگر حضورؐ کا کوئی ایسا ارشاد ہوتا کہ بٹائی یا ٹھیکہ کو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ زراعت کے لئے اختیار نہ کرنا تو وہ دُوسری بات تھی لیکن حضورؐ کے جو ارشادات ہم تک پہنچے ہیں ان میں ایسا کوئی نہیں جس میں مزارعت کی تاکید ہو۔

مزارعت کے جواز کی روایات

تاکہ اس مسئلے میں کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو ہم کوشش کریں گے کہ وہ تمام احادیث دیکھ لیں جن میں مزارعت کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور اندازہ کریں کہ کیا یہ احادیث کہیں مزارعت کو ہم پر لازم یا واجب تو نہیں قرار دیتیں۔

۱۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:-

قَالَ قَالَتِ الْاَنصَارُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقْسِمْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ اِخْوَانِنَا النَّخِیلَ قَالَ لَا فَقَالُوا تَکْفُونَا الْمَؤُنَۃَ وَ نَشْرَکُکُمْ فِی الثَّمَرَۃِ قَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا	ان کی روایت ہے کہ انصار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے اور ہمارے (مہاجر) بھائیوں کے درمیان باغات تقسیم کر دیجئے حضورؐ نے فرمایا نہیں تب انہوں نے مہاجرین سے کہا کہ تم محنت کر دیا کرو اور ہم تمہیں پھل میں شریک کر لیا کریں گے، مہاجرین نے کہا اچھا ہم اس کو منظور کرتے ہیں۔ (بخاری)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَلَ خَیْبَرَ بِشَطْرِ مَا یَخْرُجُ مِنْہَا مِنْ ثَمَرٍ اَوْ زَرْعٍ وَکَانَ یُعْطِی اَزْوَاجَہٗ مِائَۃَ وَسْقٍ ثَمَانِیْنَ وَسْقَ تَمْرٍ وَعِشْرِیْنَ وَسْقَ شَعِیْرٍ (بخاری)	کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے کھیتی اور پھل کی نصف پیداوار پر معاملہ کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کو سو وسق دیا کرتے تھے، اسی وسق چھوارے اور بیس وسق جو۔

۳۔ حضرت ابن عباس رضہ سے روایت ہے:-

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَنْہَ عَنِ الْکِرَاءِ وَ لٰکِنْ قَالَ	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کرایہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی شخص

Marfat.com

اَنْ یَّمْنَحَ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ — تم میں سے (اپنی زمین) اپنے بھائی کو دیدے

خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّاْخُذَ عَلَیْهِ — تو یہ اس کے لئے بہتر ہے بجائے اس کے کہ وہ

خَرْجًا معلومًا۔ (بخاری) — اس کا کرایہ لے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دو اور روایات بخاری شریف میں موجود ہیں ایک یہ کہ

اجلیٰ عُمَرُ الیهودَ والنصاریٰ مِنْ — حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہود و نصاریٰ

ارض الحجاز وکانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی — کو سرزمین حجاز سے نکال دیا اور رسولِ کریم

اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا ظَهَرَ عَلٰی خَیْبَرَ اَرَادَ — صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر پر قبضہ پایا اسی

اخراج الیهودِ منها وکانت الارضُ — وقت یہود کو وہاں سے نکالنے کا ارادہ فرمایا

حِیْنَ ظَهَرَ عَلَیْهَا لِلّٰهِ ولرسوله — تھا، وہاں کی زمین اللہ اور اس کے رسول

صَلَّی اللهُ علیه وَسَلَّمَ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ — اور تمام مسلمانوں کی ہو گئی تھی، اور حضورؐ

وَاَرَادَ اخراج الیهود مِنْهَا — نے وہاں سے یہود کو نکالنے کا قصد فرمایا تو

فسألتِ الیهودُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی — یہود نے آپ سے درخواست کی کہ آپ انھیں وہیں

اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیُقِرَّهُمْ بِهَا — رہنے دیں اس شرط پر کہ وہ وہاں کام کرینگے اور

اَنْ یَّکْفُوْا عَمَلَهَا وَلَهُمْ نِصْفُ — انھیں نصف پھل ملیگا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ

الثَّمَرِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی — علیہ وسلم نے فرمایا ہم اس شرط پر تم کو جب تک

اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نُقِرُّکُمْ بِهَا عَلٰی — چاہیں گے رکھیں گے، چنانچہ وہ وہاں

ذالک مَا شِئْنَا فَقَرُّوْا حَتّٰی — رہے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے انکو مقام

اَجْلَاهُمْ عُمَرُ اِلٰی تَیْمَاءَ وَاَرِیْحَاءَ۔ — تیماء اور اریحاء کی طرف نکال دیا۔ (بخاری)

۵۔ یہ روایت بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے:۔

اِنَّهٗ کَانَ یُکْرِیْ مَزَارِعَهٗ عَلٰی — کہ وہ اپنے کھیت کرایہ پر دیا کرتے تھے رسولِ

عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ — کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور

وَاَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَصَدْرًا — ابو بکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے زمانے میں

مِنْ اِمَارَةِ مُعَاوِیَةَ ثُمَّ — اور معاویہؓ کی امارت کے شروع میں اس

Marfat.com

حدّثَ عَنْ رَافع ابن خَدِيج اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَذَهَبَ ابنُ عُمَرَ اِلٰى رَافِع فَسَأَلَهٗ فَقَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَقَالَ ابنُ عُمَرَ قَدْ عَلِمْتُ اَنَّا كُنَّا نُكْرِيْ مَزَارِعَنَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا عَلَى الْاَرْبِعَاءِ وَبِشَيْءٍ مِنَ التِّبْنِ ۔ (بخاری)

کے بعد رافع بن خدیج کی حدیث ان سے بیان کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتوں کا کرایہ وصول کرنے سے منع فرمایا ہے تو ابن عمرؓ رافع کے پاس گئے اور ان سے پوچھا انھوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتوں کے کرائے سے منع فرمادیا تھا ابن عمرؓ نے کہا میں جانتا ہوں کہ ہم اپنے کھیت کرائے پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیتے تھے جو تھا حصہ پیداوار کے بدلے اور کچھ بھوسے کے بدلے ۔

بخاری شریف کی ان احادیث کے علاوہ بہت سی اس مضمون کی روایات مرزا صاحب اپنی کتاب میں پیش کرتے ہیں جنھیں ہم آئندہ نقل کرتے ہیں ۔

۶ ۔ قیس بن مسلم کی روایت ہے کہ :۔

مَا بِالْمَدِيْنَةِ اَهْلِ بَيْتِ هِجْرَةٍ اِلَّا يَزْرَعُوْنَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَزَارَعَ عَلِيٌّ وَسَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ وَالْقَاسِمُ وَعُرْوَةُ بْنُ زُبَيْرٍ وَاٰلُ اَبِيْ بَكْرٍ وَاٰلُ عُمَرَ وَاٰلُ عَلِيٍّ وَابْنُ سِيْرِيْنَ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْاَسْوَدِ كُنْتُ اُشَارِكُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ فِي الزَّرْعِ

مدینے کے مہاجرین کا ایک خاندان بھی نہیں تھا جو تیسرے یا چوتھے حصّے کی بٹائی پر زمین نہ دیتا ہو حضرت علیؓ اور سعد بن مالک اور عبد اللہ بن مسعود اور عمر بن عبد العزیز اور قاسم اور عروہ بن زبیر اور حضرت ابو بکرؓ و عمر اور علی کی اولاد اور ابن سیرین (بٹائی پر زمینیں دیتے تھے) عبد الرحمٰن بن اسود کہتے ہیں کہ میں بھی عبد الرحمٰن بن یزید کے ساتھ مل کر یہ کام کیا کرتا تھا ۔

۷ ۔ خالد حذاء بمبنی طاؤس کی زبانی یہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا :۔

لہ مرزا صاحب اسلام اور ملکیت زمین کے صفحہ ۱۸۰ پر یہ روایت بخاری باب المزارع کے حوالے سے دیا تی ہے صفحہ ۱۸۰

Marfat.com

فقدم علینا معاذ الیمن و کان یعطی الارض علی الثلث والربع منحق نعمل بہ الی الیوم[۱]

معاذؓ گورنر مقرر ہو کر یمن آئے اور آپ زمین تیسرے یا چوتھے حصے پر بٹائی پر لوگوں کو دیا کرتے تھے ہم بھی اسی طرح بٹائی پر لوگوں کو آج تک دیتے ہیں۔

۸۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ:

لا بأس بالمزارعۃ بالنصف۔ (کنز العمال)

نصف نصف کی بٹائی کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ احادیث مزارعت کو واجب نہیں بناتیں

اس قسم کی روایات اور بھی موجود ہیں لیکن کوئی اہم حدیث مزارعت کے جواز کے مضمون پر غالباً اور موجود نہیں ہے، کیا ان احادیث میں کوئی چیز ایسی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ بٹائی یا ٹھیکہ کے لئے ہم پابند کر دیئے گئے ہیں؟ یہ احادیث تو صرف یہ ثابت کرتی ہیں کہ:۔

(الف) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور خلفاء کبار نے بٹائی کا معاملہ کیا، اور اسے جائز سمجھا، لیکن اس سب کا مفہوم تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مندرجہ بالا قول کے الفاظ میں صرف اتنا ہے کہ "بٹائی کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے" سوال تو یہ ہے کہ کیا بٹائی چھوڑنے میں کوئی حرج ہے یا نہیں، اس کے متعلق ان احادیث میں کوئی ذکر موجود نہیں ہے، مطلب یہ ہوا، کہ بٹائی جائز تو ہے، لیکن واجب نہیں، لازم نہیں، فرض نہیں اس کا چھوڑ دینا قطعاً جائز ہے۔

جائز چیز خلیفۂ وقت بند کر سکتا ہے

جائز اور واجب میں شرعی نقطۂ نظر سے یہ فرق ہے کہ خلیفۂ وقت جائز چیز کو بند کر سکتا ہے لیکن واجب چیز کو بند نہیں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷۹) لکھتے ہیں کہ میرے پاس جو بخاری کا نسخہ ہے (مطبوعہ دین محمدی پریس) اس میں یہ حدیث موجود نہیں ہے، ممکن ہے مرزا صاحب سے حوالہ میں سہو ہوئی ہے۔

[۱] ایضاً صفحہ ۸۳ بحوالہ مبسوط جلد ۲ کتاب المزارعۃ۔

Marfat.com

کرسکتا، مثلاً اوپر کی احادیث مزارعت کو جائز ٹھیراتی ہیں اور زراعت کے جواز میں تو کوئی سند ہی نہیں لیکن ایک وقت جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زراعت اور مزارعت دونوں کو مسلمانوں کے لئے غیر مفید تصور کیا تو انھوں نے دونوں کو بند کر دیا ہے، مندرجہ ذیل سندیں دیکھئے:

"عبداللہ بن ہبیرہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کیا تمام اسلامی لشکر کے سرداروں میں یہ منادی کرادی کہ تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر ہیں اور ان کی اولاد کے بھی لہٰذا کوئی مسلمان زراعت کا کام نہ کرے"[1]۔

نظام العالم والامم میں طنطاوی نے تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

"جب حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں مال بہت بڑھ گیا اور لوگوں کے روزینے مقرر ہو گئے اور رجسٹر مرتب ہو گئے تو عاملوں اور قاضیوں کے مشاہرے بھی مقرر کر دیئے گئے اور پونجی جمع کرنے کی ممانعت کر دی گئی، اس لئے کہ ان کے اہل و عیال اور ان کے غلاموں اور آزاد شدہ غلاموں تک کے وظائف بیت المال سے مقرر کر دیئے گئے تھے"

حضرت عمرؓ کے اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ہر وقت ایک لشکری کی حیثیت سے کوچ کے منتظر رہیں اور ان کو نہ کھیتی کا انتظار روک سکے اور نہ خوش عیشی اور عیش کوشی اس سے باز رکھ سکے اور یہ حکم یہاں تک آگے بڑھا کہ اگر کوئی ملک کا قدیم ذمی باشندہ بھی مسلمان ہو جاتا تو اس کی تمام جائداد و املاک اس کی بستی کے ذمیوں میں تقسیم کر دی جاتی اور وہی ان املاک کا خراج ادا کرتے اور صرف اس کا مال اور حیوان اس کے سپرد کر دیئے جاتے تھے اور خلافت کی جانب سے اس کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا اور اس حکم کو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے بھی اپنی خلافت کے دور میں جاری کیا کیونکہ وہ ہر معاملے میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کی پیروی کے عادی تھے"[2]

جو لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے ان کے ساتھ حضرت عمرؓ کی سختی ملاحظہ ہو:

---

[1] مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام صفحہ ۲۳۹ بحوالہ حسن المحاضرہ صفحہ ۷۔

[2] ایضاً صفحہ ۲۳۸، ۲۳۹ بحوالہ نظام العالم والامم للطنطاوی ج ۲ صفحہ ۱۸۳/۱۸۲

Marfat.com

"شریک بن سمی غطفی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ عذر کر کے کہ وظیفہ میری معاش کی پوری کفالت نہیں کرتا بغیر اجازت کاشتکاری شروع کر دی۔ عمرو بن العاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع کی حضرت عمرؓ نے شریک کو دربار خلافت میں بلا بھیجا اور فرمایا کہ میں تمہیں ایسی سزا دوں گا، کہ آئندہ کے لئے یادگار رہے، شریک نے کہا میں تائب ہوتا ہوں آپ معاف فرما دیں تب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معافی دی۔[۵۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاص حالات میں مسلمانوں کے لئے زراعت بند کرنا چاہی تو انھوں نے اس کے مطابق حکم دے دیا باوجود اس چیز کے کہ زراعت جائز ہے بعینہٖ اگر آج مزارعت کا وجود مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے تو حکومت وقت اسے بند کرنے کا اختیار رکھتی ہے، مزارعت کے جواز کی احادیث اس کا راستہ اس لئے نہیں روک سکتیں کیونکہ وہ صرف جواز کی احادیث ہیں، وجوب کی احادیث نہیں۔

مزارعت کو ناجائز بیان کرنے والی احادیث

اگر حدیث مزارعت کو جائز کرنے والی روایات کے سوا مزارعت کے مسئلے پر خاموش رہتی جب بھی مزارعت بند کی جا سکتی تھی لیکن اتفاق یہ ہے کہ حدیث خاموش نہیں ہے، بلکہ جواز والی احادیث کے ساتھ ساتھ ناجائز قرار دینے والی احادیث بھی موجود ہیں، جو کسی اعتبار سے جواز والی احادیث سے کم وقعت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ اس ظاہری تضاد کا حل کرنا علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے ضروری ہے اس لئے ہم عدم جواز والی احادیث بھی تمام لکھیں گے، انھیں مولانا ابو العلاء مودودی نے یکجا کر دیا ہے چونکہ یہ احادیث ان کے نقطہ نظر کے خلاف ہیں لہٰذا انھیں وہاں سے نقل کرنا بجائے خود ایک سند ہے (دیکھئے مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۳۹، ۴۴)

۱۔ رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زراعت کے لئے زمینیں لیتے تھے، اور تہائی، چوتھائی اور ایک خاص مقدار غلہ کرایہ کے طور پر مقرر

---

۵۱ ایضاً صفحہ ۲۲۹ بحوالہ حسن المحاضرہ، صفحہ ۷۔

Marfat.com

کر لیتے تھے ایک روز میرے چچاؤں میں سے ایک آئے اور اُنھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک ایسے کام سے روک دیا ہے، جو ہمارے لئے نافع تھا مگر ہمارے لئے اللہ اور رسولؐ کی تابعداری زیادہ نافع ہے آپ نے ہم کو اس بات سے منع کر دیا کہ ہم زمینوں میں مزارعت کا معاملہ کریں اور تہائی اور چوتھائی اور مقرر مقدار غلّہ کے عوض انھیں کرایہ پر دیں، اور آپ نے حکم دیا ہے کہ مالک زمین یا تو خود کاشت کرے یا دُوسرے کو کاشت کرنے کے لئے دے دے اور آپ نے زمین کے کرایہ کو اور اس کے سوا دُوسری صورتوں کو ناپسند فرمایا ہے"۔ (مسلم)

۲۔ "ایک اور روایت میں حضرت رافع اپنے چچا کا نام ظہیر بن رافع بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم لوگ اپنی کھیتی باڑی کا معاملہ کس طرح کرتے ہو؟ اُنھوں نے مزارعت کی تفصیل بتائی، اس پر آپ نے فرمایا، ایسا نہ کیا کرو، یا خود زراعت کرو، یا دُوسروں کو زراعت کے لئے دے دیا کرو یا اپنی زمینیں روک رکھو"
(مسلم، بخاری، ابن ماجہ)

۳۔ ایک اور روایت میں حضرت رافع خود اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی کھیتی کو پانی دے رہے تھے، وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا، آپ نے پوچھا یہ کس کی کھیتی ہے، اور کس کی زمین ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا: میری کھیتی ہے، اس میں تخم اور عمل میرا ہے، آدھی پیداوار میری ہوگی اور آدھی فلاں کی اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے سُودی معاملہ کیا ہے، زمین اس کے مالکوں کو واپس کرو اور اپنا خرچ ان سے وصول کر لو"۔ (ابو داؤد)

۴۔ "مجاہد کی روایت ہے کہ رافع بن خدیج نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک ایسے کام سے روک دیا جو ہمارے لئے نافع تھا یعنی اس بات سے کہ اگر ہم میں سے کسی کے پاس کوئی زمین ہو تو وہ اسے اس کی پیداوار یا نقدی کے عوض زراعت کے لئے کسی دُوسرے شخص کو دے اور آپ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے پاس کوئی زمین ہو تو یا وہ اپنے کسی بھائی کو یونہی دے دے یا خود کاشت کرے"۔ (ترمذی)

Marfat.com

۵ - سعید بن مسیب نے رافع بن خدیج سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ (یعنی بٹائی پر کاشت کرانے) اور مذابنہ (درختوں پر کھجور کی بیع) سے منع فرمایا اور فرمایا: زراعت تین ہی آدمی کر سکتے ہیں، ایک وُہ جس کی اپنی زمین ہو، تو وُہ اس میں خود کاشت کرے، دُوسرا وُہ جسے کوئی زمین یونہی دے دی جائے اور وُہ اس میں کھیتی باڑی کرے، تیسرا وُہ جو سونے اور چاندی کے عوض زمین کرائے پر لے۔

(ابو داؤد، ابن ماجہ، نسائی) ۔

۶ - سلیمان بن یسار نے رافع بن خدیج سے جو روایت نقل کی ہے اس میں وُہ اپنے کسی چچا کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کے پاس کوئی زمین ہو وُہ غلے کی ایک مقدار ٹھیرا کر اسے کرائے پر نہ دے اور دُوسری روایت کی رُو سے ان کے چچا نے بیان کیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کے پاس کوئی زمین ہو اسے چاہیئے کہ یا خود زراعت کرے یا اپنے کسی بھائی کو زراعت کے لئے دے دے مگر کرائے پر نہ دے، نہ تہائی پیداوار پر نہ چوتھائی پر اور نہ ایک مقرر مقدار غلہ پر۔

(ابن ماجہ، ابو داؤد، نسائی) ۔

۷ - رافع بن خدیج کے صاحبزادے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو رافع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر ہم لوگوں کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک ایسے کام سے روک دیا ہے جو ہمارے لئے فائدہ مند تھا، مگر اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت ہمارے لئے زیادہ فائدہ مند ہے، آپ نے ہمیں اس بات سے منع فرما دیا کہ کوئی شخص کسی زمین میں زراعت کرے الا یہ کہ یا تو وہ خود اس زمین کا مالک ہو یا کوئی دُوسرا شخص اس کو بلا معاوضہ زراعت کیلئے دے دے۔ (ابو داؤد)

۸ - جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے کرائے سے منع فرما دیا۔ (مسلم)

۹ - انہی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ (بٹائی پر کاشت کرانے) سے منع فرما دیا۔ (مسلم)

Marfat.com

۱۰۔ان کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ زمین اجرت پر یا پیداوار کے حصے پر کاشت کے لئے لی جائے۔ (مسلم)

۱۱۔حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جس کے پاس کوئی زمین ہو اسے چاہیئے کہ خود کاشت کرے اور اگر خود نہ کرتا ہو تو اپنے کسی بھائی کو کاشت کے لئے دے دے، یہ حدیث مختلف روایتوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں جس کے پاس فاضل زمین ہو اسے چاہیئے کہ یا خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو کاشت کے لئے دے دے لیکن اگر وُہ نہ دینا چاہے تو اپنی زمین کو روک رکھے، دُوسری روایت میں ہے اسے چاہیئے کہ ہبہ کر دے یا عاریتاً دے دے۔ایک اور روایت میں ہے اس کو اجرت پر نہ دے ایک اور روایت میں ہے اس کو کرایہ پر نہ دے۔ (مسلم، بخاری، ابن ماجہ)

۱۲۔جابرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالی زمین کو دو تین سال کے لئے بیچنے سے منع فرمایا۔ دُوسری روایت میں ہے چند سال کے لئے بیع کرنے سے۔ایک اور روایت میں ہے چند سال کے ثمرہ کی بیع سے (مسلم)

۱۳۔جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزابنہ اور حقول سے منع کرتے ہوئے سُنا، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے خود ہی مزابنہ کی تشریح یہ کی کہ اس سے مراد کھجوروں کے بدلے ثمرہ بیچنا ہے اور حقول کی تشریح میں کہا کہ اس سے مراد زمین کو کرایہ پر دینا ہے (مسلم)

۱۴۔انھیں کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ جو شخص مخابرہ نہ چھوڑے اس کو اللہ اور رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ (ابو داؤد)

۱۵۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس زمین ہو وُہ یا تو خود کاشت کرے، یا اپنے بھائی کو بلا معاوضہ دیدے لیکن اگر وُہ نہ دینا چاہے تو اپنی زمین کو روک رکھے۔ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ)

۱۶۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔ (مسلم، ترمذی)

۱۷۔حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا مزابنہ سے مراد درختوں پر کھجور کے ثمرہ کی خریداری ہے اور محاقلہ سے مراد زمین کا کرایہ

Marfat.com

ہے۔ (مسلم، ابن ماجہ)

۱۸۔ ثابتؓ بن زحاک کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرما دیا۔ (مسلم)

۱۹۔ زیدؓ بن ثابت سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے، ثابت بن حجاج نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا، کہ مخابرہ کے کیا معنی ہیں، حضرت زیدؓ نے جواب دیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ تم آدھی یا تہائی یا چوتھائی پیداوار کے عوض زمین لو۔ (ابو داؤد)

اس ظاہری تضاد کا حل

ان احادیث میں اتنی وضاحت اور تکرار کے ساتھ بٹائی اور کرایہ منع کیا گیا ہے۔ اور راوی ایسے ثقہ صحابی ہیں کہ ان کو جھٹلانا بالکل ناممکن ہے، اس کے ساتھ ہی یہ بھی امر واقعہ ہے کہ خیبر میں خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بٹائی کا معاملہ کیا، اپنی ذاتی زمین پر بھی اور بیت المال کی اراضی پر بھی، خلفاء اور صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین اکثر یہ معاملہ کیا کرتے رہے، جو اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ چیز اس شدت سے منع فرما دیتے کہ جیسے ان روایات سے ظاہر ہوتا تو وہ کبھی مزارعت نہ کرتے۔

اس اختلاف کی توضیح جتنی مشکل ہے اتنی ہی اہم بھی ہے، اسلام کی ابتدا سے اس اختلاف کی بنا پر فقہا کی رائے مزارعت کے مسئلے میں بٹی رہی ہے، خود احادیث میں روایات موجود ہیں جن سے اس زمانے میں اس اختلاف کو حل کرنے کی کوشش کی گئی تھی، یہ روایات اس اختلاف کے تین حل پیش کرتی ہیں:

توضیح کی پہلی صورت اور اس پر تنقید

حضرت رافع بن خدیج جو عدم جواز کی کئی روایات کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ زمین کو اجارہ پر دینے کی یہ ممانعت ان بات سے متعلق ہے کہ مزارعت (بٹائی) میں زمیندار اور کاشتکار کے درمیان زمین کے حصص متعین ہوں کہ اس جانب کے حصہ کی پیداوار ہماری ہوگی اور دوسرے حصے کی تمہاری، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس سے منع کیا تھا کیونکہ کبھی

Marfat.com

ایک حصے پر آفت آجاتی ہے اور کبھی دوسرے حصے پر آفت آجاتی۔ اس لئے ہم کو ایسا معاملہ کرنے سے روک دیا گیا۔ رہا سونا چاندی تو اس پر معاملہ کرنے کا اس زمانہ میں دستور ہی نہ تھا" (بخاری)

حضرت رافع سے کئی روایات اس موضوع کی موجود ہیں، لیکن انھیں قبول کرنے میں دو دقتیں ہیں پہلی یہ کہ زمین کے حصے بانٹنے کے علاوہ فصل کی بٹائی بھی تو آنحضرت کے زمانے میں ہوتی تھی، کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف زمین کے حصے معین کرنا منع فرمانا چاہتے تھے، اس وقت کرایہ یا بٹائی منع فرماتے بقول رافع سونا چاندی پر معاملہ کرنے کا اس زمانے میں دستور نہ تھا، لیکن فصل بٹائی کا دستور تو تھا، اس کی ممانعت کی روایات موجود ہیں، خود رافع بن خدیج کی یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس کے پاس کوئی زمین ہو اُسے چاہیئے، کہ یا خود زراعت کرے یا اپنے کسی بھائی کو زراعت کے لئے دے دے مگر کرایہ پر نہ دے، نہ تہائی پیداوار پر نہ چوتھائی پر اور نہ ایک مقررہ مقدار غلہ پر" (ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی) یہاں تو واضح طور پر بٹائی اور ٹھیکہ دونوں منع کر دیئے گئے ہیں لہٰذا زمین کے حصے معین کرنے والی توضیح کچھ قابل قبول معلوم نہیں ہوتی۔

توضیح کی دوسری صورت اور اس پر تنقید

ابن عباسؓ کی توضیح دوسری نوعیت کی ہے "کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت کو حرام نہیں کر دیا تھا بلکہ آپ نے یہ ہدایت فرمائی تھی کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رفاقت کا برتاؤ کریں (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

آپ عدم جواز والی اوپر دی ہوئی انیس احادیث دیکھئے وہ کس تاکید کے ساتھ مزارعت کا ہر معاملہ منع کرتی ہیں، اگر حضور صرف رفاقت کا برتاؤ کروانا چاہتے تو یہ نہ کہتے "جس کے پاس فالتو زمین ہو اُسے چاہیئے یا خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو کاشت کے لئے دے دے لیکن اگر وہ نہ دینا چاہے تو اپنی زمین کو روک رکھے" رفاقت اور احسان یقیناً رسول کریمؐ کو مرغوب خاطر تھے لیکن ان احادیث کی زبان محض

Marfat.com

احسان کرنے سے کچھ بہت زیادہ کہتی ہے۔

توضیح کی تیسری صورت اور اس پر تنقید

تیسری توضیح زیدؓ بن ثابت فرماتے ہیں، اُنھوں نے کہا: "خدا معاف کرے، رافع بن خدیج کو میں اس بات کو ان سے زیادہ جانتا ہوں، اصل بات یہ تھی کہ دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس حاضر ہوئے جن کے درمیان سخت جھگڑا ہوا تھا اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم لوگوں کا یہ خیال ہے تو اپنی زمینیں کرایہ پر نہ دیا کرو، رافع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بس اتنی بات سن لی کہ اپنی زمینیں کرایہ پر نہ دیا کرو"۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

اگر ہم یہ تصوّر کر لیں کہ یہ سب احادیث جھگڑے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمائیں تو تضاد دُور ہو جاتا ہے اور یہ قرین قیاس ہے، کہ بعض اوقات شدید قسم کے جھگڑے مزارعت کے حضورؐ کے سامنے لائے جاتے ہوں، اور آپؐ ان جھگڑوں پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار اس طرح فرمائیں کہ اگر یہ صورت ہے تو تم لوگ مزارعت کا کام نہ کیا کرو۔ اور روایات میں آتا تا صرف یہ چیز آتی ہے کہ تم مزارعت کا کام نہ کیا کرو۔ اگر یہ توضیح قابل قبول سمجھی جائے تو اس کی گرفت میں پہلی توضیح کے بعض اجزا بھی آ جاتے ہیں۔ مثلاً سعد بن ابی وقاص کی ایک روایت میں "لوگ اپنی زمینیں اس شرط پر زراعت کے لئے دیتے تھے کہ نالیوں کے دونوں جانب کی پیداوار اور کھیتی کے اس حصّے کی پیداوار جس پر پانی خود پہنچ جائے مالک زمین کی ہوگی، اس پر لوگوں میں جھگڑے ہوئے اور ان کے مقدمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے تب آپ نے ایسی شرطوں پر زمین دینے سے منع فرما دیا"۔ (احمد، نسائی)

گویا جھگڑنے والوں کے کرایہ زمین کی شکل کھیت کے حصّے کی ہو، یا فصل کے حصے کی، یا کوئی اور حضورؐ کو ناپسند تھی اور مزارعت صرف اس صورت میں جائز تھی جب مالک اور مزارع اپنے حقوق و فرائض کو اس صورت میں سر انجام دیں کہ آپس میں فساد اور جھگڑے کی نوبت نہ آئے چنانچہ خیبر میں جو معاملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مزارعت کا فرمایا اس میں ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے کہ مزارعین کے حقوق آنحضورؐ نے

Marfat.com

اس حد تک پورے کئے ہونگے کہ کبھی جھگڑا چھوڑ شکایت کا موقع پیدا نہ ہوا ہوگا یہی صورت خلفائے کرام اور صحابہؓ کی ہے یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ انھوں نے رسولِ کریمؐ کے زرعی جھگڑوں کی ناپسندیدگی کو عملاً نظرانداز کیا ہو۔

اِس نقطہ نظر کی تائید امام محمد فرماتے ہیں جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، ان کا ارشاد ہے کہ جب مزارعت سے متعلق جھگڑوں کی شکایت رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پہنچی تو آپ نے اِس قسم کے جھگڑے والی بات سے منع فرما دیا۔ بس امام محمدؒ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ نہی اس جھگڑے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور حقیقی نہی نہیں بلکہ ایک قید ہے۔[۱]

حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب کا نقطہ نظر اس سلسلے میں یہ ہے کہ یہ ممانعت خاص مصلحت کے ماتحت اس محدود زمانے کے لئے تھی۔ کیونکہ اس وقت اس بارہ میں جھگڑے بہت بڑھ گئے تھے۔

خواہ وقتی طور پر مزارعت کی تمام صورتیں بند کی گئی ہوں۔ جیسے شاہ ولی اللہؒ صاحب کا ارشاد ہے یا بعض انفرادی موقعوں پر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس چیز سے منع فرمایا ہو۔ جیسا امام محمدؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ ممانعت کی بنا جھگڑا ضرور تھا۔

اگر یہ توضیح صحیح ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جھگڑے کی صورت میں مزارعت بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ تو یہ حکم ہمارے زمانے کے لئے خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ جتنا جھگڑا زمیندار اور کاشتکار کے درمیان اس زمانے میں بڑھا ہے۔ اِس سے پہلے کبھی نہیں تھا، ابھی یہ جھگڑا کسی شدید شکل میں بڑی وسعت کے ساتھ پاکستان میں نمودار نہیں ہوا لیکن کئی بار کئی جگہ گولیاں چل چکی ہیں۔ یہ کہنے کے لئے کوئی اہلِ نظر ہونا ضروری نہیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے شعلے آگ کی ایک وسیع لپیٹ کا پیش خیمہ ہیں اسی لئے اس چیز پر زور دینے کی ضرورت ہے کہ ہم ان احادیث کو موجودہ ماحول کی ضروریات اور زرعی جھگڑوں کے وجود کے پیشِ نظر سمجھنے کی کوشش کریں۔

---

[۱] مرزا بشیر الدین محمود احمدؒ "اسلام اور ملکیتِ زمین" صفحہ ۱۴۰ بحوالہ مبسوط جلد ۲۳ کتاب المزارعہ۔

Marfat.com

ائمہ دین اور فقہا پر اس تضاد کا اثر

اگرچہ یہ قبول کرنا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ عدم جواز کی احادیث محض جھگڑوں کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں۔ تاہم فقہا میں زمین کے کرائے کے مسئلے پر قطعاً کوئی اتفاق رائے نہیں ہے۔ اس مسئلے پر صرف چار رائیں ممکن ہیں پہلی یہ کہ مزارعت ہر صورت میں جائز ہے۔ دوسری یہ کہ صرف بٹائی جائز ہے اور ٹھیکہ ناجائز ہے۔ تیسری یہ کہ ٹھیکہ جائز ہے اور بٹائی ناجائز ہے۔ اور چوتھی یہ کہ مزارعت ہر صورت میں ناجائز ہے۔ ان میں سے ہر رائے کی تائید کے لئے گراں قدر فقہا کی اسناد موجود ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مختصراً ان چاروں صورتوں کا یوں ذکر کرتے ہیں:

"حضرت ابوذر غفاریؓ کا مذہب یہ ہے کہ افراد امت کے درمیان زمین کا اجارہ اور اس کی مزارعت دونوں ناجائز ہیں اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نقد لگان پر دینا درست ہے اور مزارعت نادرست اور طاؤس اور ابن حزمؒ[1] فرماتے ہیں کہ بٹائی پر زمین کا دینا جائز ہے اور نقد لگان پر نادرست اور جمہور علمائے امت فرماتے ہیں کہ زمین کو نقد لگان اور بٹائی دونوں صورتوں میں اجارہ پر دینا جائز ہے اور یہی سلف و خلف کا تعامل رہا ہے گویا اس مسئلے پر جس قدر بھی عقلی احتمالات ہو سکتے تھے وہ سب ہی کسی نہ کسی فقیہہ کا مختار رہیں"[2]

ایک اور اثر جو فقہا کی رائے پر احادیث کے ظاہری تضاد کا پڑا ہے یہ ہے کہ اگرچہ مزارعت کا جواز بیشتر صورتوں میں ملتا ہے لیکن ان کی رائے کے ساتھ عموماً شرطیں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل فقرے جو جستہ جستہ مولانا مودودی کی کتاب سے نقل کئے گئے ہیں فقہائے اسلام کے مختلف مذاہب کا فتویٰ یوں بیان کرتے ہیں:۔

---

[1] مولانا مودودی کے اعتراف کے مطابق ابن حزم بھی مزارعت اور کرائے کی تمام صورتوں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ دیکھئے مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۶۲ کا حاشیہ۔

[2] مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام۔ صفحہ ۲۳۴۔

Marfat.com

مذہب حنفی "مزارعت (یعنی بٹائی)۔۔۔ کا معاملہ حنفیہ میں مختلف فیہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے"۔ پھر مولانا مودودی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مزارعت کی جائز صورتیں بتاتے ہیں۔ جن کی تعداد چار ہے۔ اور پھر اسی معاملے کی ناجائز صورتیں بتاتے ہیں جن کی تعداد چھ ہے۔ گویا خود امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ جو مزارعت کو جائز سمجھتے ہیں اس کی کئی صورتوں کو ناجائز بتلاتے ہیں[۱]۔

مذہب حنبلی "حنابلہ کا مذہب اس معاملہ میں تقریباً وہی ہے جو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ تخم مالکِ زمین مہیا کرے[۲]"۔ گویا جواز یہاں بھی مشروط ہے۔ بعد کے حنبلیؒ علماء نے اس بیج کی شرط میں کچھ ترمیم کر دی۔ وہ یہ تھی کہ تخم کا مالکِ زمین کی طرف سے ہونا شرط نہیں ہے۔ در اصل شرط یہ ہے۔ کہ فریقین میں سے ہر ایک کچھ راس المال دے۔

مذہب مالکی "مالکیہ کے نزدیک مزارعت کی یہ صورت جائز نہیں ہے کہ ایک شخص زمین دے اور دوسرا تخم اور عمل اور آلات کے ساتھ شریک ہو۔ اور پیداوار کو دونوں فریق کسی طے شدہ تناسب کے مطابق آپس میں بانٹ لیں۔ اس کی بجائے مزارعت کی جو شکل وہ تجویز کرتے ہیں وہ یہ ہے، کہ زمین، عمل، اور آلاتِ زراعت میں سے ہر ایک کی ایک قیمت روپے یا اموالِ تجارت (باستثنار غلہ) کے حساب سے مشخص کی جائے، مثلاً یہ کہ زمین کو اتنی مدت تک استعمال کرنے کی قیمت پچاس روپے

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا مودودی کی "مسئلہ ملکیت زمین" صفحہ ۶۴، ۶۵۔ انکی تفصیل ایک تازہ عربی تصنیف "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" سے خصوصیت کے طور پر لی گئی ہے اس کتاب کو مولانا بہت پسند کرتا ہے وہ اس میں فقہ کے چاروں مذاہب کے احکام نہایت عمدہ ترتیب اور تفصیل کیساتھ انکی اصل کتابوں سے لیکر درج کئے گئے ہیں۔ جن صورتوں میں امام یوسفؒ اور امام محمدؒ مزارعت کو ناجائز سمجھتے ہیں ان میں آخری صورت یہ ہے "کہ کسی ایک فریق کا حصہ مقدار کی شکل میں (مثلاً ۵۰ من یا ۱۰۰ من) معین کیا جائے۔ یا نصف بٹائی کے حصے کے علاوہ ایک خاص مقدار غلہ زائد دے یا اس زمین کی پیداوار کے علاوہ کوئی اور جنس باہر سے فراہم کر کے دینے کی ذمہ داری کسی فریق پر ڈالے" اس کا تو مطلب ہے کہ مقاطعہ کو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ناجائز سمجھتے ہیں۔ [۲] ایضاً صفحہ ۶۵ -

Marfat.com

یا اتنے گز کپڑا ہے اور اس مدت کے دوران میں جو زراعت کا عمل اس پر کیا جائے گا۔ اس کی قیمت اتنے روپے یا اتنا کپڑا ہے اور اس مدت میں آلاتِ زراعت جن سے کام لیا جائیگا ان کے استعمال کی قیمت اس قدر ہے پھر جو فریق ان میں سے جس جس چیز کے ساتھ شریک ہوگا اس کے متعلق یہ قرار دیا جائیگا کہ وہ گویا اتنے سرمائے کے ساتھ اس مشترک کاروبار میں حصہ دار بن رہا ہے۔ مگر تخم لازماً دونوں فریق برابر برابر لائینگے اور جو کچھ منافع اس مشترک کاروبار سے حاصل ہوگا وہ اس سرمائے کی نسبت سے فریقین کے درمیان تقسیم ہو جائے گا جس کے ساتھ وہ شریک ہوئے ہیں[۵]۔"

مذہب شافعی "شافعیہ کے نزدیک بٹائی کی تمام صورتیں ناجائز ہیں خواہ بیج اور زمین مالک دے یا بیج اور عمل کاشتکار کا ہو . . . . اس کی بجائے صحیح صورت یہ ہے کہ یا تو مالک زمین کاشتکار کی خدمات ایک مقرر اجرت پر حاصل کرے اور کھیتی مالک کی ہو، یا پھر کاشتکار ایک مقرر اجرت پر مالک سے زمین لے لے . . . . شافعیہ کا کہنا ہے کہ احادیث میں مخابرۃ اور مزارعت کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس کا مطلب یہی ہے[۶]۔

حدیث و فقہ کی بحث کے نتائج جس طرح حدیث میں مزارعت کے جواز اور عدم جواز کے لئے انتہائی سندیں مل سکتی ہیں۔ بعینہ اسی طرح فقہا کے ہاں مزارعت کے معاملہ میں کوئی امکانی نقطۂ نظر ایسا نہیں ہے جس کے لئے سند موجود نہ ہو۔ مولانا مودودی فقہا کے تمام مذاہب کو واضح فرمانے کے بعد لکھتے ہیں :-

"زائد زمین کی کاشت دوسروں سے کرانے کی کیا صورت جائز ہے اور کیا ناجائز۔ اس میں تو ضرور مختلف مذاہب کے درمیان اختلاف ہے۔ مگر فقہ کے ہر مذہب میں کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور جائز ہے جس سے ایک آدمی اپنی زمین کی کاشت دوسرے سے کرا سکتا ہے" مولانا صحیح ارشاد فرماتے ہیں صرف ایک پہلو سے دوسرا پہلو ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ مزارعت کی جو بھی صورت کسی ایک مذہب میں جائز ہے اسے ناجائز بتانے والا دوسرا مذہب بھی اس کے قریب ہی موجود ہے۔

---

[۵] مولانا مودودی "مسئلہ ملکیت زمین" صفحہ ۶۵، ۶۶ ۔ [۶] ایضاً صفحہ ۶۶ ۔

Marfat.com

کیا ساری بحث بے مقصد ہے؟ بالکل نہیں۔ فقہا جو کچھ کہہ گئے ہیں مختلف ماحول اور حالات میں ہر ایک کا نقطہ نظر صائب ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے لئے مذہب بالِ و پر کی حیثیت رکھتا تھا۔ آج کل کے بعض علمائے دین کی طرح مذہب پاؤں کی زنجیر نہیں بن گیا تھا۔ اگر ان دلائل کے دفتر کو کھول کر جانچا جائے تو ہر ایک نقطہ نظر ایک خاص موقع کے لئے مناسبت رکھتا نظر آئے گا۔ اور سب کی خواہش معاشی انصاف کی واضح طور پر نظر آئے گی۔ لیکن ہمارے موجودہ مضمون میں اس کی گنجائش نہیں۔ ہمیں اس بحث سے صرف دو اہم نتائج اخذ کرنا ہے جن کے متعلق کسی قسم کا کوئی شبہ کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

پہلا نتیجہ اس بحث کا یہ ہے کہ جہاں بھی مزارعت کسی رنگ میں جائز کی گئی ہے وہاں اس کے ساتھ جواز کی حدود کی بڑی سختی سے وضاحت کر دی گئی ہے۔ آپ ذرا ان حدود سے پار جائیں تو مزارعت ناجائز ہو جاتی ہے۔ یہ حدود ہر مذہب میں مختلف ہیں کیونکہ ہر ایک کا ماحول مختلف ہے۔ اگر کوئی چیز مزارعت کے متعلق عمومی حیثیت سے متفق طور پر کہی گئی ہے تو وہ یہ کہ مزارعت مشروط طور پر جائز ہے۔ شرطوں اور قیدوں میں اختلاف ہے لیکن سب کا مقصد جھگڑوں کا سدباب کرنا اور معاشی انصاف قائم کرنا ہے۔

دوسرا نتیجہ جو اس سے اہم تر ہے یہ ہے کہ کوئی فقیہ آج تک ایسا نہیں ہوا جس نے یہ کہا ہو کہ بٹائی اور ٹھیکہ یا ان میں سے کوئی ایک مسلمانوں پر واجب ہے۔ حدیث کی بحث میں بھی ہم نے یہی دیکھا تھا کہ زیادہ سے زیادہ مزارعت کے جواز کی حدیثیں موجود ہیں وجوب کی حدیث ایک بھی نہیں۔ یہی صورت فقہا کے ہاں ہے۔ یہ صورت حال انتہائی حیرت انگیز بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ حیرت انگیز اس لئے کہ مزارعت کی فقہا نے بلامبالغہ بیسیوں قسمیں کی ہیں اور ان قسموں پر ان کی سینکڑوں رائیں ہر پہلو کی موجود ہیں لیکن اگر نہیں موجود تو یہ ایک رائے کہ مزارعت مسلمانوں پر لازم ہے یا واجب ہے یا اگر وہ مزارعت چھوڑنا چاہیں تو انہیں اپنے مذہب سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اور سبق آموز اس لئے کہ باوجود اس کے کہ موجودہ زرعی نظام کی تاکید نہ قرآن میں ملی نہ حدیث میں ملی نہ فقہا کے ہاں ہی کہیں کوئی ایک رائے یا ایک اشارہ تک اس زرعی نظام کو لازم قرار دینے کے لئے موجود نہیں تاہم ہمارے

Marfat.com

بعض علما نے کتابیں لکھ دی ہیں کہ اگر زرعی نظام بدل گیا تو یہ اسلام کو پس پشت ڈالنے کے برابر ہو گا! . . . .

موجودہ زرعی نظام کی وجوب کے مدعی علما کی بنیادی دلیل

سوال یہ ہے کہ وہ علما جو عملاً موجودہ زرعی نظام میں کوئی نتیجہ خیز تبدیلی نہیں ہونے دینا چاہتے اور جو موجودہ زمینداری نظام معمولی ترمیموں کے ساتھ قائم رکھنا چاہتے ہیں، وہ اپنے دعویٰ کی دلیل کیا دیتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ مثبت دلائل بعض قرآن حکیم کی آیات سے دیتے ہیں جنھیں ہم پچھلے باب میں جانچ چکے ہیں اور جو قطعی طور پر موجودہ زرعی نظام کو بدلنے سے نہیں روکتیں۔ حدیث کے معاملے میں زور بیان کا بیشتر حصہ عدم جواز والی روایات کے محدود الطلاق کو دکھانے پر صرف ہوا ہے جسے ہم مانتے ہیں لیکن اس سے موجودہ زرعی نظام کا وجوب تو ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے بعد وہ عقلی دلائل پر اتر آتے ہیں، لیکن یہ دلائل ہم ان سے زیادہ زرعی معاشیات کے ماہروں سے سننا چاہتے ہیں اور ان کی رائیں ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں لکھ چکے ہیں۔ البتہ ایک چیز دلیل کے طور پر اب بھی بچتی ہے جس پر مولانا مودودی صاحب خاص زور دیتے ہیں اور مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب بھی بظاہر اسے مانتے ہیں کہ حکومت کسی کی زمین قیمتاً بھی اس کی مرضی کے خلاف خرید نہیں سکتی۔

بظاہر یہ دعویٰ بڑا عجیب نظر آتا ہے، کیونکہ حکومتیں بہر حال قومی تقاضوں کے پیش نظر دنیا کے ہر حصہ میں جائداد و زمین مختلف ضروریات سے خریدتی رہی ہیں، اور اگر یہ گناہ ہے تو اس گناہ کی مرتکب ہر دور کی اسلامی حکومتیں بھی ہوئی ہیں۔

اس نقطہ نظر کو اگر واقعی تسلیم کر لیا جائے تو غالباً حکومت کے فرائض سرانجام دینا بے انتہا دشوار ہو جائے۔ حکومت ایک سڑک تعمیر کرنا چاہتی ہے یا ریل کی پٹڑی بچھانا چاہتی ہے۔ لیکن کوئی ایک سرپھیرا جن کی زمین کا حاصل کیا جانا اس سڑک یا اس پٹڑی کے بچھانے کے لیے ضروری ہو اعلان فرما دیتے ہیں کہ ان کی مرضی زمین بیچنے کی نہیں، آپ لاکھ سمجھائیں کہ قومی ضروریات بڑی اہم ہوتی ہیں آپ لاکھ زمین کی قیمت کی ادائیگی کی پیشکش کریں لیکن وہ ایک نہ کہہ کر مولانا مودودی کے ارشاد کے مطابق خلیفہ وقت کو مجبور کر سکتا

Marfat.com

ہے کہ اگر اس کی زمین کا ٹکڑا اس سڑک کے لئے ضروری ہے تو پھر اس سڑک کی تعمیر کو ترک کر دیا جائے! کوئی حکومت افراد کو اس بے راہ روی کی اجازت نہیں دے سکتی! اور کوئی مذہب ایسی تلقین نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ اسلام ایسا کہے جو فرد اور جماعت دونوں کے حقوق و فرائض میں وہ وزن قائم رکھتا ہے جس سے بہتر صورت آج تک دنیا پیش نہیں کر سکی۔

مولانا مودودی کا نقطۂ نظر تو بہر حال یہی ہے کہ اسلام ایسے قوانین بنانے کی اجازت نہیں دیتا جس کے ذریعہ سے کسی شخص یا گروہ کو اپنی ملکیت حکومت کے ہاتھ بیچنے پر مجبور کیا جا سکے۔ (مسئلۂ ملکیت زمین صفحہ ۷۰)

اور مرزا صاحب کا نقطۂ نظر بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح موجودہ صورتِ حال میں کوئی بڑی تبدیلی نہ کی جائے: ملاحظہ فرمائیے ان کے ارشادات :-

میری غرض ان حوالوں کو نقل کرنے سے یہ ہے کہ ہر مسلمان جو نسلاً کسی زمین کا وارث چلا آ رہا ہے اور اس پر اس کا قبضہ ہے یا جس نے وہ زمین خریدی ہے یا جس کو وہ زمین ہبہ میں ملی ہے یا جس نے کسی اُفتادہ زمین پر کہ جو کسی کی ملکیت نہیں تھی قبضہ کر لیا ہے اسلامی شریعت کی رو سے وہ شخص اس کا مالک تصور کیا جائے گا . . . . . ہاں اگر ان چار ذرائع کے سوا کسی اور ناجائز ذریعے سے کسی نے کوئی زمین دبا لی ہو تو حکومت کا حق ہے کہ اس کو واپس لے لے لیکن اوپر کے بیان کردہ چار ذرائع کے لحاظ سے اگر کوئی شخص کسی زمین کا مالک ہے تو یہ کہہ کر کہ زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اس پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔[1]

اصل بحث سے گریز اس باب میں بھی قائم رہتا ہے جس کا عنوان ہی یہ ہے کیا حکومت کسی کے مال پر جس میں زمین شامل ہے جبراً قبضہ کر سکتی ہے؟ خیال ہوتا ہے کہ شاید مرزا صاحب یہاں تو بتائیں گے کہ اسلام بغیر قیمت کی ادائیگی کے زمین لینے کی اجازت نہیں دیتا اور قیمت ادا کر کے حکومت ایسا کر سکتی ہے لیکن کوئی نامعلوم مصلحت ان کو یہ صاف بات

---

[1] مرزا بشیر الدین محمود احمد "اسلام اور ملکیت زمین" صفحہ ۵۶، غلط بحث کسی حد تک یہاں بھی موجود ہے سوال یہ ہے کہ حکومت قیمت ادا کر کے زمین پر قبضہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ انتہائی احتیاط سے مرزا صاحب اس کا جواب دینے سے گریز کرتے ہیں اور صرف وہ بات کہتے ہیں جس سے پڑھنے والا یہ سمجھے کہ حکومت کسی زمین کو کسی شکل میں حاصل نہیں کر سکتی!

Marfat.com

کہنے سے روک دیتی ہے اس کی بجائے وُہ یہ لکھتے ہیں :۔

"آج کل بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بے شک ایک انسان اس قدر زمین کا مالک بھی ہو سکتا ہے جس کو وُہ خود کاشت نہ کر سکتا ہو اور مقاطعہ پر بھی دے سکتا ہے لیکن اگر کسی وقت حکومت مصلحتِ ملکی کے مطابق چاہے تو اس سے وُہ زمین ضبط بھی کر سکتی ہے لیکن یہ بات درست نہیں[1]"۔

اس کی وُہ سندیں بھی دیتے ہیں۔ ایک تو حدیث ہے کہ "جو شخص کسی زمین پر زمین کے مالک کی اجازت کے بغیر کاشت کرے اس کو فصل کا کوئی حصّہ نہیں ملے گا۔ صرف اس کا جو خرچ ہے وُہ اس کو دلوایا جائے گا[2]"۔

اسی طرح سعد بن زید سے روایت ہے کہ "جو شخص کسی کی زمین بغیر حق کے لے لے تو سات زمینوں کا طوق اس کی گردن پر ڈالا جائیگا[3]"۔

لیکن مسئلہ زیرِ بحث تو فقط یہ ہے کہ کیا حکومت زمینداروں سے ان کی مرضی کے باوجود زمینیں خرید سکتی ہے یا نہیں اس کا مرزا صاحب کی سندوں میں بھی کوئی جواب نہیں۔ یہ کسی غیر کا زمین کے مالک کی اجازت کے بغیر کاشت کرنے کا مسئلہ نہیں ہے نہ بغیر حق کے کسی کی زمین لینے کا سوال ہے۔ یہاں تو انسانوں کے مجموعی مفاد کے پیشِ نظر زمینداروں سے ان کی زمینیں لینا ہے۔ کیا اسلام اجازت دیتا ہے کہ ان کی خواہش کے خلاف حکومت قیمت ادا کر کے ایسا کرے ؟

حکومت زمینیں حاصل کر سکتی ہے

چونکہ اس دو ٹوک سوال کا جواب دینے سے مرزا صاحب گریز کرتے ہیں اس لئے ہمیں خود دیکھنا پڑے گا کہ کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں یا خلفاء کرامؓ کے زمانوں میں حکومت نے زمینیں حاصل کرنے کا اختیار استعمال کیا ہے یا نہیں، اور اس سلسلے میں فقہا کا نقطۂ نظر کیا ہے۔

رسولِ اکرمؐ کی زندگی میں جبری خرید کا معاملہ بخاری میں یوں بیان کیا گیا ہے :۔

---

[1] مرزا بشیر الدین محمود احمد: "اسلام اور ملکیت زمین" صفحہ ۹۶ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۹ بحوالہ ابو داؤد۔
[3] ایضاً، صفحہ ۹۷ بحوالہ کتاب الخراج ۔

Marfat.com

"نبی کریمؐ نے یہودیوں کو اپنی زمینیں بیچ ڈالنے کا حکم دیا جب کہ آپ نے انھیں مدینے سے نکالا اس کے راویوں میں ابو ہریرہؓ کے تحت مقبری ہیں[۱]۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ معاملہ یہودیوں سے ہوا اس لئے اس کا اطلاق مسلمانوں پر نہیں ہو سکتا، تو سیدھا جواب یہ ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بٹائی کا معاملہ یہودیوں سے کرتے ہیں تو اسے تو آپ مزارعت کے جواز کی بنیادی دلیل بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر بٹائی ناجائز ہوتی تو رسول کریم یہ معاملہ غیر مسلموں سے بھی نہ کرتے۔ اسی دلیل کا اطلاق یہاں بھی فرمایئے اگر جبراً زمین خریدنا اور بیچنے پر مجبور کرنا ناجائز چیز ہوتی تو رسول کریمؐ کبھی یہودیوں کو ان کی زمینیں بیچنے کا حکم نہ دیتے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قومی مصلحتوں کے پیش نظر یہودیوں کو حجاز سے نکالنے کا فیصلہ کیا تو اس وقت انھیں اپنی زمینیں اسی طرح بیچنی پڑیں جیسے رسول کریمؐ کے زمانے میں مدینے کے یہودیوں کو بیچنی پڑیں تھیں۔ ماوردی لکھتے ہیں:-

"حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں جب ذمیوں کو حجاز سے جلا وطن کیا تو فدک سے بھی انھیں نکال دیا، اور فدک کی قیمت لگا کر آدھی قیمت یعنی ساٹھ ہزار درہم ان کے حوالے کر دیئے، قیمت لگانے والے مالک بن تیہان، سہل بن حیثمہ اور زید بن ثابت تھے[۲]"

یہی صورت حضرت عمرؓ کے زمانے میں وادی القریٰ کے یہودیوں کو درپیش ہوئی۔ یعنی حکومت نے جبراً ان کی زمینیں خرید کر انھیں جلا وطن کر دیا۔ امام ماوردی کہتے ہیں کہ:-

حضرت عمرؓ نے وادی القریٰ کے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا اور ان کی زمین کی قیمت لگا کر جو نو ہزار دینار ہوتی تھی ان کے حوالے کر دی[۳]"

اسی صورت سے نجران کے یہودیوں کو بھی سابقہ پڑا۔ مؤرخ بلاذری لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل نجران کو جلا وطن کرنے سے پیشتر ان کی

---

[۱] بخاری کتاب البیوع ۔ [۲] محمد یوسف الدین ۔ اسلام کے معاشی نظریے ۔ جلد اول صفحہ ۳۰۶ بحوالہ ماوردی احکام السلطانیہ باب ۱۴ ص ۱۶۲ ۔
[۳] ایضاً صفحہ ۳۰۷ ۔ بحوالہ احکام السلطانیہ ماوردی صفحہ ۱۶۲ ۔

Marfat.com

جائدادیں اور ان کے اموال خرید لئے۔[1] گویا حکومت نے جبراً جائداد خریدی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف یہودیوں سے ہی زمینیں نہیں خریدیں بلکہ فلاح عامہ کی خاطر مسلمانوں سے بھی خریدی تھیں۔ مثال کے طور پر حضرت عمرؓ نے جریر بن عبداللہ البجلیؓ اور ان کے قبیلہ سے معاہدہ کیا تھا کہ اگر وہ عراق کی فتح میں مدد دیں تو ان کو چوتھائی حصہ دیا جائیگا۔ "جنگ قادسیہ میں قبیلہ بجیلہ کل فوج کا چوتھائی حصہ تھا اس وجہ سے حضرت عمرؓ نے بجیلہ کے لئے سواد کا چوتھا حصہ مقرر کیا تھا اور وہ ان کے ہاتھ میں دو یا تین برس رہا۔ عمار بن یاسرؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور ان کے ساتھ جریرؓ بن عبداللہ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے جریر بن عبداللہؓ سے مخاطب ہو کر کہا: کہ اے جریرؓ! اگر میں ذمہ دار تقسیم کرنے والا نہ ہوتا، تو جو کچھ میں دے چکا ہوں اس پر قائم رہتا۔ لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے، تو اب میری یہ رائے ہے۔ کہ تم اس کو واپس کردو۔ غرض جریرؓ نے واپس کر دیا اور حضرت عمرؓ نے اسی دینار (بطور انعام) عطا کئے۔"[2] اور ایک روایت ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ سے سواد کا چوتھائی حصہ لے لیا اور ان کے لئے دو ہزار درہم وظیفہ مقرر کر کے ان سے سمجھوتہ کر لیا۔"[3]

سواد کا اس قیمت پر لیا جانا ظاہر ہے کہ جبر کے سوا ممکن نہیں ہوا ہوگا۔ ذیل سولہ کے رقبے کے متعلق امام ماوردی کا یہ بیان ہے: "سواد طول میں موصل جدید سے عبادان تک اور عرض میں عذیب قادسیہ سے حلوان تک کا رقبہ بائیس کروڑ پچاس لاکھ جریب ہوتا ہے۔"[4] کوئی شخص پانچ چھ کروڑ جریب رقبہ اسی دینار پر خوشی سے نہیں بیچ سکتا اور نہ دو ہزار درہم وظیفہ پر ایسا کر سکتا ہے!

---

[1] محمد یوسف الدین: "اسلام کے معاشی نظریئے" جلد اوّل صفحہ ۳۰۷ بحوالہ فتوح البلدان صفحہ ۶۶ صلح نجران

[2] ایضاً " " بحوالہ کتاب الاموال صفحہ ۶۱

[3] " " " بحوالہ فتوح البلدان صفحہ ۲۶۸

[4] " " صفحہ ۳۱۶: بحوالہ الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۶۵

Marfat.com

ڈاکٹر یوسف الدین اراضی کی ان خریداری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حکومت کی جانب سے اراضی کی خرید کی گویا یہ قدیم نظیریں ہیں بایں ہمہ انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا میں ناواقفیت کی بنا پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکومت کی جانب سے اراضی کے خرید لینے کے طریقے کو ایک جرمن گوسن نے پیش کیا بعد ازاں ایک فرانسیسی پروفیسر سیان ٹرائس نے اس کو از سر نو دریافت کیا"[1] - اس مقالہ نویس کو یہ معلوم نہیں کہ ابھی جرمن جنگلوں سے باہر نہیں نکلے تھے جب اُمّی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قومی مقاصد کے لئے اراضی خرید لیں۔

گذشتہ دنوں مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے ایک سلسلہ مضامین اس موضوع پر ایک روزنامے میں لکھا اور ایک بڑی قطعی قسم کی نظیر حکومت کی جبری خرید کی اُنھوں نے بیان کی۔ ہم اسے انھیں کے الفاظ میں دہرا دیتے ہیں "مودودی صاحب نے انفرادی ملکیت کو اللہ تعالیٰ کی ناقابلِ تنسیخ آیت قرار دینے کے جوش میں یہ بھی لکھ دیا ہے۔ کہ: اسلام ایسے قوانین بنانے کی اجازت نہیں دیتا جن کے ذریعے سے کسی شخص یا گروہ کو اپنی ملکیت حکومت کے ہاتھ بیچنے پر مجبور کیا جا سکے؟

"مودودی صاحب کے ان الفاظ نے جو بڑی تحدی کے ساتھ ادا کئے گئے ہیں اس خاکسار کا ذہن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے ان اقدامات کی جانب مبذول کر دیا جن کے رُو سے انھوں نے حرم کعبہ کی توسیع کے لئے لوگوں کی جائدادیں حکماً خرید لی تھیں۔ تواریخ شاہد ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ملت کی اجتماعی ضرورت کے لئے بیت اللہ شریف یعنی خانہ کعبہ کے مطاف کو وسیع تر کرنے کی ضرورت محسوس کی تو آپ نے لوگوں کے وہ مکانات خرید لئے جو مطاف سے ملحق تھے بعض اشخاص نے برضا ورغبت اپنے مکان سٹیٹ کے ہاتھ فروخت کر دیئے جو لوگ ایسا کرنے پر رضامند نہ ہوئے ان کے مکانوں پر خلیفہ راشدؓ نے سٹیٹ کو حکماً قبضہ دلا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کام کو جاری رکھا اور جن لوگوں نے

---

[1] محمد یوسف الدین۔ اسلام کے معاشی نظریئے۔ جلد اوّل صفحہ ۳۱۶ بحوالہ احکام السلطانیہ صفحہ ۳۰۸

Marfat.com

اپنی جائداد یں سٹیٹ کے ہاتھ فروخت کرنے سے انکار کیا اور قبضہ دینے کے حکم کی مزاحمت کی انھیں تیسرے خلیفہ راشدؓ نے حراست میں لے کر قید کر دیا اور ان کے مکانوں پر سٹیٹ کو قبضہ دلا کر حرم کعبہ کی توسیع کرادی بعض مالکوں نے تو طوعاً اور کرہاً طے شدہ قیمتیں بیت المال سے لے لیں لیکن بعض نے احتجاجاً قیمیں لینے سے انکار کر دیا ان کی رقوم ان کے ناموں پر اس وقت تک بیت المال میں جمع رہیں جب تک کہ ان کا غصہ فرو نہ ہوا اور انھوں نے خود آکر وصول نہ کرلیں۔ یہ واقعہ ۲۶ھ کا ہے اور جملہ مورخین اسلام نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے[۱]۔"

لہٰذا اس چیز کی واضح نظیریں موجود ہیں کہ حکومت جب چاہے کسی شخص یا گروہ کی املاک ان کی قیمت معین کر کے خرید سکتی ہے اور مالک یا مالکوں کی خواہشات اس معاملے میں حکومت پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتیں صرف افسوس اس چیز کا ہے کہ ایسی واضح باتوں کے لئے بھی نظیر پیش کرنی پڑتی ہے۔

یہ تو تھیں قیمت کی ادائیگی کے بعد حکومت کے جبری قبضہ کی نظیریں۔ کم از کم ایک نظیر بغیر قیمت کی ادائیگی کے حکومت کے قبضے کی بھی موجود ہے۔ چونکہ اس صورت میں جس زمین پر حکومت نے قبضہ کیا وہ ایک جاگیر کا ملبہ تھی، لہٰذا اسلامی قانون بغیر کسی قیمت کی ادائیگی کے جاگیروں کا قبضہ کرنے کا اختیار حکومت کو دیتا ہے بشرطیکہ وہ جاگیر بسائی نہ گئی ہو۔

صورت یہ تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا ٹکڑا جاگیر کا حضرت بلالؓ بن حارث مزنی کو عطا فرمایا تھا۔ یہ جاگیر اتنی بڑی تھی کہ حضرت بلالؓ اس کے بیشتر حصے کو آباد نہ کر سکے۔ جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو بقول امام ابو یوسف کے "حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ کانوں کو چھوڑ کر ان سے ساری زمین واپس لے لی جائے[۲]۔" چونکہ اس بیان میں "راضی کر لیا" کے الفاظ آتے ہیں۔ لہٰذا مرزا بشیر الدین

---

[۱] مولانا مرتضیٰ احمد میکش کا مقالہ "کیا اسلام معاشی اور زرعی اصلاحات کا مخالف ہے" مطبوعہ زمیندار جون ۱۹۵۲ء۔ [۲] کتاب الخراج صفحہ ۳۵۔

Marfat.com

محمود احمد صاحب نے اسے اپنی دلیل بنا لیا ہے۔ اور ارشاد فرماتے ہیں: "اس حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرگز بلالؓ سے زمین نہیں چھینی۔ پس اول تو اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ حکومت اپنے ہدیہ کو تو واپس لے سکتی ہے درست نہیں دوسرے اس حدیث سے ثابت ہے کہ بلالؓ نے اپنی مرضی سے یہ زمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی نہ کہ کسی جبر یا قانون کے تحت[1]"

یہ سب نتیجے مرزا صاحب روایت میں "راضی کر لیا" کی ترکیب سے اخذ کرتے، کیونکہ حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کو زمین دینے پر راضی کر لیا (بغیر قیمت ادا کرنے کے) لہٰذا کو حکومت کسی سے کوئی ٹکڑا "راضی" کئے بغیر نہیں لے سکتی۔ امام یوسف نے یہ نہیں بتایا کہ حضرت عمرؓ کے پاس راضی کرنے کا وہ کونسا نسخہ تھا جس سے بلالؓ بغیر قیمت وصول کئے زمین دینے پر راضی ہو گئے تھے لیکن ابی عبید نے کتاب الاموال میں یہ راز بھی بتا دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کو بلوایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو اس لئے جاگیر دی تھی کہ اس کو کام میں لاؤ اور فائدہ اٹھاؤ مگر اتنے بڑے حصہ اراضی کو تم کام میں لانے سے معذور رہو۔ لہٰذا بقدر ضرورت رکھ لو اور باقی واپس کر دو تاکہ میں حاجتمند مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔ بلالؓ بن حارث نے جواب دیا:-

لا افعل واللہ شیئاً اقطعنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عمرؓ واللہ لتفعلن فاخذ منہا ما عجز عن عمارتہ فقسمہ بین المسلمین۔	خدا کی قسم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی جاگیر میں سے کوئی حصہ ہرگز نہیں دوں گا حضرت عمرؓ نے کہا، خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہی پڑے گا اور جس قدر اراضی کو وہ کام میں لانے سے عاجز تھے اس کو حضرت عمرؓ نے ان سے واپس لے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا[2]

معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت بلالؓ نے محسوس کیا کہ حضرت عمرؓ بہر حال زمین لے

---

[1] مرزا بشیر الدین محمود احمد: اسلام اور ملکیت زمین۔ صفحہ ۱۴۷۔

[2] کتاب الاموال لابی عبید۔ صفحہ ۲۹۰۔

Marfat.com

لیں گے تو اُنھوں نے درخواست کی کہ کانیں میرے پاس چھوڑ دی جائیں اور حضرت عمرؓ نے اس چیز کے پیش نظر کہ فوری طور پر انھیں صرف زرعی زمین کی ضرورت تھی اور اس خیال سے کہ حضرت بلالؓ راضی ہو جائینگے وُہ کانیں ان کے پاس رہنے دیں یہ رضا مجبوری کی رضا تھی ورنہ کوئی شخص اپنی زمین بغیر معاوضہ چھینے جانے پر راضی نہیں ہوسکتا! اس کا ثبوت علاوہ ابی عبید کی مندرجہ بالا واضح روایت کے خود وُہ اصل عربی ترکیب ہے۔ جس کا ترجمہ ہم اب تک "راضی کرلیا" کرتے رہے ہیں۔ امام ابو یوسف کی روایت میں یہ ترکیب خطیب لہٗ ہے۔ طیب مجہول کا صیغہ ہے یعنی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود "راضی" نہیں ہوئے بلکہ "راضی کئے گئے"۔

لٰہذا مرزا صاحب کے دونوں استدلال کے کہ بلالؓ سے زمین چھینی نہیں گئی لٰہذا حکومت کسی سے زمین جبراً نہیں لے سکتی غلط ہیں۔ بلالؓ سے جبراً زمین لی گئی۔ اور معاوضہ بھی نہیں دیا گیا۔ لٰہذا حکومت جب چاہے اپنے عطیے کو بلا معاوضہ واپس لے سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے اقدام سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے پاس تو حضرت عمرؓ کے اقدامات کی نظیریں موجود ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس وُہ کونسی نظیریں تھیں جن کی بنا پر اُنھوں نے یہ جرأت کی کہ خود رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ جاگیر بحق حکومت ضبط کرلیں؟ ظاہر ہے کہ ان کے سامنے ایسی کوئی نظیر نہ تھی۔ حضرت عمر خوش قسمت تھے، کہ ان کے عہد میں نہ مرزا بشیر الدین محمود احمد موجود تھے اور نہ مولانا مودودی ورنہ وُہ بار بار کہتے کہ کسی شخص یا گروہ سے جبراً زمین نہیں لی جاسکتی اور حضرت عمرؓ مجبور ہو جاتے کیونکہ ان کے پاس تو نظیر ہی کوئی نہ تھی جس سے کوئی زمین بلا معاوضہ جبراً کسی شخص سے لی گئی ہو۔ اور پھر اگر دینے والے خود رسولِ مقبولؐ ہوں اور لینے والے حضرت بلالؓ ہوں اور خلیفۂ وقت جبراً اس چیز کو واپس لینا چاہیں تو اندازہ کیجئے کہ ہمارے یہ علما کیا نہ کہتے اور کیا نہ کہتے: جبکہ اس زمانے میں وہ نظیروں کی موجودگی کے باوجود

Marfat.com

ایک ایک کتاب جبراً زمینوں کے خرید لئے جانے کے خلاف لکھ چکے ہیں۔ حالانکہ زمینیں رسولِ کریم کے پاکیزہ ہاتھوں کا عطیہ نہیں ہیں اور جن لوگوں سے خریدی جانی ہیں جبراً چھینی جانی نہیں مقصود ہیں ان کے کردار اور بلالؓ بن حارث کے کردار میں چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک کا مضمون ہے!!

اس واقعے سے جو سبق ہمیں سیکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ نظیر پہ اصرار کرنا انتہائی تنگ نظری کی دلیل ہے۔ ہر ماحول مختلف مسائل ہمارے سامنے لاتا ہے اور انھیں ہمیں اسلام کی روح کے مطابق حل کرنا ہوتا ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت جو حل ہمیں مقصود ہے اس کی نظیریں موجود ہیں لیکن اگر یہ نظیریں نہ ہوتیں تو کیا یہ حل غلط ہو جاتا؟ ممکن ہے مستقبل قریب یا بعید میں بعض ایسے مسائل ہمیں حل کرنا پڑیں جن کے لئے کوئی نظیر موجود نہیں تو کیا ہم ان مسائل کے حل کرنے سے پہلو تہی کرسکیں گے؟ اس وقت ہمیں حضرت عمرؓ کا یہ اقدام یاد رکھنا چاہیئے کہ جو چیز فلاحِ عامہ کے لئے مفید ہو قوم اور حکومت اسے کرنے کا اختیار رکھتی ہے خواہ اس کے لئے نظیر ہو یا نہ ہو اور جب تک کوئی نصی مناہی موجود نہ ہو کوئی وادی اور کوئی صحرا ہمارے لئے اجنبی نہیں ہونا چاہیئے ورنہ ہم اپنی کم بصری کی وجہ سے اسلام کے وسیع سمندر کو ایک گندے پانی کا جوہڑ بنا ڈالینگے!

اسلام میں قومی ملکیت کا تصور ناپید نہیں

مولانا مودودی نے اپنی کتاب کے آخر میں بعض حدود معین کردیئے ہیں جنھیں نظرانداز کرنا ان کے نزدیک اسلامی قانون کو پسِ پشت ڈالنا ہے۔ ان کے خیال میں اسلامی قانون جن اصلاحات کی اجازت دیتا ہے انھیں ان چار حدوں کا خیال رکھنا چاہیئے: (۱) قومی ملکیت کی نفی۔ (۲) تقسیمِ دولت میں مساوات کی نفی۔ (۳) جائز حقوقِ ملکیت کی حرمت (۴) من مانی قیود کا عدمِ جواز۔

آخری تین حدود میں تو ہم بھی ان سے اتفاق کرتے ہیں۔ تقسیمِ دولت میں انصاف تو سب چاہتے ہیں لیکن برابری نہ کوئی چاہتا ہے نہ کسی ملک میں موجود ہے اور نہ لمبے عرصے تک کہیں اس کا قائم رہنا ممکن ہے۔ جائز حقوقِ ملکیت کی حرمت ہم تسلیم کرتے ہیں اور

Marfat.com

جس کی زمین کا خریدا جانا قومی مفاد میں ہو اسے معاوضہ ادا کرنے کے حق میں ہیں۔ من مانی قیود قطعاً ناجائز ہیں۔ اگرچہ عملاً مولانا مودودی اپنے اس اصول پر خود عمل نہیں کرتے اور ایسی چیزوں کا اسلام کے نام پر فتویٰ دے دیتے ہیں جن سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہوتا اس کی واضح مثال ان کی پہلی حد ہے کہ اسلامی قانون قومی ملکیت کی نفی کرتا ہے۔ حالانکہ اسلامی قانون ہرگز اس تنگ نظری کا مرتکب نہیں ہے۔

اسلامی قانون کی تاریخ میں سب سے پہلے قومی ملکیت کا اثبات خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پہلی زمین جسے حضورؐ نے قومی مقاصد کے لئے مخصوص فرمایا بنو نضیر کی املاک تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بنو نضیر کے اموال اس قسم میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو بغیر جنگ کے دلائے تھے مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور سوار نہ دوڑائے تھے۔ (یعنی جنگ کی نوبت نہ آئی تھی) پس وہ مال خاص کر نبی کریم نے لے لیا اور آپ اس میں سے ایک سال کا خرچ اپنے گھر والوں کو دے دیتے تھے۔ اس کے بعد جو باقی رہتا تھا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں میں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے خرچ کرتے تھے۔[1]

یہ تمام اخراجات قومی نوعیت کے ہیں۔ خود حضور کا ایک سال کا خرچ اپنے گھر والوں کو دینا بھی قومی نوعیت رکھتا ہے کیونکہ حضورؐ قوم کے سربراہ تھے۔ رسولؐ کی ملکیت حضورؐ کی نجی ملکیت نہ تھی بلکہ ایسی چیز تھی جسے آجکل کی اصطلاح میں قومی ملکیت کہینگے۔

ہجرت کے ساتویں سال کے شروع میں خیبر کا زرخیز علاقہ اور اس کے نخلستان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آ گئے "رسول اللہ نے خیبر کے چھتیس حصے فرمائے۔ اٹھارہ حصے ان حقوق و ضروریات کے لئے تھے جو آپ پر واجب تھیں اور اسی میں ان مہمانوں اور وفدوں کے مصارف تھے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور باقی اٹھارہ حصے اس طرح تقسیم فرمائے کہ ہر حصہ میں سو آدمی شریک تھے . . . . انہی میں ایک حصہ عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ کا بھی تھا اور باقی اٹھارہ حصے مہمانوں اور سفارتوں کے اخراجات اور ان ضرورتوں کے لئے مخصوص فرما دیئے جو آپ کو لاحق ہوتی تھیں۔[2]

---

[1] بخاری کتاب الجہاد۔ [2] بلاذری، فتوح البلدان صفحہ ۲۹ خیبر۔

Marfat.com

گویا خیبر کی نصف زمین قومی مقاصد کے لئے قومی ملکیت بنا دی گئی اور نصف غزوہ کے شرکاء میں تقسیم کی گئی۔ نجی اور قومی ملکیت کا فرق یہاں قطعاً واضح ہو گیا ہے۔ حضورؐ کی نجی ملکیت میں زمین کا ایک ٹکڑا آیا جو باقی مسلمانوں کے ٹکڑوں کے برابر تھا لیکن نصف زمین پر آپ کا قبضہ ہیڈ آف دی سٹیٹ کی حیثیت سے رہا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ تصور عہد صدیقی میں بھی نظر آتا ہے۔ مرتدین جب مغلوب ہو گئے تو ان کی زمینیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قومی ملکیت بنا دیں۔ مورخ طبری کا بیان ہے کہ: "جب مرتدین مغلوب ہوئے اور ان کا فتنہ خود ان کے لئے تباہ کن ثابت ہوا اور امن وامان قائم ہوا تو بنو ثعلبہ اس علاقے کے قدیم متوطن پھر بسنے کے لئے وہاں آئے مگر ان کو قابضوں نے اس ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مدینہ آئے اور پوچھا کہ: ہم کو کیوں اپنی زمینوں میں آباد ہونے سے روکا گیا؛ حضرت ابوبکر نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو اس علاقے پر تمہاری ملکیت باقی نہیں رہی یہ علاقہ اب میری ملک اور زیر تصرف ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے انکی درخواست نہیں مانی اور بنو ثعلبہ کے برخلاف انھوں نے ابرق کو مسلمانوں کے گھوڑوں کی چراگاہ بنا دیا اس کے بعد پھر اس تمام علاقہ کو اسی جنگ کی وجہ سے جو منکرین زکوٰۃ اور مسلمانوں میں ہوئی ابوبکر نے زکوٰۃ کے جانوروں کی چراگاہ بنا دیا اور اس طرح ان چراگاہوں کو اوروں کے لئے محفوظ اور ممنوع قرار دیا۔"[1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تو سالم کے سالم ملک قومی ملکیت میں منتقل کر دئے گئے امام ابو یوسف نے اس بحث اور شورہ کی تفصیل دی ہے۔ جس کے بعد عراق کو حضرت عمرؓ نے بیت المال کی ملکیت قرار دیا اور فوجیوں میں تقسیم نہ کیا۔ فتح کے بعد لوگوں نے مطالبہ کیا کہ زمین تقسیم کر دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ زمین شاملین جہاد کے ساتھ تقسیم کر دی جائے اور اس میں وراثت جاری ہو تو بعد میں آنے والے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا" مشورہ کے لئے بہت سے صحابہ کرام موجود تھے۔ ان سے خطاب کرتے

---

[1] طبری عہد خلافت راشدہ ۱۱ھ کے واقعات۔

Marfat.com

ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا: "آپ کے پاس خُدا کی حق گو کتاب ہے اگر مَیں کوئی ایسی بات کہوں جس کو میں کرنا چاہتا ہوں تو اس سے میرا مقصد صرف حق ہوگا۔ ان لوگوں نے کہا "اے امیر المؤمنین! فرمائیے ہم سنیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ لوگوں نے ان لوگوں کی بات سنائی جو خیال کرتے ہیں کہ میں ان کے حقوق کو چھین لینا چاہتا ہوں اور مَیں خُدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ مَیں ظلم کا ارتکاب کروں۔ اگر مَیں ان سے کوئی ایسی چیز چھین لوں جو ان کی ہو اور اس کو دوسروں کو دے دوں تو میں بدبخت ہوں گا۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ کسریٰ کی سرزمین کی فتح کے بعد اگر تمام مال و جائداد اور وطن داروں کو مالِ غنیمت سمجھ کر تقسیم کر دیا جائے اور خمس کو میں اس کے مصارف میں صرف کر دوں تو کوئی دوسرا ملک فتح نہ ہو سکے گا۔ میری یہ رائے ہے کہ مَیں تمام اراضی کو وطن داروں کے ساتھ وقف قرار دوں اور ان زمینوں پر خراج اور ان کے سروں پر جزیہ عائد کر دوں۔ تاکہ وہ فوجیوں، چھوٹے بچوں اور ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کے لئے فئے ہو۔ کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ ان سرحدوں کی حفاظت کے لئے بہت سے اشخاص کی ضرورت ہے جو وہاں جمع رہیں کیا آپ لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان بڑے بڑے شہروں جیسے شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر کے لئے یہ ضروری ہے کہ فوجوں کے ذریعے ان کی حفاظت کی جائے اور ان کو گذارے (وظائف) دیئے جائیں پھر اگر زمین اور وطن دار تقسیم کر دیئے جائیں تو پھر انھیں کہاں سے گذارہ دیا جائے گا۔

غرض ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہی کی رائے ٹھیک ہے[۱] ......"

اور یوں عراق بجائے فوجیوں میں تقسیم ہونے کے بیت المال کی ملکیت بن گیا اسی طرح شام اور مصر کی اراضی قوم کی مشترک جائداد بنا دی گئی۔ یہ واقعات ہر شخص جسے اسلامی تاریخ سے کوئی تعلق ہو جانتا ہے اور یقیناً مولانا مودودی اِن سے

---

[۱] محمد یوسف الدین: "اسلام کے معاشی نظریئے" ۔ صفحہ ۲۱۶ - ۲۱۹ بحوالہ ابو یوسف: کتاب الخراج صفحہ ۱۵ ۔

Marfat.com

ناواقف نہیں ہو سکتے۔اس کے باوجود جب وہ کہتے ہیں اسلامی قانون قومی ملکیت کی نفی کرتا ہے تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک "من مانی قید" ہے جسے خود ان کے الفاظ میں اسلامی قانون ناجائز سمجھتا ہے !

کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ متعلقہ مسائل کی وضاحت کے بعد مولانا مودودی اور مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب زرعی مسائل پر اپنی رائے پر نظرثانی فرمائیں گے اور اپنے اثر و رسوخ کو اسلام کو تابندہ تر شکل میں پیش کرنے کے لئے وقف فرمائیں گے !

Marfat.com

باب ہشتم

از باجان نیرہ دل چوں خشت و سنگ

[زرعی اصلاح کا مطلب سرمائے کا تقاضا ہے۔ سرمایہ کسی اساس کا منت کش ہے سود کے متعلق قرآن حکیم کے احکام۔ منافع اور سود میں کیا فرق ہے۔ معاشیات مروجہ کا نقطۂ نظر۔ معاشیاتی نقطۂ نظر پر تنقید۔ معاشیات کے سود کے نظریے۔ اسلام کا سرمائے کے معاوضے کا نظریہ۔ سود کا زہر۔ کیا سود ناگزیر ہے۔ بنک کاری کی نئی تشکیل۔ زراعت میں سرمائے کی غیر سودی شکلیں۔ کیا ہمارے پاس سرمایہ موجود نہ ہے۔ ہماری بے یقینی تباہ کن ہو سکتی ہے۔ پاکستان دوراہے پر]

زرعی اصلاح کا مطلب سرمائے کا تقاضا ہے

اگر یہ چیز واضح ہو چکی ہے کہ اسلام کسی خاص زرعی نظام کو پاسندگی کی سند نہیں دیتا اور ہم آزاد ہیں کہ قومی مقاصد اور فلاح جس زرعی نظام کا تقاضا کریں اسے اپنا لیں تو ہمیں ایک بار پھر ان مسائل کی طرف لوٹ جانا پڑے گا جنھیں ہم اس کتاب کے ابتدائی ابواب میں جانچ چکے ہیں وہاں ہم نے تمام موجودہ دقتوں کا جائزہ لیا تھا۔ اور امکانی حل پرکھے تھے۔ اور ایک حل اپنے لئے تجویز کیا تھا۔

لیکن ہم نے یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ حل جو ہم اپنے لئے متعین کر رہے ہیں بہت بڑا سرمایہ چاہیں گے۔ اور جب تک سرمایہ مہیا کرنے کی کوئی صورت نہ نکلے نہ زمینداروں سے زمینیں خریدی جا سکتی ہیں۔ نہ بیج مہیا ہو سکتے ہیں۔ نہ کھاد، نہ آبپاشی کے وسائل میں ترقی ممکن ہے۔ نہ زرعی آلات اور مشینیں خریدی جا سکتی ہیں اور انہی چیزوں کے کامیاب

Marfat.com

استعمال کا نام زرعی ترقی ہے اور یہ سب چیزیں سرمائے کی محتاج نہیں۔ اس لحاظ سے یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ زرعی ترقی کا مطلب فی ایکٹر زیادہ سرمائے کا اطلاق ہے۔

سرمایہ کسی اساس کا منت کش ہے!

اور پھر سرمائے کا مسئلہ صرف سرمایہ مہیا کرنے کے ذرائع کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس سے ذرا زیادہ پیچیدہ سوال ہے کیونکہ ہمارا تعلق صرف سرمایہ کے مہیا کرنے تک محدود نہیں ہے۔

بلکہ جس اساس پر وہ مہیا ہوتا ہے اس سے بھی ہم بے تعلق نہیں ہو سکتے۔ سرمایہ کی اساس دنیا بھر میں جس میں پاکستان بھی شامل ہے عموماً سود ہے۔ اور سود کے متعلق اسلام کے احکام اتنے شدید ہیں کہ پاکستان میں سرمایہ مہیا کرنے کا معاملہ کسی اور ملک سے کہیں پیچیدہ تر ہے۔ عوام الناس کے نزدیک سود حرام ہے تاجروں کے نزدیک ناگزیر ہے۔ حکومت کے سامنے اس کے سوا کوئی اساس سرمائے کی موجود نہیں ہے لہٰذا وہ اس کڑوی گولی کو منافع کے لفظ کی کھانڈ چڑھا کر قوم کو نگلنے کا مشورہ دیتی ہے۔ علمائے دین کو کفر کے فتووں اور بے مقصد بحثوں سے کبھی اتنی فرصت نہیں ملی کہ وہ اس اساسی سوال پر اتنی توجہ مبذول فرما سکیں جس کا یہ مستحق ہے اور مغربی علوم جاننے والے معاشی عام طور پر یورپ گزیدہ ہیں۔ انھوں نے قرآن کی آیات کے متعلق سنا تو ہے کہ وہ سود کو منع کرتی ہیں لیکن انہیں قرآن حکیم کی صداقت کے ثبوت کے لئے بھی مغربی سند کی ضرورت ہوتی ہے! نتیجہ یہ ہے کہ جو سرمایہ مہیا ہو بھی سکتا ہے وہ بھی پوری طرح بروئے کار نہیں آتا کیونکہ جذباتی اعتبار سے ابھی تک قوم قرآن کریم کو پس پشت نہیں ڈال سکی۔ چنانچہ سرمایہ مہیا کرنے کے طریقے کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس کی اساس کو پرکھنے کی ضرورت ہے۔

سود کے متعلق قرآن کے احکام

قرآن حکیم کا ارشاد اس مسئلے میں اس قدر واضح ہے کہ تحریف کرنے کی ساری قوتوں کو سلب کر لیتا ہے صرف متعلقہ آیات پڑھ لیجئے:۔

الذین یاکلون الربوا لایقومون جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کی حالت ایسی ہو گی

Marfat.com

اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَ اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ .... يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ج لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝[1]

جیسے کسی کو شیطان نے خود چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو یہ اس وجہ سے ہو گا کہ یہ لوگ کہتے تھے کہ تجارت بھی ایک طرح کا سود ہے۔ (حالانکہ اللہ نے تجارت کو جائز قرار دیا ہے اور سود کو حرام فرمایا ہے۔ پس جس کے پاس اللہ کی یہ نصیحت پہنچی اور وہ رک گیا تو اس کے لئے وہی ہے جو ہو چکا اس کا معاملہ اللہ کے پاس ہے لیکن جو پھر سود کی طرف) لوٹا تو وہی لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے اور انھیں وہیں رہنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے کیونکہ وہ کفر کرنے والے گنہگاروں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود رہتا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی ایمان والے ہو اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ، اگر تم توبہ کر لو تو تم اپنے راس المال لے سکتے ہو۔ (ہم یہ چاہتے ہیں) کہ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم ہو۔

یہاں جس لفظ کا ترجمہ ہم نے سود کیا ہے وہ ربا ہے۔ ربا کا لفظی مطلب اضافہ کرنا ہے گویا راس المال کے استعمال کے لئے جو اضافہ وصول کیا جاتا ہے وہ منع ہے۔ اسی اضافے کا اصطلاحی نام سود ہے۔ لہذا بڑی شرح سود اور چھوٹی شرح سود[2] کے درمیان یہ لفظ

---

[1] البقرۃ سورۃ ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹۔

[2] یوزری اور انٹرسٹ مراد ہیں۔

Marfat.com

کوئی فرق قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

دُوسری قابلِ غور چیز یہ ہے کہ یہ آیات سرمائے کی . . . . پیدائشی ضروریات میں کسی تخصیص کرنے سے انکار کرتی ہیں سرمائے کا جو تعلق تجارت سے ہے اس کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ تجارت جائز ہے اور سُود ناجائز ہے۔ لہٰذا ہمارے مغرب زدہ گروہ کا یہ اصرار کہ سود کی مناہی دراصل صارفی مقاصد کے قرضوں تک محدود ہے اور اس کا اطلاق پیدائشی سرمایہ کی فراہمی پر نہیں ہے محض افترا ہے۔ قرآن حکیم پیدائشی عمل اور سُود کو (باوجود ان کے تعلق کے) کلی طور پر مختلف نوعیت کی چیزیں سمجھتا ہے، ایک کو حلال قرار دیتا ہے اور دُوسرے کو حرام۔

تیسری قابلِ غور چیز وہ شدتِ بیان ہے جس سے سُود کی مناہی کی گئی ہے سارے قرآن میں کہیں کوئی گناہ اتنا سنگین نہیں بتایا گیا جسے اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے رسُول کے خلاف اعلانِ جنگ تصور کریں، یہ فقط سود لینا (اور ایک حدیث کی وضاحت کے مطابق دینا اور اس لین دین میں کوئی سہولت بہم پہنچانا) ہی ایسا جرم ہے کہ جو اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔

منافع اور سُود میں کیا فرق ہے؟

سوال یہ ہے کہ قرآن حکیم کیوں تجارت اور سود کو مختلف نوعیت کی چیزیں سمجھتا ہے۔ آخر تجارت کا منافع بھی راس المال پر ایک اضافہ ہے اس اضافے میں اور سُود کے اضافے میں کونسا نوعی اور بنیادی فرق ہے جس کی بنا پر قرآن حکیم ایک کو حلال قرار دیتا ہے اور دُوسرے کو حرام گردانتا ہے۔

منافع اور سُود میں پہلا بنیادی اور نوعی فرق یہ ہے کہ سود معین ہوتا ہے اور منافع غیر معین۔ راس المال کے ہر سو روپے پر جب "اضافہ" پہلے سے معین ہوگا، وہ سُود کہلائیگا، اگر راس المال کے استعمال کے بعد اس "اضافہ" کا اندازہ آمد و خرچ کا حساب کرنے کے بعد لگایا جائے گا کہ کتنی آمد خرچ سے زیادہ ہوئی تو وہ منافع ہوگا۔ ظاہر ہے کہ آمد اور خرچ میں فرق پڑنے سے کبھی منافع توقع سے بڑھ جاتا

Marfat.com

ہے اور کبھی کم ہو جاتا ہے، کبھی کبھی منافع اتنا گھٹتا ہے کہ وہ نقصان کہلانا شروع کر دیتا ہے، گویا منافع ایک متبدل چیز ہے۔ سود اس کے برعکس ایک متعین شرح ہے آمد اور خرچ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، کوئی لاکھ کمائے یا لاکھ کھوئے سود کو اپنی شرح سے کام ہوتا ہے۔ اس بنیادی فرق کو کئی دفعہ خلط ملط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور خلط ملط کرنے کی کوشش کرنے والوں میں پاکستان کی وزارت مالیات ایک امتیازی مقام رکھتی ہے۔ وزارت مالیات کے اعلانات کی عام زبان یہ ہوتی ہے "حکومت پاکستان فلاں روز ایک نیا قرضہ جاری کرے گی جس پر تین فیصدی منافع دیا جائیگا"۔ یا یہ کہ "ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ خریدیئے ان پر سوا چار فیصدی منافع ملتا ہے"۔ یا یہ کہ "پوسٹل سرٹیفکیٹوں پر اتنے فیصدی منافع ملے گا" وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی منافع کی صورت نہیں، سارا سودی کاروبار ہے، ایک معین شرح پر قرض مانگا جاتا ہے، اسی کا نام سود ہے، منافع تو جب ہو کہ "تین فیصدی" اور "سوا چار فیصدی" کی بجائے نفع (یا نقصان) کے ایک حصے کو (دسواں حصہ، پچاسواں حصہ، تیسرا حصہ) قرضداروں کو دینے کا اعلان ہو، چونکہ نفع کا حصہ ایک متبدل چیز ہو گی لہٰذا یہ سود نہ ہو گا، منافع ہو گا۔

دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ نفع حاصل کرنے کے لئے سعی کرنی پڑتی ہے، نفع کسی کاوش اور محنت کے نتیجے کا نام ہے اور جہاں بلاواسطہ کوئی کاوش یا محنت نہیں کی جاتی مثلاً مشترک سرمائے کی کمپنیوں کے حصہ دار وہاں صحیح کمپنی کا چننا بذات خود ایک کام ہے علاوہ ازیں حصہ دار خود تو کام نہیں کرتا لیکن انتظامیہ حصہ داروں کے نمائندوں کی حیثیت سے کام کرتا ہے اور حصہ دار اس کے نگران ہوتے ہیں۔ سو منافع حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ اس کے بغیر نفع نہیں مل سکتا معاشی اصطلاح میں ایک عمل پیدائش کے بغیر نفع ممکن نہیں ہے۔ سود کے لئے عمل پیدائش کی کوئی ضرورت نہیں۔

سود اور منافع کے درمیان بنیادی فرق معلوم کر لینے کے بعد قرآن حکیم کا مفہوم خاصا واضح ہو جاتا ہے، قرآن حکیم سرمائے کو پیدائشی مقاصد پر صرف کروانا چاہتا ہے۔

Marfat.com

محنت یا نگرانی کے بغیر فوائد کا کسی کو مستحق نہیں سمجھتا، لہٰذا پہلے سے سرمائے کا معاوضہ معین کرنے کے خلاف ہے، بلکہ سرمائے کے معاوضے کو اسی طرح ایک متبدل چیز رکھنا چاہتا ہے جس طرح عمل پیدائش سے متعلق ہر چیز تغیر پذیر ہوتی ہے، اسلام میں یہ ممکن نہیں ہے کہ سرمایہ تو اپنی شرح لے کر الگ ہو جائے اور محنت اور تنظیم باوجود کاوش کے نقصان اُٹھائیں۔

معاشیاتِ مروجہ کا نقطۂ نظر مروجہ معاشیات[1] یہ کہتی ہے کہ سرمایہ ایک عامل پیدائش ہے، جس کے بغیر عمل پیدائش میں کوئی غیر معمولی ترقی ممکن نہیں لہٰذا سرمایہ کی امداد حاصل کرنا ضروری ہے۔ سرمایہ اپنی امداد کی ایک قیمت معین کرتا ہے، اگر وہ قیمت اسے نہ دی جائے، تو وہ عمل پیدائش میں اپنا دستِ تعاون دراز نہیں کریگا۔

مذہبی نواہی کے متعلق معاشیات کا جواب یہ ہے کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب لوگ صرفی مقاصد کے لئے قرض لیتے تھے، ایک شخص اگر گھر کے اخراجات کے لئے قرض لیتا ہے تو نامناسب ہے کہ اس سے سود مانگا جائے، ہاں البتہ اگر وہ ایک دوکان کھولنے کے لئے قرض مانگتا ہے تو لامحالہ اس کو اس سے فائدہ ہو گا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ سود نہ ادا کرے۔

معاشیاتی نقطۂ نظر پر تنقید اسلام کا معاشیات کے نظریہ سود سے اختلاف مقاصد میں نہیں، دلیل اور اس کی وجہ سے طریقہ عمل میں ہے۔ سرمایہ بے شک ایک عامل پیدائش ہے اور اس کا تعاون حاصل کرنا واقعی عمل پیدائش کی ترقی کے لئے ضروری ہے لیکن سرمایہ کا معاوضہ عمل پیدائش کی حدود کے اندر متبدل ہونا چاہیئے، اور اسے عمل پیدائش سے غیر متعلق چیز کی طرح متعین نہیں کیا جا سکتا۔ سرمائے کا متبدل معاوضہ (یا منافع) اسلام قبول کرتا ہے، لیکن متعین معاوضہ (یا سود) رد کر دیتا ہے۔

جہاں تک معاشیات کے اس نظریے کا تعلق ہے کہ اگر سرمائے کی قیمت سود کی شکل میں

---

[1] اس سے میرا مطلب معاشیات کی وہ نوع ہے جو ہمارے کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تازہ فکر کو حتی الوسع طلباء سے دور رکھا جاتا ہے گویا علم بھی ایک طرح کی شراب ہے جس کا پرانا ہونا ضروری ہے۔

Marfat.com

ادا نہ کی جائے تو وہ عمل پیدائش میں شریک نہیں ہو گا اس کا واضح ابطال گذشتہ پچاس سال کا تجربہ کرتا ہے، گذشتہ نصف صدی میں سود کی شرح مسلسل گھٹتی رہی ہے لیکن اس دوران میں سرمائے کی مقدار مسلسل بڑھتی رہی ہے، سود کی شرح جتنی کم آج ہے اتنی معاشیات کی تاریخ میں کبھی نہیں تھی اور جتنا سرمایہ عمل پیدائش میں آج شریک ہے وہ بھی معاشیات کی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا، اگر سود کی شرح کا سرمائے کے مہیا ہونے کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا تو صورتِ حال اس کے بالکل الٹ ہوتی!

جہاں تک مذہبی ممانعت کے متعلق معاشیات کی صرفی اور پیدا آوری تخصیص کا تعلق ہے۔ وہ اسلام کے احکام سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ سرمائے کی ضرورت خواہ نجی وجوہات سے ہو یا کاروباری وجوہات سے اسلام ہر دو مقاصد کے لئے سود حرام قرار دیتا ہے بلکہ قومی مقاصد کے لئے بھی روپیہ نہ سود پر لیا جا سکتا ہے اور نہ دیا جا سکتا ہے۔

معاشیات کے سود کے نظریئے

ابتدا میں تمام مفکرین مذہبی ممانعت کے زیرِ اثر یا سود کی بدیہی ناانصافی کے پیشِ نظر سود کی مخالفت کرتے رہے۔ ارسطو نے ایک بڑے پتہ کی بات کہی تھی جسے ہم نے بالکل بھلا دیا ہے کہ روپیہ روپے کو پیدا نہیں کرتا۔[۱] مقصد یہ تھا کہ روپیہ پیدائش دولت میں ممد تو ہے لیکن کلی طور پر خود اس کا باعث نہیں۔ یہی نقطۂ نظر افلاطون کا تھا۔[۲]

چنانچہ ابتدا میں یورپ کے بیشتر گرجا اور حکومتیں سود کے خلاف تھیں اس کے بعد سرمائے کی ضرورتوں کے پیشِ نظر ان قیود کو آہستہ آہستہ ڈھیل دی گئی، اور سود کے باقاعدہ نظریئے معاشیین نے وضع کئے۔ ان نظریوں کی سب سے اہم خامی یہ ہے کہ وہ آج تک کوئی قابلِ قبول جواب نہیں دے سکے کہ آخر سود کیوں ادا کیا جائے؟

سب سے پہلی دلیل جو سود کی ادائیگی کے حق میں دی گئی وہ یہ تھی کہ سرمایہ مہیا کرنے والا اپنی ضرورتوں کو ترک کر کے قرض دیتا ہے، لہٰذا اسے ان ضرورتوں کو ترک یا ملتوی کرنے کی قیمت ادا کرنی چاہیئے، اسی لئے اسے سود کا تارک کی نظریہ[۳] کہا جاتا ہے۔

۱۔ ارسطو: پالیٹکس، کتاب اول باب دہم۔ ۲۔ افلاطون ۔ ۔ ۔ کتاب پنجم

۳۔ ABSTINENCE THEORY OF INTEREST

Marfat.com

اس دلیل میں کئی دقتیں ہیں اوّل یہ کہ ضرورتوں کو ترک یا ملتوی کرنا اپنی ذات میں کوئی پیدائش آور کام نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنی ضرورتیں ترک کر کے روپیہ کو زمین میں دبا دیتا ہے یہ کام عمل پیدائش میں کوئی مدد نہیں کرتا اگر وُہ زمین میں نہ دبائے بلکہ سٹے کے کام میں لگنے کے لئے دے یا کسی کی نجی ضرورت کے لئے قرض دے یا کسی حکومت کو جنگ لڑنے کے لئے قرض دے جب بھی کوئی عمل پیدائش ظہور میں نہیں آئیگا حالانکہ وُہ اپنی ضرورتیں ترک کر چکا ہے اور لہٰذا سُود کا مستحق ہو چکا ہے۔ سُود کا تارکی نظریہ سرمائے کے استعمال کی مختلف صورتوں میں کوئی تخصیص نہیں کرتا جس کا مطلب ہے کہ وُہ سرمائے کی پیدائش دولت میں تعاون یا عدم تعاون سے کوئی سرکار نہیں رکھتا۔ حالانکہ بنیادی جوازِ سُود کا یہی بتایا گیا تھا کہ وُہ سرمایہ مہیا کرتا ہے جس سے پیدائش دولت میں مدد ملتی ہے۔

دُوسری دقت اس تارکی نظریۂ سُود میں یہ ہے کہ یہ سرمایہ داروں کو درویشوں کے قریب قریب لا کے کھڑا کر دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم یہ تصوّر کریں کہ سرمایہ دار کچھ تارک الدنیا قسم کے لوگ ہیں جنھیں اپنی ضرورتیں ترک کرنے کا معاوضہ ملنا چاہیئے۔ ایک سوشلسٹ مصنف نے اس پر خوب پھبتی کسی تھی کہ سچ تو یہ ہے بیرن راتھس چائلڈ (یورپ کا کروڑپتی یہودی سرمایہ دار) کے برابر کا تارک الدنیا درویش کون ہے!

امرِ واقعہ یہ ہے کہ دُنیا کے سرمائے کا کثیر حصہ اوّل تو ادارے مثال کے طور پر مشترکہ سرمائے کی کمپنیاں مہیا کرتے ہیں جن کی ایک کاروباری "ضرورت" ہی یہ ہوتی ہے کہ وُہ محفوظ سرمایہ جمع کریں تاکہ کساد بازاری کے زمانے میں ان کا استحکام قائم رہ سکے اور لہٰذا کسی ضرورت کو ترک کرنے اور پھر اس کا معاوضہ ادا کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا! اور پھر وُہ سرمایہ جو افراد مہیا کرتے ہیں اس کا کثیر حصہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جنھیں ضرورتیں چھوڑ، راحتیں اور عشرتیں بھی قربان کرنا نہیں پڑتیں!

مارشل نے اس اعتراض سے بچنے کے لئے "ضروریات کو ترک" کرنے والی بات چھوڑ کر "انتظار" کا لفظ چنا ہے۔ سرمایہ دار کو اپنا سرمایہ ایک خاص مدت کے لئے

Marfat.com

دینا پڑتا ہے اور جب تک سرمایہ واپس نہیں آتا اسے انتظار کھینچنا ہوتا ہے لہٰذا اس انتظار کے کرب کی قیمت اسے سُود کی شکل میں ادا کرنی چاہیئے۔

سوال یہ ہے کہ اس انتظار میں کرب ہے بھی کہ نہیں۔ معاشئین اس چیز کو ایک مسلمہ کے طور پر قبول کرتے ہیں کہ "انتظار" کر کے سرمایہ دار ایک قربانی کر رہا ہے لیکن یہ مسلمہ ہی بے بنیاد ہے۔ کیا اگر سُود کی تحریص موجود نہ ہو تو افراد اپنے یا بیوی بچوں کے مستقبل کے لئے پس انداز کرنا بند کر دیں گے؟ کیا مشترکہ سرمائے کی کمپنیاں محفوظ سرمایہ کی شکل میں احتیاط کرنا بند کر دیں گی؟ اگر یہ دونوں چیزیں نہیں ہونگی تو ان پس انداز رقموں کو نہ ہوا میں معلق رہنا ہے اور نہ یہ زمین میں دبانے کا زمانہ ہے، کہ یہ رقمیں "انتظار" کا کوئی "کرب" محسوس کئے بغیر عملِ پیدائش میں شریک ہوتی ہیں اور ہو سکتی ہیں (بشرطیکہ آج کل کے سُودی بنک انھیں ذخیرہ کرنے کا ڈھب نہ سمجھائیں)۔

جب معاشئین محسوس کرتے ہیں کہ یہ انتظار والی بات میں بھی پانی مرتا ہے، تو وہ ایک دوسری سمت میں طبع آزمائی کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ سرمایہ عملِ پیدائش کا بڑا ماثرہ کارکن ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ دولت کی پیدائش میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ اس نظریہ کا نام سود کا نظریہ پیدا آوری[۲] ہے۔

یہ دلیل اپنی ذات میں ایسی ہے کہ اس پہ کوئی شخص اعتراض نہیں کر سکتا لیکن اس کی اپنی ذات بڑی محدود ہے اعتراض سُود پر یہ نہیں کہ سرمائے کو دولت کی پیدائش میں حصہ کیوں دیا جاتا ہے بلکہ چیز یہ ہے کہ اس کا حصہ پہلے سے متعین کیوں کر دیا جاتا ہے، اور اس شکل کا حل یہ نظریہ یوں کرتا ہے کہ اس اعتراض کا جواب ہی نہیں دیتا۔ عملِ پیدائش کسی چوکھٹے میں جڑی ہوئی تصویر کا نام نہیں ہے نہ کوئی پتھر کا مجسمہ

---

[۱] ہم نے سُود کے آسٹرین نظریہ کا جائزہ علیحدہ نہیں لیا۔ کیونکہ اس میں اور مارشل کے انتظار کے تصور میں سوائے الفاظ کے کوئی فرق نہیں ہے۔ وہاں سُود "انتظار" کی قیمت ہے۔ یہاں "وقت کی ترجیح" کو قربان کرنے کی قیمت ہے۔ مطلب وہی ہے کہ خرچ کو ملتوی کرنے کا صلہ سرمایہ دار کو ملنا چاہیئے۔ اس پر وہ سب اعتراض صادق آتے ہیں جو انتظار والے سُود کے نظریئے پر ہم نے کئے ہیں۔

[۲] PRODUCTIVITY THEORY OF INTEREST

ہے جس کے خدوخال پر اس کا ماحول چنداں اثر انداز نہیں ہوتا عملِ پیدائش تو ایک لاجونتی کا پودا ہے۔ ایک متحرک عکس ہے ایک بہتے (اور بڑھتے اور سکڑتے) قسم کی تبدیل چیز ہے۔ جو جو چیزیں اس پر اثر ڈالتی ہیں ان کی پوری فہرست بنانا بھی غالباً ناممکن ہوگا لیکن جو چیزیں اس پر فوراً اثر ڈالتی ہیں ان میں سے بعض اہم یہ ہیں: ذوق میں تبدیلی۔ آبادی میں کمی یا بیشی۔ معیار حیات کا فرق۔ آمدنی میں تبدیلی۔ سکّہ کی مقدار میں فرق یا اس کی قیمت میں تبدیلی پس انداز رقموں کی مقدار۔ سرمایہ کی مقدار اور ایجادات عملِ پیدائش تو ایک طرح سے بتیس دانتوں میں زبان ہے۔ اس کا اور سُود کا کوئی رشتہ نظر نہیں آتا کیونکہ سُود تو اس شرح کا نام ہے جو اشٹام پر لکھی ہوئی ہے کی الماری میں محفوظ ہے

اب آپ اندازہ فرمایئے کہ جتنی دیر میں عملِ پیدائش مکمل ہوتا ہے اتنی دیر میں غالب گمان ہے کہ اتنی چیزوں میں سے کوئی نہ کوئی چیز ضرور بدل چکی ہوگی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس تغیر پذیر کائنات میں ان میں سے کوئی چیز بھی بعینہٖ اس صُورت میں نہ ہوگی جس صُورت میں عملِ پیدائش کی ابتدا میں تھی۔ اب سُود کا تعین عملِ پیدائش کی ابتدا میں ہوتا ہے۔ وُہ دولت جس میں سے یہ سُود ادا ہوتا ہے عملِ پیدائش کے اختتام پر ظہور میں آتی ہے۔ جب عملِ پیدائش کے نتائج اتنی متبدل چیزوں کا سہارا لئے ہوئے ہیں تو سُود کا متعین ہونا انتہائی حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ سرمایہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو تمام دیگر عوامل پیدائش سے بلند تر سطح پر رکھنا چاہتا ہے اس کو کسی سے کوئی سروکار نہیں اسے صرف اپنے سود سے غرض ہے۔ یہ صورتِ حال (علاوہ غیر مذہبی اور غیر انسانی ہونے کے) بالکل غیر منطقی ہے کہ سرمایہ ایک متبدل مفاد (یا نقصان) کا باعث ہو اور ایک معین شرح سُود پر اپنا معاوضہ پہلے سے مقرر کرے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر سُود کے پیدا آوری کے نظریہ کو اس کے منطقی نتیجہ تک بڑھایا جائے تو سُود کا تعین عملِ پیدائش کے اختتام سے پہلے ممکن ہی نہیں عملِ پیدائش کے اختتام سے پہلے آپ اس کے نتیجے سے کیسے واقف ہو سکتے ہیں؟ اور نتیجے سے واقف ہوئے بغیر آپ سرمائے کی پیدا آوری کو کیسے ماپ سکتے ہیں؟

Marfat.com

لیکن اگر نظریہ سود کی نئی تشکیل اس راستے پر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سرمایہ متعین سود کی جگہ متبدل آمد کا ایک حصہ لیا کرے۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو سرمائے کے اس معاوضے پر نہ اسلام معترض ہوگا نہ انسانیت نہ منطق!

معلوم ہوتا ہے کہ معاشیئن نے کچھ عرصے کے بعد محسوس کیا کہ ان کے پاس سود کے جواز کی کوئی معقول دلیل موجود نہیں ہے۔ لہٰذا آج کل کے سود کے نظریئے بجائے یہ بتانے کے کہ سود کے جواز کی دلیل کیا ہے صرف یہ بتاتے ہیں کہ سود کیسے معین کیا جاتا ہے! سود معین کرنے کا طریقہ معاشیات میں وہی بتایا جاتا ہے جو قیمت معین کرنے کا عام طریقہ ہے یعنی طلب اور رسد کے باہمی توازن سے ہر چیز کی قیمت معین ہوتی ہے اسی طرح سرمائے کی قیمت بھی سرمائے کی طلب اور رسد سے ہی طے پاتی ہے۔ اگر باقی صورتِ حال میں کوئی تبدیلی نہ ہو تو سرمائے کی طلب بڑھنے پر اسکی قیمت کی شرح بڑھ جاتی ہے اور رسد بڑھنے پر اسکی قیمت کی شرح کم ہو جاتی ہے۔

معاشیئن یہاں یہ بھول گئے ہیں کہ قیمت کا تعین کرنا مبادلہ دولت کا مسئلہ ہے تقسیم دولت کا نہیں اور سرمائے کا معاوضہ معین کرنا تقسیم دولت کا اہم سوال ہے۔ جسے مبادلہ دولت سے کوئی سروکار نہیں۔ لہٰذا سرمائے کا معاوضہ قیمت کے عام تعین کے اُصول پر طے کرنا غلط ہے۔ سرمائے کے معاوضے کا تعین اس کے بغیر ممکن نہیں کہ قومی دولت کا تعین کیا جائے اور پھر سرمائے کا قومی دولت کی پیداوار میں حصہ معلوم کیا جائے۔ آخر سرمائے کے معاوضے کا بنیادی جواز تو یہی ہے کہ وہ پیدائش دولت میں مدد دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پیدائش دولت دیکھ کے ہی اس کا معاوضہ طے کیا جا سکتا ہے۔ یہ طلب و رسد والی بات تو بڑی حد تک غلط بحث ہے کسی عامل پیدائش کا معاوضہ محض رسد و طلب کے توازن سے عبارت نہیں کیا جا سکتا۔

اِسلام کا سرمائے کے معاوضے کا نظریہ

اِسلام دولت کی پیدائش کو ایک مستحسن چیز سمجھتا ہے زراعت، تجارت اور صنعت تینوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہے اور پہلی دو کے ساتھ تو حضور کا

Marfat.com

اپنا تعلق بھی رہا ہے، لہٰذا بنیادی چیز جو اسلام کو کئی دوسرے دینوں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ پیدائش دولت ایک مستحسن کام[۱] ہے۔ اور اس حد تک معاشیات اور اسلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

سرمائے کو اسلام ایک عامل پیدائش تصور کرتا اور اسے معاوضے کا مستحق سمجھتا ہے۔ چنانچہ قراض یا مضاربت کے جواز میں یہ دونوں تصورات موجود ہیں مثال کے طور پر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ قراض کے کاروبار میں سرمایہ دار اور محنت کش دونوں نفع پاتے ہیں۔ سرمایہ دار اپنے سرمائے کی وجہ سے اور مضارب اپنی محنت کی وجہ سے نفع کا حق دار ہوتا ہے[۲]۔

گویا محض سرمایہ مہیا کرنا عمل پیدائش میں کوئی سہولت بہم پہنچاتا ہے جس کی وجہ سے نفع میں شرکت کا حقدار ہو جاتا ہے۔ سرمائے کے معاوضے کے جواز کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کا مال بیچا اور انھیں منافع میں شریک کیا!

یہاں تک اسلام اور معاشیات کا انداز فکر قریب قریب متوازی چلتا ہے۔ لیکن پھر مختلف راستے ہو جاتے ہیں اسلام معاشیات کی طرح اپنے اس قول کو بھول نہیں جاتا کہ سرمائے کے معاوضے کا جواز عمل پیدائش میں اس کی امداد ہے۔ لہٰذا

---

[۱] یہاں غالباً یہ بات کہنی چاہیئے کہ اسلام میں پیدائش دولت خود کوئی مقصد نہیں بلکہ ایک اہم ضرورت ہے جس کے پورا کرنے کی طرف آنحضورؐ نے بار بار توجہ دلائی ہے۔ انفرادی زندگی میں افلاس سے بچنے کی بڑی سعی کرنی چاہیئے کیونکہ یہ "دونوں جہانوں میں منہ کالا کرتا ہے" (حدیث)۔ البتہ اپنے مقصد حیات کو بھولنا نہیں چاہیئے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے کہ اسے چھوڑ کر ان احمقوں کی صف میں شامل نہیں ہونا چاہیئے جو جتنے سکوں کی تعداد اپنے بنکوں میں جمع کرنے جاتے ہیں، درحالانکہ جتنے سکے موجود ہیں وہ انکی ساری زندگی اور انکی اولاد کی ساری زندگی کیلئے کافی ہیں پھر بھی وہ اور سکے اپنے حساب میں جمع دیکھنے کی خواہش میں لاکھوں دھوکے اور جھوٹ کے جال بنتے چلے جاتے ہیں انھیں بھول چکا ہے کہ استغنا ایسی چیز ہے جس پر رسول اکرمؐ کو فخر تھا۔ چونکہ یہ موضوع باوجود اپنی اہمیت کے ہمارے خاص معاشی بحث سے بلند تر سطح رکھتا ہے، اس لئے اصل مضمون میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

[۲] ہدایہ جلد ۳ کتاب المضاربۃ: جسے سلیپنگ پارٹنرشپ کہا جاتا ہے یعنی روپیہ مہیا کرنا اور کام نہ کرنا اسے اہل حجاز قراض اور اہل عراق مضاربت کہتے ہیں۔

Marfat.com

اسلام کہتا ہے عمل پیدائش کو مکمل ہونے دو۔ پھر جانچو کیا نفع ہوا۔ پھر اس نفع کو مختلف عوامل پیدائش میں بانٹ دو جن میں سے سرمایہ ایک ہے ۔

معاشیات کا یہ تصوّر کہ سرمائے کو عمل پیدائش کی ابتدا ہی میں ایک معین شرح پر حاصل کیا جائے اسلام کو ایک لمحہ کے لئے بھی قابلِ قبول نہیں ۔

اسلام اس چیز کا عملاً اعتراف کرتا ہے کہ پیدائشِ دولت ایک متبدّل چیز ہے چنانچہ وُہ اس چیز کے حق میں ہے کہ تمام خارجی اثرات جو عملِ پیدائش کی نوعیّت، مقدار اور کامیابی پر اثرانداز ہوتے ہیں ان سب کا جائزہ لیا جائے۔ آبادی گھٹے یا بڑھے ۔ معیار حیات بلند ہو یا نیچا سکّے کی مقدار میں اضافہ ہو یا کمی۔ اس کی قیمت بلند ہو یا نیچی۔ نئی ایجادات ہوں یا نہ ہوں ذوق اور فیشن بدلیں یا نہ بدلیں ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر اسلام کا نظریہ احاطہ نہیں کرتا ! ہر محرک کو اس کی صحیح صُورت میں اسی وقت ماپا جا سکتا ہے۔ جب عمل پیدائش کے اختتام پر اندازہ لگایا جائے کہ اس کا کامیابی (یا ناکامی) میں کیا حصّہ ہے اگر آپ یہ کر لیں تو وُہ کونسا محرک ایسا بچتا ہے جو آپ کی گرفت سے باہر ہو ؟

اسلام کا اصرار بس اتنا ہی ہے کہ سرمائے کا معاوضہ معین کرنے سے پہلے عمل پیدائش کا پورا جائزہ لے لیجیے، اور سرمائے کو اس پیدائش کا ایک حصّہ دیجئے جس کا وُہ باعث ہوا ہے ۔

اسلام کا نظریہ اصل میں معاشیات کے سُود کی پیدا آوری والے نظریئے کو دو چیزیں بخشتا ہے۔ وسعتِ تصوّر! اور فکری ہم آہنگی اور یہ دو چیزیں بخش کر اسے اپنا لیتا ہے[1]۔ وسعتِ تصوّر ان معنوں میں کہ وُہ ان سب داخلی اور خارجی محرکات کو پیشِ نظر رکھتا ہے جو پیدائش دولت پر اثرانداز ہوتے ہیں اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے معاشیّین کا نکر بڑی حد تک تہی ہے۔ فکری وحدت اس رنگ میں دیتا ہے کہ وُہ سرمائے کے

---

[1] اپنانے کے بعد وُہ سُود کا نظریہ نہیں کہلا سکتا کیونکہ اس کی نوعیّت بدل چکی ہے لہٰذا اگر اسے کوئی نام دینا ہو جس کا مذہب کے کوئی تعلق نہ ہو تو وہ سرمائے کے معاوضے کا نظریہ پیدا آوری ہوگا۔

Marfat.com

معاوضے کا یہ جواز تسلیم کرنے کے بعد (کہ سرمایہ پیدائش دولت کا ایک عامل ہے اور لہٰذا پیدائش دولت کے ایک حصے کا حقدار ہے) اسے بھولتا نہیں، اور پھر معاوضہ بجائے پیدائش دولت کے ایک حصے کے ایک معین شرح سود کی شکل میں نہیں دیتا شروع کرتا بلکہ ہو بہو اپنے تصور پر قائم رہتا ہے کہ سرمایہ پیدائش دولت کا ایک عامل ہے لہٰذا پیدائش دولت مایہ اور سرمائے کا حصہ اس دولت کی پیدائش کے مطابق اسے دیدے۔ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (نہ تم ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم ہو۔ البقرہ)[1]

سود کا زہر اب تک ہم خالص نظریاتی بحث کرتے رہے ہیں اور معاشیات کا دامن سود کے معاملے میں اتنا تہی ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ معاشیات کا کوئی سود کا نظریہ ہے ہی نہیں تو چنداں مبالغہ نہ ہوگا۔ جنھیں نظریئے کہا جاتا ہے ان میں اتنی فکری سکت ہی نہیں کہ یہ لفظ ان کے لئے استعمال کیا جا سکے!

لیکن ایک دوسری صورت پرکھنے کی بھی موجود ہے۔ جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے نظریہ اپنے عملی نتائج سے پرکھا جا سکتا ہے۔ اگر اس پہلو سے جانچیں جب بھی سود کے شائقین کو کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئیگی جس پر وہ فخر کر سکیں[2]۔

یہ ایک مسلمہ کے طور پر مانا جاتا ہے کہ دنیا کے جتنے قدرتی وسائل ہمارے علم میں ہیں ان پر اگر سب انسان کام کر سکیں اور کام کرنے کے لئے انہیں وہ آلات میسر ہوں جو ہم اپنے موجودہ علم کی بنا پر مہیا کر سکتے ہیں تو ہر شخص ۲ گھنٹے کی محنت کے بعد اپنی تمام ضروریات اور راحتیں حاصل کر سکتا ہے لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ راحتیں چھوڑ غذا اور کپڑے تک کی ضرورتیں دنیا کی ایک وسیع آبادی کو دستیاب نہیں ہو رہیں۔ لوگ کام کرنے کے لئے موجود ہیں۔ قدرتی وسائل تسخیر ہونے کے لئے تیار ہیں لیکن یا تو سرمایہ دستیاب نہیں یا کچھ ایسی صورت میں میسر آتا ہے، کہ بیشتر قدرتی وسائل تک انسانی

---

[1] ہماری بحث چونکہ خالص معاشی نقطہ نظر سے ہے اس لئے انصاف اور بھائی چارے کے عناصر پیدا نہیں ہونے دیے جو اسلام نے سرمائے کے معاوضے کے تصور کے خاص اجزا ہیں۔

[2] اختصار کی غرض سے یہاں محض اشارات پر اکتفا کروں گا، ناظرین اگر تشنگی محسوس کریں تو انھیں مصنف کی انگریزی تصنیف (ECONOMICS OF 9SLAM) میں کئی دلچسپی کی چیزیں ملیں گی۔

اختیار نہیں پہنچا اور بیشتر انسان بیکار رہتے ہیں۔ غیر محدود قدرتی وسائل کے درمیان جو ہماری جھولی بھرنے کو تیار ہیں ہم تہی دامن ہیں اور کبھی کبھی بے دامن بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ "جو لوگ سُود کھاتے ہیں ان کی حالت ایسی ہو گی۔ جیسے کسی کو شیطان نے خود چھُو کر دیوانہ بنا دیا ہو"۔ (البقرہ)

سوال یہ ہے کہ باوجود انسانوں اور قدرتی وسائل کی موجودگی کے سرمایہ کیوں مہیا نہیں ہوتا کہ ان سب چیزوں کو بروئے کار لا سکے؟

سرمایہ مہیا تو ہوتا ہے لیکن جس قیمت پر مہیا ہوتا ہے اس پر اس کا استعمال کرنا فائدہ بخش نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ آج صنعتی سرمائے کی فراہمی کی قیمت پانچ فیصدی سُود ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس میں سات آٹھ بلکہ دس فیصدی تک فائدہ ہو۔ چونکہ توقعات اور امر واقعہ میں عموماً فرق ہو جاتا ہے لہٰذا کوئی عمل پیدائش دس فیصدی سے کم فائدہ کا سُودی قرض حاصل کر کے نہیں کیا جاتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ صرف وہی وسائل استعمال میں آرہے ہیں جو دس فیصدی سے زیادہ فائدہ بخشتے ہیں یا اتنے فائدہ کی توقع ان سے پیدا ہوتی ہے دوسرے لفظوں میں بیشتر قدرتی وسائل اور انسان اس لئے بیکار ہیں کہ سرمائے کو اپنی غیر متبدل فیصدی کی شرط ان کاموں پر پوری ہوتی نظر نہیں آتی! یہ ہے پہلا اہم نتیجہ سُود کا کہ یہ سرمائے کی کارکردگی کو محدود کر دیتا ہے اور لہٰذا انسانوں اور قدرتی وسائل کے ایک بہت بڑے حصّہ کو بے کار چھوڑنے پر مجبُور ہے۔

سُود صرف سرمائے کی کارکردگی کو محدود کر کے قدرتی وسائل اور انسانوں کو بے کار نہیں رکھتا بلکہ ایک دُوسرا اثر ہماری معاشی زندگی پر یہ کرتا ہے کہ جہاں جہاں انسانوں اور وسائل کو کام پر لگاتا ہے وہاں مصنوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافے کا باعث ہوتا ہے۔

سود کی متعیّن شرح تمام مصنوعات کے مصارف پیدائش میں اضافہ کر دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مصنوعات کی مانگ اتنی نہیں ہو سکتی جتنی بغیر سُود کے

Marfat.com

پیدا کی ہوئی چیزوں کی ممکن ہے۔ یہ تو نظریہ قدر کا ایک مسلمہ ہے کہ قیمت کبھی مختتم صرفہ پیدائش سے کم نہیں ہو سکتی اور مختتم صرفہ پیدائش سود کی معین شرح بڑھا دیتی ہے لہذا قیمت تو کم نہیں ہو سکتی، اور مانگ بھی اس کے نتیجے میں بڑھ نہیں سکتی۔ لہذا مصنوعات کی مقدار کو کم کیجئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اور قدرتی وسائل اور انسانوں کو بے کار کر دیجئے یعنی مصنوعات کی مانگ کو اور کم کیجئے۔ لہذا انکی پیداوار کو اور کم کیجئے اور یہ چکر چلاتے جائیے حتیٰ کہ اقتصادی بدحالی اور کساد بازاری کا دور دورہ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

یہاں ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ عمل پیدائش کے لئے سود کی شرح تو عام طور پر فرض کیجئے چھ فیصدی ہے۔ اس سے مختتم صرف پیدائش میں صرف چھ فیصدی کا اضافہ ہو گا، کیا یہ چھ فیصدی اضافہ اتنا تباہ کن ہے کہ یہ وہ خطرناک چکر شروع کر دیتا ہے جو کساد بازاری سے ادھر ہمیں کہیں رکنے نہیں دیتا۔

اس اعتراض میں عمل پیدائش کی آج کل کی نوعیت پر نظر نہیں رکھی گئی۔ عمل پیدائش وسیع پیمانے پر کیا جاتا ہے جس میں تقسیم کار اور پھیلاؤ کی وجہ سے سود کا اطلاق ایک دفعہ نہیں ہوتا بلکہ کئی بار ہوتا ہے۔ آپ نے جو قمیص پہنی ہوئی ہے اس کے کپڑے کی قیمت پر سود کا بار محض یہی نہیں ہے کہ کپڑے بننے کے کارخانے والے نے سود پر روپیہ قرض لیا تھا، بلکہ یہ بھی ہے کہ کپاس بیلنے کے کارخانے نے بھی سود پر قرض لیا تھا۔ تارکشی کے کارخانے نے بھی سود پر قرض لیا تھا۔ کیلنڈر کرنے والے کارخانے نے بھی سود پر قرض لیا تھا۔ پھر کپڑے کے تھوک بیوپاری نے بھی سود پر سرمایہ حاصل کیا ہوا ہے اور پرچون بیچنے والے کا سرمایہ بھی سود پر حاصل کیا گیا ہے انتہا ایک طرف تو یہ ہے کہ کپاس پیدا کرنے والے کاشتکار تک نے سود پر قرض لے کر بیج خریدا ہے، اور دوسری طرف یہ ہے کہ حکومت نے اربوں روپیہ سود پر قرض لیا ہوا ہے جس کے سالانہ سود کی ادائگی لامحالہ ان ٹیکسوں کی شرح بڑھا دیتی ہے جو کپڑے کے کارخانوں کو ادا کرنے پڑتے ہیں یا کپڑے کے درآمد کے بیوپاری ادا کرتے

Marfat.com

ہیں لیکن اس تمام سودی کاروبار کا خمیازہ آپ بھگت رہے ہیں کہ کپڑے کی قیمت اس نسبت سے بہت زیادہ ہے جو سود کے بغیر اس کی ہوتی، اضافہ معین کرنا مشکل ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ چھ فیصدی سے کئی گنا زیادہ ہوگا۔

ہم کساد بازاری، افلاس اور تباہی کے صحراؤں کی جانب ایک نہایت خوبصورت پُل پر سفر کرکے پہنچتے ہیں یہ پُل سود کا پُل ہے اس پُل کے نیچے ہم نے بڑے مضبوط ستون تعمیر کر رکھے ہیں بالخصوص سروں پر۔ ایک سرے کے ستون سود کے اس بار سے تعمیر ہوتے ہیں جو وہ صرف پیدائش پر ڈالتا ہے اور دوسری جانب کے سرمائے کی کارکردگی کی وہ تحدید بناتی ہے جو سود کا بلاواسطہ نتیجہ ہے!

معاشیات میں ایک مسلمہ کے طور پر کہا جاتا ہے "سرمایہ وہ خون ہے جو عملِ پیدائش کے جسم میں سرائت کرکے اسے زندگی بخشتا ہے"۔ اسلام اس نظریہ سے متفق ہے۔ صرف وہ ایک اتنے ہی مسلمہ کے طور پر ایک فقرے کا اضافہ کرتا ہے "اگر یہ سرمایہ سود کا زہر لے کر عملِ پیدائش کے جسم میں داخل ہوگا، تو نتیجہ دیوانگی ہوگا"

کیا سود ناگزیر ہے کئی لوگ یہ تو ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں کہ سود دورِ حاضر کی معاشی بدنظمی کی بنیاد ہے لیکن وہ اسے ناگزیر سمجھتے ہیں کیونکہ سرمایہ مہیا ہونے کی کوئی اور اساس انھیں چنداں قابلِ قبول نظر نہیں آتی لیکن یہ تو کچھ اس طرح کی بات ہے جیسے کوئی کشتی چلاتا دریا کے بہاؤ کی سمت جا رہا ہو اور اسے یکایک ایک موڑ کاٹنے پر دریا کا اگلا حصہ کئی ہزار فٹ نیچے نظر آئے اور اسے یقین ہو جائے کہ کوئی بہت بڑا آبشار اس کے راستے میں ہے وہ دائیں بائیں دیکھے تو اونچے نیچے ناہموار پہاڑ اسے نظر آئیں اور اس پیدل راستے کی دقتوں سے بچاؤ اسے کشتی میں بیٹھے رہنا اور آبشار میں ڈوب مرنا ہی نظر آئے!

ظاہر ہے ہمیں یہ نقطہ نظر اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر یہ چیز تسلیم کر لی جائے کہ سود سے ہماری معاشی بدنظمی پیدا ہوتی ہے تو ہمیں فوراً سرمایہ مہیا کرنے کی کوئی اور اساس ڈھونڈنی چاہیئے۔ اگر ہم سنجیدگی سے یہ کام کریں تو ایسی علامات موجود ہیں

Marfat.com

کہ ہمیں تلاش میں بہت دور بھٹکنا نہیں پڑے گا ۔

تجارت، صنعت اور بنک کاری میں سرمائے کے سلسلے میں ایسے عنصر موجود ہیں جو سرمائے کا معاوضہ منافع کے ایک حصّہ کی شکل میں دیتے ہیں۔ ان عناصر کا احتیاط سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اور اگر یہ قابلِ قبول ہوا تو انھیں پیدائش دولت کی ہر اس منزل میں شریک کار کیا جا سکتا ہے جہاں آج تک ان کا اطلاق نہیں ہوا ۔

یہ کام ظاہر ہے کسی ایک فرد کا کام نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کسی کا کام ہی نہیں! اگر قوم واقعی اسلام کے نظام فکر و حیات کو ایک تیسرا راستہ تصور کرتی ہے تو اسے حکومت کو مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ اس اساسی سوال پر غور کرنے کے لئے چند ماہروں کی ایک کمیٹی مقرر کرے جو سود کا نعم البدل تجویز کر سکیں ۔

بنک کاری کی نئی تشکیل

ہماری روایات کے قریب تر قسم کی بنک کاری اس وجہ سے ناممکن معلوم نہیں ہوتی کیونکہ موجودہ بنک کاری میں بھی کم از کم ایک جزو ایسا موجود ہے جس پر اسلام کو اعتراض نہیں ضرورت صرف اس جزو کو کل پر پھیلانے کی ہے ۔

موجودہ بنک عموماً مشترکہ سرمائے کی کمپنیاں ہوتی ہیں اور ہر دوسری ایسی کمپنی کی طرح بنک بھی اپنے حصّہ داروں کو ہر سال منافع تقسیم کرتے ہیں اور کوئی معیّن سود عام طور پر نہیں دیتے، یہ چیز غور طلب ہے کہ اگر حصّہ داروں کے سرمائے کا معاوضہ منافع کے اصول پر ادا کیا جا سکتا ہے تو امانت داروں کے سرمائے میں کونسا نوعی فرق ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے صرف سود ہی یہاں راس آتا ہے، ظاہر ہے کہ امانتداروں کا سرمایہ نسبتاً کم وقفے کے لئے بنکوں کے پاس ہوتا ہے لیکن وقت کا کم یا زیادہ ہونا سرمائے کی نوعیّت میں فرق ڈالتا ہے یا اس کی قدر و قیمت میں؟ نوعیّت میں فرق کا تو بظاہر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور قدر و قیمت میں فرق معاوضہ کی شرح میں ظاہر ہونا چاہیئے بجائے اس کے کہ اصول معاوضہ ہی بدل کے رکھ دیا جائے ۔

مثال کے طور پر ایک سو روپیہ جس امانت دار کا ایک سال کے لئے بنک میں ہے ۔

Marfat.com

اسے حصہ دار کے سو روپے کے مقابلے میں مثال کے طور پر نصف یا ایک چوتھائی (یا جو آپ چاہیں) قیمت کا تصور کر لیجئے اور اسی کے مطابق اسے معاوضہ بھی دے دیجئے۔

اگر امانتداروں کو سود ادا کرنے کا کوئی بار بنکوں کے سر پر موجود نہ ہو اور کوئی فنی یا غیر فنی وجہ نظر نہیں آتی کہ وہ خواہ مخواہ اس بار کو اٹھائے پھریں، تو پھر بنک اپنے مقروضوں سے بجائے سود طلب کرنے کے آمدنی کے حصے میں شریک ہونے کی ہمت کر سکتا ہے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ کام کا یہ حصہ موجودہ انتظام کی نسبت زیادہ پیچیدہ ہے تقسیم کار بھی سب کام ایک آدمی کے ہاتھوں کروانے کی نسبت زیادہ پیچیدہ چیز ہے، ہر مشین ہاتھ سے کام کرنے کی نسبت زیادہ پیچیدہ ہے۔ پیدائش دولت کا کوئی کام بڑے پیمانے پر کرنا چھوٹے پیمانے پر کرنے کی نسبت زیادہ پیچیدہ ہے، ان کی پیچیدگیوں کے باوجود آپ ان سب چیزوں کو مستحسن سمجھتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ اگر بنک کاری کی اصلاح کرتے ہوئے اس کا پیچیدہ بننا ناگزیر ہے تو آپ اس پیچیدگی کو ہی اصلاح نہ کرنے کی دلیل بنا لیں!

پیچیدگی اس وجہ سے ہے کہ اس قسم کی بنک کاری کو مقروضوں کے آمد و خرچ کا حساب و کتاب دیکھنا پڑے گا کیونکہ اسے معین سود نہیں لینا بلکہ غیر معین منافع میں شریک ہونا ہے یہ پیچیدگی شاید سو سال پہلے واقعی ناممکن العمل ہوتی لیکن اب تنظیم اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ مثال کے طور پر امریکہ میں بعض ادارے کئی کئی سو اور بعض اوقات کئی کئی ہزار دوکانوں یا شاخوں کا انتظام کرتے ہیں اور ایسا کرنے میں عملاً کوئی دقت نہیں ہوتی۔ روس میں انتظامیہ کی بعض شاخیں لاکھوں اداروں کا انتظام کرتی ہیں جو کروڑ مربع میل کے رقبے میں بکھرے ہوتے ہیں اس صدی کی حیرت انگیز ایجادات میں سے حساب و محاسبہ کی موجودہ ترقی یافتہ صورت ہے جس کا سہارا لے کر روس اور امریکہ تنظیم کا یہ بلند معیار پیش کرتے ہیں تنظیم کا اس سے بہت کمتر معیار تمام مقروضوں کی آمدنی کا حساب کر سکتا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید اس طریقہ میں بنک کو ہر گز کپڑے کی فروخت اور ہر چھٹانک گندم کی پیداوار کی نگرانی کرنا پڑے گی روس اور امریکہ

میں یہ بھی ہوتا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم یہ نہ کر سکیں لیکن بنک کاری میں یہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں) یہاں صرف مقروضوں کے ساتھ معاہدہ ہو گا کہ وُہ اپنا حساب مکمّل رکھیں گے اور اس حساب کو بنک کے ملازم وقتاً فوقتاً جانچتے رہیں گے۔

قومی نقطہ نظر سے ان بنکوں کی یہ پیچیدگی ہی خاص طور پر مستحسن ہے۔ ہر بنک صرف وُہ قرضے دے گا جو پیدائش آور اور نفع آور ہونگے۔ موجودہ بنکوں کی طرح وُہ اس چیز سے بے تعلق نہیں ہو سکتا کہ مقروض کو سرمایہ کہاں استعمال کرتا ہے یہ بنک (انہیں شراکت بنک کہہ لیجئے) قومی سرمائے کو بے کار نہیں ضائع ہونے دیں گے، نہ وُہ اپنے مقروضوں کو سرمایہ مہیا کرنے کے بعد بے تعلق ہو سکیں گے۔ بلکہ ان کی شروع سے آخر تک ہر قدم پر رہنمائی اور مدد کریں کیونکہ اب وُہ نفع اور نقصان دونوں میں ایک دُوسرے کے شریک ہیں۔

یہ شراکت نہ انسانیت کش ہو گی اور نہ غیر منصفانہ، یہ نہ ہو گا کہ ایک شخص محنت کرے اور نقصان اُٹھائے اور دُوسرا کام بھی نہ کرے اور پھر بھی فائدے میں رہے۔

ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ دھوکے کی گنجائش بڑھ جائے گی۔ یہ اعتراض بھی تنظیم کی قوتوں کو پورا پاس نہیں کرتا۔ آپ اپنے بنک میں جاتے ہیں اور دس ہزار روپیہ اس کلرک کے سامنے رکھ دیتے ہیں جسے آپ جانتے تک نہیں لیکن آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ یہ روپیہ ضائع ہو جائے گا، وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک تنظیم اس کلرک کو (اگر وُہ یہ خواہش بھی کرے) روپیہ ضائع کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی بعینہ یہ صُورت بنک کے کام کو وسیع تر کرنے کے باوجود موجود رہے گی بنک کے مقروض خواہ وُہ دھوکا دینا بھی چاہیں کسی بڑے پیمانے پر ایسا نہیں کر سکتے حساب و محاسبہ نگرانی کرنا جانتے ہیں۔

جہاں تک قرض کی ضمانت کا تعلق ہے وُہ تو موجودہ حالت برقرار رہے گی قرض بہرحال کسی مناسب ضمانت پر ہی ملے گا۔ اگرچہ وُہ سُود کے بغیر ہو گا۔[1]

---

[1] اسی طرح ہنڈیاں اور تجارت کی سہولت کے دوسرے کام موقوف کیا جانا نئی تشکیل کے باوجود ممکن ہے۔

Marfat.com

میں نے ایک دفعہ ایک بنک کے کاموں کے ماہر سے پوچھا کہ اس انتظام میں کیا فنی نقص ہے کافی بحث و تمحیص کے بعد انھوں نے کہا "لیکن یہ بنک کاری نہیں ہوگی"۔ میں نے یہ کہانی ایک اسلامیات کے ماہر کو سنائی انھوں نے بتایا کہ ایک فرانسیسی مستشرق نے اسلام کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ مذہب ہی نہیں ہے"۔

اس فرانسیسی مصنف کا مذہب کے متعلق تصور یہ تھا کہ وہ رہبانیت کا درس دیتا ہے قدرتی بات تھی اسے اسلام مذہب نظر نہ آیا۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بنک کا کوئی تعلق عمل پیدائش کی نگرانی سے نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ سوائے اس کے کوئی دلیل اپنے دعویٰ کی نہیں دے سکتے کہ آج کل ایسا نہیں ہوتا۔ اس دلیل کی وقعت بہرحال محدود ہے۔ انسانوں نے ترقی کا جب بھی کوئی قدم اٹھایا ہے وہ اس دلیل کو رد کرنے کے بعد ہی ممکن ہوا ہے۔

زراعت میں سرمائے کی غیر سودی شکلیں

ہمارا بحث چونکہ زرعی سرمایہ کی فراہمی ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہم اپنی زراعت کو جس ڈگر پر چلانا چاہتے ہیں اس میں کہاں کہاں ہمیں سرمائے کی ضرورت ہے اور کیا یہ ضرورت بغیر سود کے پورا کرنا ممکن ہے۔

پہلی سرمائے کی ضرورت تو یہ ہے کہ زمینداروں کو زمینوں کا معاوضہ ادا کرنا ہے اور معاوضہ کا پیمانہ کچھ بھی ہو اس کے لئے اتنی بڑی رقم کی ضرورت ہے جو نہ کسی حکومت کے پاس ہے اور نہ عوام اسے یک مشت ادا کر سکتے ہیں۔

اس کا طریقہ تمام دنیا میں یہ ہے کہ زمیندار کو حکومت تمسکات دے دیتی جن کی میعاد بیس یا تیس سال رکھی جاتی ہے ان تمسکات پر حکومتیں کچھ سود کی شرح مقرر کر دیتی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ تمسکات آسانی سے فروخت ہو جاتے ہیں، چنانچہ زمیندار کو روپیہ بھی مل جاتا ہے حالانکہ حکومت نے ادائیگی کوئی نہیں کی ہوتی۔ بیس یا تیس سال کے دوران میں حکومت ان لوگوں سے قسطوں میں زمین کی قیمت وصول کر لیتی ہے جنھیں زمین کی ملکیت دی جاتی ہے لہٰذا تمسکات کا وقت ختم ہونے

Marfat.com

پر حکومت ان کی قیمت بآسانی ادا کر سکتی ہے۔

یہی طریقہ ہمیں یہاں بھی اختیار کرنا پڑے گا ماسوا اس کے کہ ہمارے تمسکات پر کوئی سود معین نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ کہ حکومت ہر تمسک کو اس اضافے کا ایک حصہ دیگی جو زمینوں کی ترتیب کی وجہ سے مالیہ کی مقدار میں ہو گا۔

یہ یقینی ہے کہ اگر ہماری فصلیں تگنی یا چارگنی بڑھ گئیں تو ہماری صوبائی حکومتوں کے زرعی ٹیکسوں میں کم وبیش اسی ترتیب سے اضافہ ہوگا۔ تمسکات پر اس اضافے کے ایک حصہ کا معاوضہ وہ کام بھی کرے گا جو سود کی شرح اس وقت کرتی ہے اور وہ بھی جو سود کی شرح نہیں کر سکتی یعنی خود زمینداروں کی دلچسپی اور مفاد نئے نظام کے ساتھ وابستہ کر دیگا۔ اور اگر نیا زرعی نظام واقعی فصلوں میں کئی گنا اضافہ کر سکے تو ان تمسکات کی قیمت سٹاک ایکسچینج میں بڑی معقول حد تک بڑھ جائے گی۔

جب زمین خرید کر گاؤں کے مشترک انتظام میں دے دی گئیں تو محض یہ کرنے سے کوئی زرعی انقلاب نہیں آئیگا۔ جب تک سرمایہ اور سرمائے کے استعمال کا طریقہ ہر گاؤں کے انتظامیہ کو نہ بتایا گیا۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ پاکستان کی زرعی ترقی کی کارپوریشن کی قسم کا لیکن اس سے کہیں زیادہ وافر سرمائے کا مالک ایک ادارہ قائم کیا جائے۔ یہ ادارہ بیج کے فارم بھی قائم کرے۔ کھاد کے کارخانے بھی بنائے۔ زرعی آلات اور مشینوں کے کارخانے بنائے یا درآمد کرے اور پھر ہر دو چار گاؤں میں اپنی ایک شاخ قائم کرے۔ اور ہر گاؤں کی انتظامیہ کو یہ ساری چیزیں اس حد تک دے جس حد تک انھیں ان کی ضرورت ہو، اور پھر انھیں ان چیزوں کے استعمال میں رہنمائی کرے۔ یہ ساری چیزیں اسے اغلباً قرض کی شکل میں دینی پڑیں گی۔ کیونکہ خریداروں کے پاس ان کے خریدنے کے لئے کافی روپیہ نہیں ہو گا البتہ یہ طے ہو گا کہ جب فصل تیار ہو جائے تو گاؤں کی

---

[1] بعض علمائے دین اپنی کم فہمی کی وجہ سے اسے بھی ناجائز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اسلام کے اتنا ہی خلاف ہے جتنی مثال کے طور پر لاہور کی اکبری منڈی، اکبری منڈی کے غلہ فروش بھی بعض ناجائز باتیں کرتے ہیں اور سٹاک ایکسچینج کے کارندے بھی لیکن بنیادی طور پر نہ وہ ناجائز ہے نہ یہ۔

Marfat.com

انتظامیہ فصل اسی ادارے کی معرفت فروخت کرے اور فصل کی قیمت میں سے ان چیزوں کی قیمت وضع ہو جائیگی اس معاملے میں کسی سُود کی ضرورت نہیں۔ کاروباری اُصول پر ادارہ اپنا منافع حاصل کرے گا۔ اور جیسے اچھے گاہکوں کو کچھ وقت کی مہلت ہر دوکاندار دیتا ہے۔ اسی طرح یہ ادارہ بھی فصل پکنے تک کی مہلت دے گا۔ ادارہ کے منافع کی دو مدیں ہونگی۔ ایک گاؤں کے انتظامیہ کی ضروریات گاؤں والوں کو دینا اور دوسرے ان کی فصلیں باہر کی دُنیا میں فروخت کرنا۔

اگر فصل کے وقت اس کا پانچ فیصدی بھی ادارہ کے پاس ہر گاؤں کا محفوظ سرمایہ رہے تو چند ہی سال میں یہ سرمایہ ایسے ادارے کی وسیع ترین سرگرمیوں کے لئے بھی کافی ہوگا۔ پھلوں کی نرسریوں سے لے کر زرعی پیداوار کو محفوظ رکھنے کے کارخانوں تک اور مویشیوں کے فارموں سے لے کر شیر خانوں کے آلات اور مشینوں تک اس ادارے کے لئے بہت کچھ کرنے کی گنجائش ہے۔

اگر یہ سب کچھ ہو تو ہماری زراعت میں جو انقلاب آئیگا وہ تو ظاہر ہے لیکن دُنیا کو اپنی نجات کا راستہ مِل جائے گا!

کیا ہمارے پاس سرمایہ موجود ہے؟

حکومتِ پاکستان نے پانچ کروڑ کے سرمائے سے زرعی ترقی کی ایک کارپوریشن بنائی تھی۔ ظاہر ہے کام کی نہ یہ نوعیت حکومت کے پیشِ نظر تھی نہ یہ وسعت لیکن اگر حکومت یہ نوعیت اور وسعت قبول کرے تو ایسے ادارے کے ابتدائی سرمائے کے لئے خود اس کے مالیات میں سے گنجائش نکل سکتی ہے۔ چہ جائیکہ قوم مجموعی طور پر ایسا کرنے سے قاصر ہو! یہ ممکن ہے کہ ابتدائی سرمایہ سارے کاموں کو ساری جگہوں میں ایک ہی وقت میں شروع کرنے کے لئے کافی نہ ہو لیکن یہ تو خالص انتظامی نقطۂ نظر سے بھی ایک دم نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ تنظیم کو پاکستان کے ہر گاؤں تک پھیلتے کچھ وقت لگ جائیگا۔ اس دوران میں سرمائے میں خود بخود ترقی ہوتی رہے گی۔ کیونکہ وہ گاؤں جہاں یہ تنظیم پہنچ چکی ہوگی۔ ایک آدھ سال میں ہی مزید سرمایہ مہیا کرنے کے ذرائع

Marfat.com

بن جائیں گے ۔

وقت سرمائے کے مہیا ہونے میں نہیں۔ کام شروع کرنے کا فیصلہ کرنے میں ہیں جن قوموں کو دُنیا میں کچھ کرنا ہوتا ہے ان کا سب سے پہلا اقدام یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی اقدام کا فیصلہ کرلیتی ہیں !

ہماری بے یقینی تباہ کن ہوسکتی ہے

ہم نے یہ فیصلہ اب تک نہیں کیا۔ فیصلہ کرنے کے لئے غیر محدود مہلت آج تک کسی قوم کو نہیں ملی! ہمیں کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے والی تذبذب کی کیفیت کو ختم کرنا ہے اور اگر ہم وہ سربلندی چاہتے ہیں جو بلند ترین مقاصد قوموں کو بخشا کرتے ہیں تو ہمیں اسلام کی روح کے مطابق اپنے معاشی نظام کو ڈھالنا شروع کردینا چاہیئے اور اگر ہم نے ایسا کرنے میں مزید تاخیر کی تو ممکن ہے کہ وہ عظیم الشان موقع جو اس وقت ہمیں حاصل ہے ہمیشہ کے لئے ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے ۔

میں اس تذبذب اور تاخیر کی صرف ایک مثال دیتا ہوں، سٹیٹ بنک کا افتتاح ہوا تو مسٹر زاہد حسین نے ایک تقریر کی جس میں۔ انھوں نے کہا: "بنک کاری کے طریقوں کا انتہائی احتیاط سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے ۔ یہ فنی اُصولوں پر ایسے قابل ماہرین کو کرنا ہوگا جو اسلام کے بنیادی اصولوں اور ضروریات سے واقف ہوں ۔ ان کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ وہ معلوم کریں کہ کس انداز اور طریقے سے یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ بنک کاری کے طریقوں اور اسلام کے معاشی اور اقتصادی مقاصد میں مطابقت پیدا ہو ہمارا یہ ارادہ ہے کہ سٹیٹ بنک کے تحت ایک تحقیقی ادارہ قائم کریں جو ہمارے مطمح نظر کے اس خاص پہلو پر خاص اور مسلسل توجہ مبذول کرے ۔ اس بنک کا افتتاح قائد اعظم نے فرمایا تھا اور ان کی تقریر ان کی زندگی کی آخری تھی ۔ انھوں نے بنک کے گورنر کی اس تجویز کو پسند کیا اور ارادے کو سراہا ۔ بیشتر لوگوں کی اُمید بندھ گئی کہ صحیح سمت میں کام شروع ہوجائے گا ۔

کوئی دس مہینے بعد مسٹر زاہد حسین نے کل پاکستان اقتصادی کانفرنس کے

Marfat.com

صدر کی حیثیت سے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اُنھوں نے معاشیئین سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "اسلام سُود کے ہر قسم کی (SPECULATION) اور دولت اور قوت کے مرتکز ہونے کے خلاف ہے اور یہی آج کل کی معیشت اور معاشی نظام کے بنیادی اُصول ہیں اور سُود تو بنیاد کا پتھر ہے جس پر معاشی نظام کا قصر کھڑا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سُود کی شرح کا رجحان گذشتہ تیس سال سے گھٹنے کی طرف رہا ہے۔ لیکن کیا ہم ایسے وقت کا تصور کر سکتے ہیں جب یہ بالکل ختم ہو جائے اور کیا ہم ایسا تعمیری پروگرام بنا کر عمل میں لا سکتے ہیں جس سے وہ وقت قریب آ جائے؟ بہت سے دُوسرے مسئلے بھی ہیں جو ہمارے مستقبل سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ اتنا بنیادی ہے اور نہ اتنا پیچیدہ جتنا سود کا مسئلہ ہے۔ یہ ہمیں دعوتِ مبارزت بھی دیتا ہے اور ہماری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا موقع بھی بہم پہنچاتا ہے۔"

اس کے چھ ماہ بعد مسٹر زاہد حسین نے سٹیٹ بنک کی پہلی سالانہ رپورٹ پیش کی۔ اس میں اس پروگرام کا ذکر جس کا وعدہ اُنھوں نے بنک کی افتتاحی رسم کے موقع پر کیا تھا ان الفاظ میں کیا: "مجھے بڑے رنج سے اس چیز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ سٹیٹ بنک اپنی زندگی کے پہلے سال اس سمت میں کچھ نہیں کر سکا۔ اس سال ہماری مصروفیتیں بھی زیادہ تھیں اور دقتیں بھی لیکن بنیادی وجہ ہماری ناکامی کی یہ تھی کہ باوجود سنجیدہ کوششوں کے ہم اپنے تحقیقی ادارے کے لئے مناسب قسم کے آدمیوں کی خدمات حاصل کرنے سے معذور رہے ہیں۔ مجھے ابھی تک کوئی صحیح قسم کا معاشیات کا ماہر نظر نہیں آیا جو اسلام کے بنیادی اُصولوں اور ضرورتوں کو جانتا ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس تجربے کے پیش نظر میرا یہ ارادہ ہے کہ چند قابل معاشیات کے ماہروں اور اسلامی اُصولوں کے ماہروں کو اکٹھا کروں تاکہ وہ مل جُل کر یہ کام کر سکیں۔"

اب اگلا قدم ملاحظہ ہو۔ ۔ ۔ سٹیٹ بنک کی دُوسری سالانہ رپورٹ میں مسٹر زاہد حسین یہ کہتے ہیں: "ایک تحقیقات اور اعداد و شمار کا ادارہ جو پچھلے سال قائم کیا گیا تھا اس کی تنظیم بدل دی گئی ہے۔ تحقیقاتی حصّہ تو بند کرنا پڑا کیونکہ مناسب سند یافتہ

Marfat.com

سٹاف مل نہیں سکا۔ چنانچہ یہی صحیح معلوم ہوا ہے کہ فی الحال اعداد و شمار کا کام کیا جائے اور تحقیقی ادارہ اس وقت قائم کیا جائے جبکہ حالات زیادہ سازگار ہوں"۔

کیا یہ دلیل قابلِ قبول ہے کہ ایک ایسا مسئلہ جو خود ان کے قول کے مطابق سب سے زیادہ بنیادی ہے اسے سلجھانے کے لئے نہ صرف کوشش ترک کی جاتی ہے بلکہ اس وجہ سے ترک کی جاتی ہے کہ مناسب سند یافتہ لوگ نہیں مل سکے؟ کیا دُنیا بھر میں کوئی معاشیات کا ماہر ایسا نہیں رہا جسے سٹیٹ بنک مناسب سند یافتہ سمجھ سکے؟

اس واقعے کو بیان کرنے سے کسی فرد کی تنقید مقصود نہیں۔ مسٹر زاہد حسین نے اپنے اوپر والے بیانوں میں اس اہم مسئلے کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس سے دسواں حصّہ بھی مرکزی اور صوبائی وزیروں کی اکثریت میں سے کسی نے نہیں کہا۔ اور جب ہر طرف ایک جمود طاری ہو تو وہ لوگ بھی ہمتیں پست کر دیتے ہیں جنھیں ان کی بصیرت راستہ سجھا رہی ہوتی ہے لیکن یہ مقام ہمت پست کرنے والا مقام ہی نہیں۔ ہمت پست ہوئی تو وُہ بصیرت بھی چلی جائیگی جو راستہ سجھا سکتی تھی۔ "جو لوگ سُود کھاتے ہیں انکی حالت ایسی ہو جائیگی جیسے شیطان نے خود چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو"۔

پاکستان دوراہے پر

پاکستان آج ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ ایک طرف اسلام کا سُود کو رد کرنے والا نظام ہے جو اسے بیک وقت سرمایہ دارانہ اور اشتراکی[1] ملکوں سے ممتاز کرتا ہے۔ یہی بنیادی پتھر ہے جس پر اسلام کے معاشی نظام کا قصر تعمیر کیا جا سکتا ہے لیکن اگر ہم سُود کا بدل پیش نہ کریں سُود کھائیں اور کھلائیں اور زبان سے کہتے چلے جائیں کہ ہم اسلام کا معاشی انصاف قائم کر رہے ہیں۔ تو یہ خدا فریبی تو ہو نہیں سکتی البتہ خود فریبی ضرور ہے۔

اگر ہم سُود کا بدل ڈھونڈ لیں اور اپنے معاشی نظام سے ناانصافی کو دُور کر دیں تو ایک ایسی معیشت وجود میں آئے گی جس میں انسان اپنی آزادی سلب کئے بغیر اپنی

---

[1] رُوس میں سُود کی شرح سرمایہ دار ملکوں سے بھی زیادہ ہے۔ صرف لین دین آپس میں نہیں ہوتا لیکن حکومت کے بنک افراد کو سُود دیتے ہیں۔ جس کی شرح آٹھ سے دس فیصدی تک ہے۔

Marfat.com

ضروریاتِ زندگی حاصل کرسکیں گے۔ اور دُنیا نے ایسا کوئی نظام صنعتی انقلاب کے بعد اب تک نہیں دیکھا!

اور اگر ہم یہ نہ کریں تو ہم ان بیسیوں چھوٹے چھوٹے سرمایہ دار ملکوں میں سے ہونگے جن کی معاشی دقتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ ماسوا جنگ کے ان میں بسنے والے افراد کی بڑی تعداد کے سامنے یہ دو راستے ہوتے ہیں امن میں بیکاری یا میدانِ جنگ میں موت!

اللہ تعالیٰ سُود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے... "اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سُود رہتا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم واقعی ایمان والے ہو اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اس کے رسُولؐ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کرلو تو تم اپنے راس المال لے سکتے ہو۔ (ہم یہ چاہتے ہیں) کہ نہ تم ظلم کرو نہ تم پہ کوئی ظلم ہو۔" (البقرہ)

کیا ہم میں سے کسی میں اللہ اور اُس کے رسُولؐ کے ساتھ جنگ کرنے کی ہمت ہے؟

مرکزی ... زبیرہ ... لاہور پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

ماہنامہ

ثقافت لاہور

پاکستان میں اپنی نوعیت کا واحد رسالہ ہے ۔ اور ادارہ ثقافت اسلامیہ کا ترجمان ہے ۔ اور اس کے عمومی مباحث یہ ہوتے ہیں ۔

- معاشرے کے حقیقی مسائل پر اصولی بحث ۔
- معاشرے کے بنیادی اقدار اور دین صحیح کی پیشکش
- دین کی روشنی میں حیات جدیدہ کی تشکیل ۔
- وحدت فکر اور وحدت [illegible] وت ۔
- اسلاف کے گراں قدر خدمات اور علمی سرمائے سے استفادہ ۔
- متفرقات - - - - - ضخامت ۸۰ صفحات

سالانہ چندہ آٹھ روپے قیمت فی پرچہ بارہ آنے

ملنے کا پتہ : ادارہ ثقافت اسلامیہ ۔ کلب روڈ ۔ لاہور

Marfat.com

ماھنامہ

ثقافت لاھور

پاکستان میں اپنی نوعیت کا واحد رسالہ ھے ۔ اور ادارہ ثقافت اسلامیہ کا ترجمان ھے ۔ اور اس کے عمومی مباحث یہ ھوتے ھیں ۔

- معاشرے کے حقیقی مسائل پر اصولی بحث ۔
- معاشرے کے بنیادی اقدار اور دین صحیح کی پیشکش
- دین کی روشنی میں حیات جدیدہ کی تشکیل ۔
- وحدت فکر اور وحدت [illegible]وت ۔
- اسلاف کے گراں قدر خدمات اور علمی سرمائے سے استفادہ ۔
- متفرقات - - - - - ضخامت ۸۰ صفحات

سالانہ چندہ آٹھ روپے   قیمت فی پرچہ بارہ آنے

ملنے کا پتہ : ادارہ ثقافت اسلامیہ ۔ کلب روڈ ۔ لاھور

Marfat.com